علمی و تحقیقی مجلہ

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣعَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ

البصیرۃ

شش ماہی

جلد ۱ شمارہ ۱ جون ۲۰۱۲ء

NATIONAL UNIVERSITY OF MODERN LANGUAGES

شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

علمی وتحقیقی مجلّہ

البصیرۃ

ISSN: 2222-4548

جلد: ۱ شمارہ:۱

جون ۲۰۱۲ء

سرپرست:

میجر جنرل(ر) مسعود حسن (ریکٹر نمل)

مدیر اعلیٰ:

بریگیڈیر اعظم جمال (ڈائریکٹر جنرل نمل)

مدیر مسئول:

ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری

شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، پاکستان

ناشر: شعبہ علوم اسلامیہ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ایچ نائن، اسلام آباد

طباعت: نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ایچ نائن، اسلام آباد

شمارہ: ۱ جلد: ۱ جون ۲۰۱۲ء

تعداد: ۲۵۰

قیمت: اندرون ملک: =/ ۳۰۰ روپے بیرون ملک: =/ ۱۰ ڈالر

خط و کتابت کے لئے ...

اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری، مدیر مسئول، مجلہ "البصیرۃ"
بریگیڈیر (ر) پروفیسر ڈاکٹر فضل ربی، معاون

شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ایچ نائن، اسلام آباد
Ph: OO92 051-9257646 50 EXT (339)
E-mail: abdul.ghaffar@numl.edu.pk
Web-site: www.numl.edu.pk

البصیرۃ میں مقالہ کی اشاعت کیلئے قواعد وضوابط

ادارتی پالیسی

البصیرہ خالصۃً اسلامی علوم وفنون سے وابستہ رسالہ ہے۔جو علمی و تحقیقی دنیا کے لئے نمایاں نوعیت کا حامل ہے۔اس میں شائع ہونے والے مقالات کے متعلق ادارتی پالیسی حسب ذیل ہے :

- البصیرۃ میں شائع ہونے والے مقالات کے موضوعات علوم القرآن، علوم الحدیث، علم فقہ واصول فقہ، تقابل ادیان، علم کلام وتصوف، فلسفہ، سائنس، ادب، معاشیات، عمرانیات، سیاسیات، ثقافت وتمدن اور اسی طرح مسلم شخصیات اور اسلامی موضوعات پر لکھی جانے والی کتب (تبصرہ وتعارف) وغیرہ سے متعلق ہونے چاہئیں۔
- البصیرۃ ایک ششماہی رسالہ ہے یعنی سال میں دومرتبہ (جون اور دسمبر میں) شائع ہوگا۔
- البصیرۃ میں اشاعت کی غرض سے بھیجے گئے مقالات کا تجزیہ دو منظور شدہ ماہرین سے کروایا جائے گا۔ جس میں ایک تبصرہ نگار ملکی اور دوسرا غیر ملکی ہوگا۔ ڈی،جی نمل کی منظوری سے مقالہ تجزیہ کے لئے بھیجا جائے گا۔
- البصیرۃ کی اشاعت کے سلسلہ میں ہائیر ایجوکیشن کمیشن (HEC) کے جملہ قوانین وضوابط لاگو ہوں گے۔
- البصیرۃ میں مقالہ کی اشاعت کے حوالے سے ادارتی بورڈ کا فیصلہ حتمی ہوگا۔
- البصیرۃ کی ادارتی مجلس کو ارسال کیے گئے مقالات میں ضروری ترامیم، تنسیخ و تلخیص کا حق حاصل ہوگا۔ مدیر مسؤل مقالہ نگاروں کو تجزیہ کاروں کی رائے، نیز مقالہ میں مطلوب کسی تبدیلی سے متعلق آگاہ کرے گا۔
- البصیرۃ ادارہ کا مقالہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں، مقالہ میں دی گئی رائے کی ذمہ داری مجلس ادارت یا نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد نہیں، بلکہ مقالہ نگار پر ہوگی۔
- البصیرۃ کو موصول مقالات (شائع ہونے یا نہ ہونے) کسی صورت میں واپس نہیں کئے جائیں گے۔

مقالہ کی تیاری سے متعلق چند اہم ہدایات و لوازمات:

عمومی لوازمات :

۱۔ مقالہ A4 صفحے کے ایک طرف کمپوز شدہ ہونا چاہیے اور اس کی ضخامت ۳۰ صفحات سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔ کمپوزنگ کے سلسلے میں درج ذیل فانٹس کا خیال رکھا جائے:

(i) فصل یا مبحث کے لئے فانٹ سائز: ۱۸

(ii) ذیلی فصول کے لئے فانٹ سائز: ۱۶ اور

(iii) مقالے کے متن کے لئے فانٹ سائز: ۱۴

۲۔ مقالہ کسی اور جگہ شائع شدہ نہ ہو اور نہ ہی کسی اور جگہ اشاعت کے لئے نہ دیا گیا ہو۔

۳۔ مقالہ تحقیق کے اصولوں کے عین مطابق ہونا چاہیے۔ نئی تحقیق پر مبنی اور سرقہ سے خالی ہو۔ نیز مقالہ بنیادی مصادر کے حوالوں سے مزین ہونا چاہیئے۔

۴۔ املاء و انشاء کے رموز و قواعد کا التزام ضروری ہے۔

۵۔ مقالہ کی تین مطبوعہ کاپیاں (Hard copies) اور ایک سافٹ کاپی مطلوب ہوگی۔

۶۔ مقالہ نگار اپنے مقالہ کا ملخص بحث (Abstract) بھی مقالہ کے ساتھ فراہم کرے گا۔

۷۔ مقالہ اردو، عربی اور انگریزی زبان میں لکھا جا سکتا ہے۔

۸۔ اغلاط سے حتیٰ الامکان اجتناب کیا جانا چاہیئے۔

ترتیب و تدوین کے لوازمات:

تحقیقی مقالہ درج ذیل امور پر مشتمل ہونا چاہیے:

۱۔ **خلاصہ (Abstract)**

اس میں بالاختصار تحقیق کا مقصد، طریقہ کار، امتیازی خصائص اور نتائج بحث تحریر کیجیے۔

۲۔ **تعارف (Introduction)**

مقالے کا تعارف مقالہ کے آغاز میں مختصراً پیش کیا جانا چاہیے۔

۳۔ **کلیدی الفاظ (Key Words)**

مقالے سے متعلق موضوع کی مناسبت سے پانچ کلیدی الفاظ شامل کیجیے۔

۴۔ نتائج (Conclusion)

مقالہ میں نتائج منطقی ترتیب و تسلسل کے ساتھ پیش کرنے چاہیے۔

۵۔ بحث (Discussion)

مقالہ کے اس حصے میں مقالہ نگار اپنے تحقیق سے متعلقہ مواد تفصیلاً پیش کرے گا۔

۶۔ حوالہ جات (References)

حوالہ جات دینے کے لئے درج ذیل ہدایات ملحوظ رکھنی چاہیے:

i) حوالہ جات بحث کے آخر میں دیئے جائیں۔

ii) مقالہ کے حواشی اور حوالہ جات کی ترتیب میں شکاگو مینوئل سٹائل (Chicago Manual Style)

iii) کتاب کا حوالہ دیتے وقت مصنف کا معروف نام، کتاب کا مختصر نام، جلد اور صفحہ نمبر درج کریں۔ اس کے بعد ناشر اور مقام اشاعت ، سن اشاعت وغیرہ کے بارے میں مکمل معلومات فراہم کریں۔ مثلاً

iv) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ص: ۲/ ۳۱۲ ، دار صادر بیروت، ۱۳۵۴ھ

v) ایک ہی حوالہ متعدد جگہوں پر دینا مقصود ہو تو اختصار کے اسلوب تحقیق میں معروف رموزواشارات کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔

vi) مقالہ میں موجود تمام قرآنی آیات عربی رسم الخط میں تحریر ہونے چاہیے۔ آیات کا حوالہ دینے کے لئے درج ذیل طریقہ اختیار کیا جائے۔ مثلا سورۃ النساء:۴/ ۱۸۴ (سورۃ کا نام لکھ کر دو نقطے ڈالے اور اس کے بعد سورۃ کا نمبر اور پھر آیت کا نمبر تحریر کریں)۔

vii) تمام احادیث کی تشریح کریں اور اُس کے لئے درج ذیل مثال کو مد نظر رکھیں:

viii) البخاری، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب اِفشاء السلام من الاِسلام ،حدیث نمبر: ۲۹ ،ص:۱/ ۸، دارالسلام، ریاض، ۱۴۱۲ھ

ix) مقالہ میں مذکور تمام غیر معروف شخصیات کا مختصر تعارف کروائیں اور اس ضمن میں علم الرجال اور الطبقات کی کتب سے حوالہ جات دیں۔

اداریہ

بلاشبہ تحقیقی مجلات کا تعلیم و تعلم سے وابستہ حضرات یعنی اساتذہ کرام، محققین اور طلبا و طالبات وغیرہ سے گہرا رشتہ ہے جن کی بدولت نت نئی تحقیقات منظر عام پر آتی ہیں اور جن سے نہ صرف وہ خود بہرہ ور ہوتے ہیں بلکہ وہ ان انمول ذخائر کو آگے پہنچانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آج تحقیق کی دنیا میں یہ تحقیقی مجلات ہر یونیورسٹی کی ضرورت بن چکے ہیں پاکستان کے اعلیٰ تعلیمی ادارہ ہائر ایجوکیشن کمیشن (HEC) نے یونیورسٹی کے معیارات کو جانچنے کے لئے جہاں بہت سے امور کو لازمی قرار دیا ہے وہاں ان مجلات کا کردار بھی کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔

الحمدللہ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ عرصہ دراز سے تحقیقی مجلات شائع کر رہی ہے۔ جس پر ہائر ایجوکیشن کمیشن سے سند اعتراف (Recognition) حاصل کیا جاچکا ہے۔ جس سے یونیورسٹی کے معیار میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ اس حوالے سے شعبہ علوم اسلامیہ کے اساتذہ کرام کا عرصہ دراز سے یہ کوشش تھی کہ شعبہ کی طرف سے تحقیقی مجلہ شائع کیا جائے۔ راقم الحروف نے اس بارے میں ڈی جی نمل کو شعبہ کی طرف سے اپنے اس پروگرام کو پیش کیا جسے انہوں نے شرف قبولیت سے نوازا۔ جزاہ اللہ خیراً۔

البصیرہ کو موصول ہونے والے بیسیوں تحقیقی مقالات کا ریویو (Review) کروایا گیا جن میں سے چند مقالات کا انتخاب کیا گیا ہے۔ جو کہ درحقیقت مختلف شعبہ ہائے جات سے وابستہ بہترین اسکالرز کی تحقیقی کاوشوں کا ثمرہ ہیں اور البصیرہ کے زیر نظر شمارہ کی زینت بنے ہیں۔ یہ سہ لسانی گلدستہ جہاں عصر حاضر کے جدید مسائل و چیلنجز کے حل اور سدباب کا ذریعہ بنے گا وہاں تحقیق کی دنیا میں محققین اور عام قارئین کے لئے علمی اور تحقیقی رہنمائی میں بھی کلیدی کردار ادا کرے گا۔ (اِن شاءاللہ)

البصیرہ کا موجودہ شمارہ ریکٹر نمل اور ڈی جی نمل کی سرپرستی اور ہدایات کے مطابق مرتب کیا گیا ہے۔ اس شمارہ کی ترتیب و تدوین کے سلسلے میں ریکٹر نمل اور ڈی جی نمل کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

علاوہ ازیں مجلس ادارت کے ارکان نے جو تعاون کیا ہے میں ان کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں خصوصاً صدر شعبہ ڈاکٹر ضیاء الحق اور بریگیڈیر (ر) ڈاکٹر فضل ربی جن کا تعاون شامل حال رہا ہے۔ جن اساتذہ اور محققین نے مقالات مرتب کئے ہیں میں ان کا ممنون ہوں۔ مجلہ کی تزئین و آرائش میں محمد عابد حسن نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے۔ اس شمارہ میں جو بھی خوبی اور اچھائی ہے وہ اللہ جل شانہ کے فضل و کرم سے ہے اور جو کمی اور کوتاہی یا نقص ہے وہ ہماری کم علمی و کم مائیگی کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ "البصیرہ" کو پذیرائی اور مقبولیت عطاء فرمائے آمین۔

ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری

مدیر مسئول

مجلسِ ادارت:

(قومی)

پروفیسر ڈاکٹر ضیاء الحق صدر شعبہ علوم اسلامیہ نمل، اسلام آباد

پروفیسر ڈاکٹر فضل ربی شعبہ علوم اسلامیہ نمل اسلام آباد

پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا وائس چانسلر سرگودہا یونیورسٹی سرگودہا

پروفیسر ڈاکٹر عطاء اللہ فیضی شعبہ علوم اسلامیہ نمل اسلام آباد

پروفیسر ڈاکٹر احمد جان صدر قسم الدعوۃ انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

ڈاکٹر مستفیض علوی صدر شعبہ علوم اسلامیہ وِش یونیورسٹی اسلام آباد

ڈاکٹر نور حیات خان شعبہ علوم اسلامیہ نمل اسلام آباد

(بین الاقوامی)

پروفیسر ڈاکٹر شکری محمد صالح ڈائریکٹر اسلامی ترقیاتی مینجمنٹ یو ایس ایم ملائشیا

پروفیسر ڈاکٹر صہیب حسن سیکرٹری شریعہ کونسل لندن

پروفیسر ڈاکٹر محمد ارشد حفیظ ڈائریکٹر ہائر لرننگ سنٹر برطانیہ

پروفیسر ڈاکٹر خادم حسین الٰہی بخش طائف یونیورسٹی سعودی عرب

پروفیسر ڈاکٹر عبد العزیز بن المبروک الأحمدي مدینہ یونیورسٹی سعودی عرب

پروفیسر ڈاکٹر مظہر یاسین علی گڑھ یونیورسٹی انڈیا

پروفیسر ڈاکٹر مجیب الرحمان نیویارک امریکہ

مجلسِ مشاورت:

پروفیسر ڈاکٹر سہیل حسن ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد

پروفیسر ڈاکٹر عبد الروف ظفر، صدر شعبہ علوم اسلامیہ، سرگوردہا یونیورسٹی سرگودہا

پروفیسر ڈاکٹر تاج الدین ازہری صدر شعبہ علوم اسلامیہ انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی ڈین کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

ڈاکٹر محمد الیاس شعبہ حدیث انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

ڈاکٹر محمد سجاد شعبہ علوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

ڈاکٹر حماد لکھوی شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور

ڈاکٹر حافظ عبد القیوم شیخ زید اسلامک سنٹر پنجاب یونیورسٹی لاہور

ڈاکٹر محمد عبد اللہ شیخ زید اسلامک سنٹر پنجاب یونیورسٹی لاہور

ڈاکٹر طاہر محمود صدر شعبہ ہومینیٹیز وفاقی اردو یونیورسٹی اسلام آباد

ڈاکٹر محمد ریاض وردگ صدر شعبہ علوم اسلامیہ ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

فہرست مضامین

(حصہ اردو)

- عالمی اتحاد و یگانگت کے لئے مکالمہ بین المذاہب کا کردار — ۱
  ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری / ڈاکٹر سید نعیم بخاری
- داعی کے اخلاق و آداب (سیرت طیبہ کی روشنی میں) — ۳۶
  پروفیسر ڈاکٹر تاج الدین ازہری
- فکرِ روایت اور تصوف (مغرب میں تصوف کے فروغ میں فکر روایت کا حصہ اور پاکستان کے اردو ادب پر اثرات) — ۵۳
  ڈاکٹر حافظ محمد عبد القیوم
- آنحضرت ﷺ کے اجتہادی فیصلوں کی بنیاد اور ضرورت — ۶۷
  ڈاکٹر فرحت نثار / ڈاکٹر آسیہ رشید
- فروغِ تعلیم اُسوہ رسول ﷺ کی روشنی میں — ۹۷
  پروفیسر ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر
- عصر حاضر میں بین المذاہب ہم آہنگی کی ضرورت و اہمیت — ۱۳۸
  ڈاکٹر نور حیات خان

(حصہ عربی)

- الأداء المأمور به وتطبيقاته الفقهية — ۱۷۵
  الدكتور عطاء الله فيضي
- حق التشريع بين النظام الديمقراطي والإسلام — ۲۱۸
  الدكتور خادم حسين إلهي بخش
- تاريخ التصوف الإصلاحي في شبه القارة الهندية ونماذج من المصلحين من المتصوفة — ۲۶۸
  الدكتور احمد جان

(حصہ انگریزی)

❁ Concept of Tolerance in Islam for Promotion of Human Unity — 1

Brig. (R) Prof. Dr. Fazli Rabbi

❁ Introducing an unexplored South Asian Treatise on I‘jaz al-Qur’an — ۱8

Dr Abdul-Haye Abro &
Dr Hafiz Mukhtiar Ahmad

عالمی اتحاد ویگانگت کے لئے مکالمہ بین المذاہب کا کردار

(تعلیمات نبوی کی روشنی میں)

Role of Interfaith dialogue for global Harmony in the light of the Prophetic Teachings

ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری*

ڈاکٹر سید نعیم بخاری*

ABSTRACT

During these troubled times fallacious notions are being deliberately and repeatedly spread throughout the world by many biased, ill-informed and even mischievous persons regarding Islam and Holy Prophet Mohammad(SAW).Those writers have tried to damage the graceful and towering personality of Mohammad(SAW) in the eyes of the world. Thus, Islam is under the pressure of media, politicians, and even financial world donor institutions. The result of all this propaganda is that Muslims are considered a threat to Western way of life. Muslims are portrayed as fanatics, fundamentalists and terrorists.

This article presents the Islamic view about interfaith dialogue especially in the light of the Quranic verses and Hadith of Prophet (SAW). Certain events from the life of the Prophet (SAW) have also been quoted when the Prophet Muhammad (SAW) held interfaith dialogue with the rulers, envoys and other factions. These incidents include different strategies of the prophet (SAW) calling DAWA and preaching for interfaith dialogue. At the same time Prophet (SAW) presented Islam as a religion of harmony and peace.

***Key words*:** Dialogue, Interfaith, Harmony, Universal, Introduction of the Religions.

---

* اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو یجز، اسلام آباد

* اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامیات، اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور

مکالمہ کا لغوی مفہوم:

مکالمے کے لیے عربی میں حوار کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ لغت میں حوار ”حور“ سے مشتق ہے۔ جس کا معنی رجوع کرنے کا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ ﴿اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ﴾ (۱) حوار کا معنی ہوا "مراجعة الكلام"(۲) بات کا بار بار دہرانا۔ انگریزی میں اس کے لیے Dialogue کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

مکالمہ بین المذاہب کا مفہوم:

عبد الرحیم بن صمایل السلمی نے مکالمے کی یہ تعریف بیان کی ہے۔

"الحوار مع اتباع الأديان الأخرى صحة هذا الدين وأنه ناسخ لكل الأديان السابقة وايضاح صحة نبوة محمد ﷺ ومحاسن الإسلام العظيمة وبيان ما هم عليه من الباطل المنحرف الدعوة إلى الله ورد الباطل بالادلة الصحيحة " (۳)

اس دین (اسلام) کے صحیح ہونے اور یہ بتانے کہ اسلام سابقہ ادیان کو منسوخ کرتا ہے اور محمد ﷺ کی نبوت کے درست ہونے اور اسلام کی عظیم خوبیاں بیان کرنا اور انہیں یہ بتانا کہ وہ باطل اور منحرف دین پر ہیں ان امور کے بارے میں دیگر مذاہب کے پیروکاروں سے مکالمہ کرنا ہے۔

جدید معاصرین علماء نے مکالمہ کی مختلف تعریفات بیان کی ہیں۔(۴)

مکالمہ بین المذاہب کی تنظیمیں:

۱ I.F.C (Interfaith Conference)

یہ دنیا کی پہلی تنظیم ہے جس نے مذاہب کے مابین مکالمے کا آغاز کیا ہے۔(۵)

۲ NCC J (The National Conference of Community and Justice)

جو ۱۹۲۷ء کو قائم ہوئی۔(۶)

۳ I.F.H (Inter Faith Habitat) (۷)

۴ I.R.L (Inter Religious Council) سوڈان کی بین المذاہب کونسل (۸)

اس کے علاوہ دنیا کے دیگر حصوں میں بین المذاہب عالمی اتحاد کے لیے مختلف تنظیمیں سرگرم عمل ہیں۔

مکالمہ بین المذاہب کی مختصر تاریخ:

مکالمہ بین المذاہب یہ ایک نئی اور مجمل اصطلاح ہے جو اپنے مقاصد اور اغراض کے حوالے سے مختلف اقسام میں تقسیم ہے۔ موجودہ صورت حال میں مکالمہ بین المذہب کی ابتداء مسلمانوں کی طرف سے نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کے اہداف و مقاصد اور نقشہ اسلامی ممالک میں تیار ہوا ہے بلکہ دنیا میں مذاہب کے درمیان رابطے کے لیے جتنی بھی کوششیں کی گئی ہیں ان کا آغاز مغربی ممالک یا غیر مسلم تنظیمیں کرتی ہیں، یہ مذاکرات عموماً غیر مسلم ممالک میں ہوتے ہیں جن میں مسلمان بھی شرکت کرتے ہیں۔

لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ اس وقت جو مکالمہ کے حوالے سے جو اسلامی ادارے قائم ہیں وہ منہج ربانی پر قائم نہیں ہیں۔ اور پھر ان میں ادلہ و براہین کے ذریعے حق کو بیان نہیں کیا جاتا اور جان بوجھ کر اس سے اعراض بھرتا جاتا ہے۔ اور مکالمہ سے مراد ان کے ہاں ان مشترک مسائل کا تبادلہ خیال کیا جاتا ہے۔ جو کہ عموماً ملکوں کے مابین مشترک دنیاوی مصالح حاصل کرنے کے لیے کیا جاتا ہے حالانکہ بنیادی طور پر ادیان کے مفہوم میں یہ داخل نہیں۔

مکالمہ کے آغاز کے بارے میں عرب سکالر شیخ عبدالرحیم رقمطراز ہیں۔

"تین دھائی قبل اس کی ابتداء ہوئی ہے۔التقارب الاسلامی المسیحی کے نام سے اس کا آغاز ہوا پھر اس میں نرمی اور مہربانی کا اظہار کرتے ہوئے اس کا نام الحوار الاسلامي المسيحي رکھا اور پھر مزید لچک دکھاتے ہوئے اس کا نام حوار الأديان يا حوار الأديان الإبراهيمية رکھا اور پھر عالمگیریت اور گلوبلائزیشن کی طرف دعوت دیتے ہوئے اس کے مفہوم میں مزید وسعت پیدا کرتے ہوئے اس کا نام حوار الحضارات رکھا تاکہ ہندو، بوذی اور تمام وثنی ملل اس میں داخل ہو سکیں"۔(۹)

اس میں شک نہیں کہ کفار (اہل کتاب یا غیر اہل کتاب) وہ مسلمانوں کے ماضی اور حاضر کے دشمن ہیں۔ آج وہ سائنسی، فنی، عسکری، اقتصادی اور ابلاغی ہر لحاظ سے فوقیت رکھتے ہیں کیا وجہ ہے کہ ان کے دینی و سیاسی شخصیات مکالمہ کی دعوت دے رہے ہیں آخر اس کا کیا راز ہے۔ اگر ہم گزشتہ صدی سے

بغور جائزہ لیں تو ہمیں اس کے بہت سے اسباب ملیں گے۔ جن کے سبب مغرب کو مسلمانوں کے ساتھ بات چیت کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس کے دو بنیادی اسباب ہیں۔

i **اسلام کی مقبولیت:**

۹/۱۱ کے بعد بہت سے غیر مسلم اسلام میں داخل ہونے لگے اور یہ سلسلہ تا حال جاری و ساری ہے۔ فللہ الحمد۔ یہ چیز مغرب کے لیے پریشان کن تھی۔ چنانچہ انہوں نے حوار اور تقریب کی اصطلاحیں ایجاد کیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی مختلف مذاہب کے مابین جو اختلاف ہے وہ سطحی اور صورۃً ہے۔ تمام ادیان اللہ کی طرف سے ہیں۔ لہٰذا تبدیلی مذہب کا کوئی جواز نہیں ہے۔ غرضیکہ انہوں نے اسلام کے سامنے بند باندھنے کی بھرپور کوششیں کیں ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللّهِ مَنْ آمَنَ تَبْغُونَهَا عِوَجًا وَأَنتُمْ شُهَدَاء وَمَا اللّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾ (۱۰) ان اہل کتاب سے کہو کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو کیوں روکتے ہو؟ اور اس میں عیب ٹٹولتے ہو حالانکہ تم خود شاہد ہو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔

ii **عیسائی مشنری:**

لوگوں کو عیسائی بنانے کا مشن عیسائیت میں ایک بڑا مقام رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انٹرنیشنل گرجا کونسل نے مکالمہ کو تنصیر کا ایک کارآمد اور مفید ذریعہ قرار دیا ہے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے براعظم افریقہ میں مسلمانوں کے ساتھ مکالمہ کے لیے بہت سے ادارے قائم کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَن تَرْضَى عَنكَ الْيَهُودُ وَلاَ النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللّهِ هُوَ الْهُدَى﴾ (۱۱) آپ سے یہودی اور نصاریٰ ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے تابع نہ بن جائیں آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے۔ اس کے علاوہ بے شمار اسباب ہیں مثلاً

i بے دین کمیونسٹ کی سرکشی کے سامنے بند باندھنا:

ii اسلامی ممالک پر اپنا تسلط قائم کرنا۔

iii مسلمانوں کو اقتصادی و سیاسی لحاظ سے مفلوج کرنا۔

iv اسلامی ممالک میں اپنی تہذیب و تمدن رائج کرنا۔

v مسلمانوں کی اجتماعیت کا خاتمہ کرنا۔

مکالمہ بین المذاہب کے شرعی دلائل:

اس میں کوئی شک نہیں کہ دین اسلام نہ صرف مکالمہ کی دعوت دیتا ہے بلکہ اس کی طرف ابھارتا ہے۔کتاب و سنت میں بے شمار نصوص دلالت کرتی ہیں کہ اسلام میں مکالمہ کا موضوع بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ قرآن کریم میں بہت سارے مقامات میں تذکرہ ملتا ہے کہ انبیائے علیہم السلام نے اپنی اپنی قوموں کے ساتھ مکالمہ کیا۔مثال کے طور پر حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ مکالمہ یوں بیان ہوا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ قَالُواْ يَا نُوحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَأَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴾ (۱۲)

(قوم کے لوگوں نے) کہا اے نوح!تو نے ہم سے بحث کر لی اور خوب بحث کر لی اب تو جس چیز سے ہمیں دھمکا رہا ہے وہی ہمارے پاس لے آ اگر تو سچوں میں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ مکالمہ کے بارے میں ارشاد ہے۔

﴿ وَحَآجَّهُ قَوْمُهُ قَالَ أَتُحَاجُّونِّي فِي اللّهِ وَقَدْ هَدَانِ وَلاَ أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلاَّ أَن يَشَاء رَبِّي شَيْئًا وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا أَفَلاَ تَتَذَكَّرُونَ ﴾ (۱۳) اور ان سے ان کی قوم نے حجت کرنا شروع کر دی آپ نے فرمایا کہ تم اللہ کے معاملے میں مجھ سے حجت کرتے ہو حالانکہ اس نے مجھے طریقہ بتلایا ہے اور میں ان چیزوں سے جن کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتے ہو نہیں ڈرتا ہاں اگر میرا پروردگار ہی ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہے، کیا تم پھر بھی خیال نہیں کرتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ طویل مکالمہ قرآن میں مختلف جگہوں پر مذکور ہے۔(۱۴)

اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرشتوں کے ساتھ مکالمہ خود قرآن کریم میں ہے۔جس سے دین اسلام میں اس کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ﴿ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُواْ أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاء وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لاَ تَعْلَمُونَ ﴾ اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں تو انہوں نے کہا کہ ایسے شخص کو کیوں پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے ہم تیری تسبیح اور پاکیزگی بیان کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

مکالمہ بین المذاہب کے لیے شرعی بنیاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینا ہے، یعنی حق کو بیان کرنا اور باطل کا رد کرنا ہے۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴾ (١٦) اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں۔

مکالمہ کے موضوعات:

ا۔ خالص دنیاوی امور میں مباحثہ (مکالمہ) جسے مذاکرات کا نام دیا جا سکتا ہے اور یہ امور سیاست شرعیہ کے تابع ہوتے ہیں جو کہ صلح و معاہدہ اور دنیاوی معاملات کے احکام وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ ان امور کا ادیان، عقائد، عبادات اور مفاہیم سے کوئی دخل نہیں ہوتا دور حاضر میں ہم اسے بقائے باہم کا نام دے سکتے ہیں۔

۲۔ دینی امور میں مکالمہ، مثلاً عقائد (توحید، ایمان اور بعث (دوبارہ زندہ جی اٹھنے) وغیرہ) پر مباحثہ کرنا۔ اس قسم کی نسبت دینی امور یا مختلف ادیان کی طرف ہوتی ہے۔

اس بارے میں عصر حاضر کے محقق بیان کرتے ہیں:

"ان دونوں قسموں کے مابین اختلاف کرنا دراصل مکالمہ کے موضوع سے انحراف کرنے کے مترادف ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ سیاسی گفت و شنید کو دینی مذاکرات پر محمول ٹھہرایا جاتا ہے اور مکالمہ کنونشن میں دنیاوی و سیاسی معاملات زیر موضوع ہوتے ہیں جبکہ ان سے مکمل بے توجہی برتی جاتی ہے۔ اور دینی امور و معاملات زیر بحث ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان مذکرات کو مذاہب و ادیان کی طرف اس لیے

منسوب کرتے ہیں کہ ان میں حاضر ہونے والی شخصیات دینی ہوتی ہیں۔ اس اعتبار سے نہیں کہ ان میں پیش کردہ موضوعات ادیان سے متعلق ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کونشن میں دینی سکالر سیاسی امور کا تبادلہ خیال کرتے ہیں پھر وہ اس پر حوار بین الادیان کا نام چسپاں کر دیتے ہیں"۔(۱۷)

مکالمہ بین المذاہب کے مراتب:

شارع حکیم نے اہل کتاب کے ساتھ خصوصاً اور دیگر مذاہب کے ساتھ عموماً چار مختلف طریقوں سے مکالمہ کیا ہے۔

ا۔ دعوت و تبلیغ:

شارع نے دعوت کے میدان میں خصوصاً ان موضوعات کو بنیاد بنایا ہے جو مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان مختلف فیہ سمجھے جاتے ہیں، جو کہ یہ ہیں۔

i توحید کی طرف دعوت اور شرک کا ابطال۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔﴿ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاْ إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاء بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللّهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللّهِ فَإِن تَوَلَّوْاْ فَقُولُواْ اشْهَدُواْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴾ (۱۸) آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔

تمام رسل وانبیاء علیہم السلام کے بعثت کا مقصد یہی تھا۔

ii آنحضرت ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے اور دین اسلام کو قبول کرنے کی دعوت۔ ارشاد ربانی ہے:﴿ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَن تَقُولُواْ مَا جَاءنَا مِن بَشِيرٍ وَلاَ نَذِيرٍ فَقَدْ جَاءكُم بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ وَاللّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴾ (۱۹)

اے اہل کتاب ہمارا رسول تمہارے پاس رسولوں کی آمد کے ایک وقفے کے بعد آ پہنچا ہے۔ جو تمہارے لئے صاف صاف بیان کر رہا ہے تاکہ تمہاری یہ بات نہ رہ جائے کہ ہمارے پاس تو کوئی بھلائی، برائی

سنانے والا آیا ہی نہیں، پس اب تو یقیناً خوشخبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا آ پہنچا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

iii غلو اور اللہ تعالیٰ کی الوہیت کی شان میں ناحق بات کہنے کو ترک کرنے کی دعوت۔ ارشاد ہے۔
﴿ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لاَ تَغْلُواْ فِي دِينِكُمْ وَلاَ تَقُولُواْ عَلَى اللّهِ إِلاَّ الْحَقِّ ﴾ (۲۰) اے اہل کتاب اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گزر جاؤ (۲) اور اللہ پر بجز حق کے کچھ نہ کہو۔

iv قرآن کریم پر ایمان لانے کی دعوت۔ قول باری تعالیٰ ہے۔﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُواْ الْكِتَابَ آمِنُواْ بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُم ﴾ (۲۱) اے اہل کتاب جو کچھ ہم نے نازل فرمایا جو اس کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے اس پر ایمان لاؤ۔

اسلوب مکالمہ:

قرآن کریم نے دعوت کے میدان میں درج ذیل اسلوب اختیار کیے ہیں۔

I براہ راست دعوت توحید: ﴿ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاْ إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاء بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ﴾

ii یاددہانی و نصیحت کے ذریعے: ﴿ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُواْ نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴾ (۲۲) اے اولاد یعقوب میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی۔

iii ترغیب و ترہیب کے ذریعے: ﴿ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُواْ التَّوْرَاةَ وَالإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيهِم مِّن رَّبِّهِمْ لأكَلُواْ مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِم ﴾ (۲۳) اور اگر یہ لوگ توراۃ و انجیل اور ان کی جانب جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے ان کے پورے پابند رہتے تو یہ لوگ اپنے اوپر سے اور نیچے سے روزیاں پاتے اور کھاتے۔

iv انکار اور رد کے ذریعے: ﴿ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللّهِ وَأَنتُمْ تَشْهَدُونَ ﴾ (۲۴) اے اہل کتاب تم باوجود قائل ہونے کے پھر بھی دانستہ اللہ کی آیات کا کیوں کفر کر رہے ہو۔

مکالمہ کے وسائل:

آنحضرت ﷺ نے مکالمہ کے لیے درج ذیل وسائل کو استعمال کیا ہے۔

۱۔ دوسرے مذاہب کی مجالس، بازاروں اور ان کے گھروں میں تشریف لے جانا۔

۲۔ دار السلام میں آنے کی دعوت۔ ۳۔ دیگر مذاہب کے حکمرانوں اور رہبروں کی طرف خط وکتابت کرنا۔

۴۔ وفود کا استقبال کرنا۔ ۵۔ جہاد و غزوات کے دوران دعوت دینا۔

۶۔ علما ور ہنما کے ساتھ بحث و مباحثہ کرنا۔ ۷۔ قرآن کریم کی تلاوت کرکے انہیں سنانا۔

۲۔ بحث و مباحثہ:

شارع نے بحث و مباحثہ کے ضمن میں دو امور کو مد نظر رکھا ہے۔

۱۔ حق پر دلیل و برہان کا قائم کرنا۔

۲۔ حق قبول کرنے سے روکنے والے شبہات پر صحیح طریقے سے رد کرنا۔﴿أدع إلى سبيل ربكَ﴾ (۲۶)

۳۔ مباہلہ:

مباہلہ کہتے ہیں ایک دوسرے پر لعنت کرنا۔ ارشاد ہے۔﴿ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْاْ نَدْعُ أَبْنَاءنَا وَأَبْنَاءكُمْ وَنِسَاءنَا وَنِسَاءكُمْ وَأَنفُسَنَا وأَنفُسَكُمْ وَانْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّهِ عَلَي الْكَٰذِبِيْنَ ﴾ (۲۷)اس لیے جو شخص آپ کے پاس اس علم کے آ جانے کے بعد بھی آپ سے اس میں جھگڑے تو آپ کہہ دیں کہ آؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں کو اور ہم تم اپنی اپنی عورتوں کو اور ہم تم خاص اپنی اپنی جانوں کو بلالیں، پھر ہم عاجزی کے ساتھ التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں۔

۴۔ اعلان براءت:

اگر پہلے تین طریقے کارآمد نہ ہوں تو ان سے قطع تعلقی اور اعلان براءت کر دیا جائے۔(۲۸)

ارشاد باری ہے۔﴿ فَإِن تَوَلَّوْاْ فَقُولُواْ اشْهَدُواْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴾ (۲۹)

۲۔عالمی مذاہب کے درمیان مکالمے کی ضرورت:

اسلام پوری انسانیت کو اللہ تعالیٰ کا ایک کنبہ قرار دیتا ہے فرمان نبوی ہے۔

"الخلق كلهم عيال فأحب الخلق عند الله من أحسن إلىٰ عياله" (۳۰)

ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اس کے نزدیک سب سے پسندیدہ مخلوق وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ نیکی کرے۔

اسلام انسان دوستی، احترام انسانیت، مذہبی رواداری امن و سلامتی کا دین ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ عصر حاضر میں تعصب و تنگ نظری، مذہبی منافرت، مذہبی و نسلی گروہ بندی کا دور دورہ ہے۔ اس لیے عالمی سطح پر مذہبی یگانگت، اعتدال پسند عالمی معاشرے کا قیام اور انتہا پسندی کے خاتمے کے لیے بین المذاہب مکالمے کی جتنی ضرورت آج محسوس کی جارہی ہے۔ اتنی شاید پہلے کبھی نہ تھی۔

مسلم غیر مسلم مکالمہ کے حوالے سے عصر حاضر کے ایک محقق فرماتے ہیں:

"مسیحیوں اور مسلمانوں کو صرف خدا پر ایمان کی بنیاد پر ہی باہمی گفت و شنید کا آغاز کرنا چاہیے اور آپس میں ایمان کی بنیاد پر انسانی رشتہ قائم کرنا چاہیے اس طرح یہ رشتہ قائم کرنے کے بعد ہر مذہب سے پیدائشی تعلق رکھنے والا فرد ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بلا تمیز مذہب عام انسانی کے خراب حالات کو بہتر بنانے... اور بین الاقوامی سطح پر امن بحال کرنے کے لیے کام کر سکتے ہیں" (۳۱)

بین العقیدہ مکالمات آنحضرت ﷺ کی سیاست خارجہ کا بنیادی اصول رہا ہے داعی امن کے طرز عمل کے عکاس بے شمار واقعات میں سے سفر طائف ' ہجرت حبشہ ' ہجرت مدینہ وغیرہ اس کا واضح ثبوت ہے۔ جب قرآن کریم نے ساتویں صدی میں یہ اعلان فرمایا۔ ﴿ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاْ إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ﴾ تو دراصل یہ سنجیدہ مکالمے کی دعوت تھی۔

صلح حدیبیہ کے بعد داعی اعظم ﷺ نے قیصر روم 'کسریٰ' ایران' شاہ حبشہ ' شہنشاہ عجم ' عزیز مصر اور رؤسائے عرب کے نام دعوت اسلام کے لیے مکالمات کے خطوط ارسال فرمائے۔ (۳۲)

موجودہ دور مکالمہ کا ہے گرم جنگ کا نہیں۔ نائن الیون کے بعد مختلف مذاہب کے پیروکار کے درمیان ہم آہنگی کے لیے مکالمہ کی اشد ضرورت ہے۔ اقوام عالم میں اسلام اور مسلمانوں کا درست تصور موجود نہیں مثبت مکالمہ وہ واحد ذریعہ ہے جو جھوٹے یک رخے تصورات کی اصلاح میں ممد و معاون ثابت ہو سکتا ہے بلکہ دنیا بھر میں مختلف مذاہب کے مابین جو دو طرف غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ان کا واحد علاج مکالمہ ہے یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے پوری دنیا کو دار الدعوۃ قرار دیا ہے۔ الغرض بین المذاہب عالمی اتحاد، یگانگت و ہم آہنگی، رواداری، افہام و تفہیم، کائناتی امن عقیدہ توحید اور دیگر مشترک اقدار کی اساس پر مکالمے کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے۔ پس دنیا کو امن کا گہوارہ بنانے کے لیے ضروری ہے کہ مثبت مکالمات کے ذریعے مذاہب کے درمیان فاصلوں کو کم اور کشیدگی کو ختم کیا جائے۔

بدامنی اور تصادم کا اصل سبب:

عصر حاضر میں عالمی افق پر بدامنی اور تصادم سے ہر انسان پریشان ہے۔ اس بدامنی اور عدم اتحاد کی وجوہات بہت گہری اور پیچیدہ ہیں۔ بظاہر اس تصادم اور عداوت کا سبب مذاہب عالم کے مابین یگانگت و ہم آہنگی کے فقدان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ درست ہے کہ سولہویں صدی سے قبل مذہب کی بنیاد پر جنگیں ہوئیں، عیسائی اور مسلم طاقتیں ایک دوسرے کے خلاف ۱۰۹۵ء سے ۱۲۹۱ء تک صلیبی جنگوں میں برسرپیکار رہیں۔ اس طرح پندرہویں صدی عیسوی میں عیسائی طاقتوں نے متحد ہو کر سپین سے مسلمانوں کو بے دخل کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مغرب میں نیشنلزم اور روشن خیالی کی تحریکوں کے بعد وہاں سے مذہب کو اجتماعی زندگی سے رخصت کر دیا ہے۔ الحاد، مادہ پرستی پر مبنی نیشنلزم کے نظریے نے یورپ کو ملک گیری کی ہوس میں مبتلا کر دیا ہے۔ ہر قوم نے اپنی برتری کے زعم میں دوسری قوم پر غلبہ و استیلا حاصل کرنے کی کوشش کی۔ مغرب نے تسخیر فطرت اور سائنس و ٹیکنالوجی کی مدد سے بیرونی دنیا کو اپنی مہم جوئی کا ہدف بنایا ۱۶۵۰ سے ۱۹۵۰ تک کے دور کو استعمار (Colonialism) سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ استعماری طاقتوں کا نصب العین کسی مذہب کی اشاعت یا کسی مذہب کی بیخ کنی نہ تھا بلکہ مادی خوشحالی ہے۔ روحانی اور معنوی قصہ پارینہ بن گئی ہیں۔ ان طاقتوں کو اس امر سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ زیر

دست قوموں میں ان کے مذہب کی اشاعت ہو بلکہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ وہ سیاسی اور معاشی لحاظ سے ان کی حلیف رہیں اور عالمی سطح پر ان کے موقف کی بلاچوں وچرا حمایت کریں۔

"Islam at the Cross Roads" کا مصنف بیان کرتا ہے۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یورپ میں اس وقت بھی ایسے اشخاص پائے جاتے جو دینی طرز پر سوچتے ہیں اور مذہبی احساس رکھتے ہیں اور اپنے عقائد کو اپنی تہذیب کی روح کے ساتھ منطبق کرنے میں امکانی کوشش کرتے ہیں لیکن یہ مستثنیٰ مثالیں ہیں۔ یورپ کا عام اور متوسط آدمی وہ جمہوری یا خاشِستی، سرمایہ دار ہو یا اشتراکی، ہاتھ سے کام کرنے والا ہو یا دماغی محنت کرنے والا وہ ایک ہی مذہب جانتا ہے۔ وہ کیا؟ مادی ترقی کی پرستش اور یہ عقیدہ کہ اس زندگی کی غرض وغایت اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس کو زیادہ سے زیادہ آسان اور پر راحت اور آزاد اور بے قید بنائے۔ جہاں تک تہذیب کا تعلق ہے انسانوں کی ایک ایسی قسم ہے جس کا عقیدہ ہے کہ نیکی اور اخلاق نام ہے عملی فائدہ کا اس کے نزدیک معیار محض مادی کامیابی ہے"۔(۳۳)

اس سے واضح ہوتا ہے موجودہ بدامنی اور تصادم کے پیچھے کئی سیاسی اور معاشی مضمرات کارفرما ہیں۔

مذہب کا مفہوم:

مذہب کے لفظی معنی راستہ، طریقہ اور سونے سے ملمع شدہ شے کے ہیں۔(۳۴) انگریزی میں اس کے لیے Religion کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جو کہ لاطینی زبان سے ماخوذ ہے جس کے معنی امتناع، پابندی، عقیدہ اور عبادات کا نظام ہے۔(۳۵) اسلام نے مذہب کے لیے دین کی اصطلاح متعارف کرائی ہے جو ایک ہمہ گیر مفہوم و معنی کا حامل ہے اور ایک ابدی ضابطہ حیات ہے۔

امام راغب اصفہانی دین کا مفہوم بیان کرتے ہیں۔

"الطاعة والجزاء واستعير للشريعة والدين كالملة يقال اعتبارا بالطاعة والإنقياد للشريعة" (۳۶)

دین کے معنی اطاعت اور جزا کے ہیں اس کا اطلاق شریعت پر بھی ہوتا ہے دین اور ملت مترادف ہیں۔ شریعت پر اس کا اطلاق ان معنوں میں ہوتا ہے کہ شریعت کی اطاعت اور اس کے سامنے اپنی گردن جھکا دینا اور خم کر دینا لازم ہے۔

علامہ جرجانی کے نزدیک: "دین اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ دستور حیات ہے جو آنحضرت ﷺ کے پیش کردہ لائحہ عمل کو قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے"(۳۷)

بقول امام ابو حنیفہ لفظ دین کا اطلاق ایمان اسلام اور جملہ احکام شریعت پر ہوتا ہے۔(۳۸)

قرآن و حدیث میں اسلام اور دین کی اصطلاح بے شمار مقامات پر استعمال ہوتی ہے۔(۳۹)

فرید وجدی نے مذہب کی تعریف یوں بیان کی ہے۔

"مذہب ان معقول خیالات و تصورات کے مجموعے کا نام ہے جن کا مقصد یہ ہے کہ تمام افراد انسانی رشتے میں منسلک ہو جائیں اور وہ جسمانی فائدوں سے اس طرح بہرہ یاب ہوں جس طرح قوت عقلیہ سے وہ ہدایت و راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ مذہب نوع انسانی کے لیے ایک ابدی ضابطہ حیات ہے"۔ (۴۰)

جبکہ مغربی مفکرین نے مذہب کی مختلف الفاظ میں تعریف بیان کی ہے۔

ای بی ٹیلر (E.B. Taylor) کے مطابق:

"Religion means the belief in spiritual beings"(۴۱)

مذہب روحانی موجودات پر اعتقاد کا نام ہے۔

مشہور ماہر نفسیات پروفیسر جیمز ایچ لیوبا (James H. Lube) کے مطابق:

"مذہب اس احساس کا نام ہے جو کسی مقدس بالاتر اور ان دیکھی ذات کا وجود انسان کے قلب و دماغ پر پیدا کرتا ہے"(۴۲)

مذہب ایک فطری اور ناگزیر ضرورت:

مذاہب عالم کی تاریخ کے مطالعہ کے بعد جو تاریخی حقیقت سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ مذہب انسان کی سب سے اہم اور بنیادی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی تاریخ میں کوئی معاشرہ، کوئی تمدن اور کوئی قوم ایسی نہیں گزری جو مذہب سے کلیتہً بے نیاز رہی ہو۔ انسانی تاریخ در اصل مذہب کی تاریخ ہے۔ انسان فطری طور پر مذہبی ہے اس لیے وہ ہمیشہ عقائد و تصورات سے وابستہ رہا ہے اگرچہ مذہبی عقائد میں تغیر و تبدل ہوتا رہا ہے۔ قرآن کریم کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ مذہب ایک فطری اور ناگزیر ضرورت ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔﴿ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ﴾ (۴۳)

پس اپنا چہرا دین حنیف کی طرف سیدھا کر لو یہ وہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا۔

دین حنیف (دین اسلام) کو اللہ کی فطرت قرار دیا گیا ہے۔ اور پھر مذہب کے فطری اور ناگزیر ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ہر قوم اور ہر نسل میں مذہب ایک مشترک امر ہے۔

ارشاد ربانی﴿ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴾ (۴۴)

معلوم ہوا کہ مذہب ایک فطری ضرورت ہے۔ کیونکہ ساری دنیا کا کسی موہوم اور باطل شے پر جمع ہونا خلاف عقل ہے۔ اس لیے مغربی مفکر پلوٹارک کہتا ہے "کسی انسان نے ایسی بستی نہیں دیکھی جس میں مذہب نہ ہو" (۴۵)

بقول ڈاکٹر حمید اللہ "کوئی ہستی ضرور ہے جس نے اسباب و علل کی یہ کائنات تخلیق کی اس حقیقت کے باوجود کہ انسان اسے دیکھ نہیں سکتا مگر اسے واجب الوجود تسلیم کرنے پر مجبور ہے"۔(۴۶)

انسانی تجربے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مذہب کو ترک کر کے انسان نہ صرف یہ کہ اخلاقی حیثیت سے برباد ہو جاتا ہے بلکہ مادی وسائل کے استعمال میں بھی وہ توازن برقرار نہیں رکھ سکتا جو فلاح و خوشحالی کے لیے ضروری ہے۔

شاعر مشرق علامہ اقبال اسی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا زندگی کی شب تاریک سحر کرنہ سکا (۴۷)

دنیا کے موجودہ مذاہب اور ان کی درجہ بندی:

عہد حاضر کے مذاہب کا تعین اور ان کا حاطہ کرنا ایک مشکل امر ہے تاہم تقابل مذاہب کے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ اس وقت اگر دنیا میں لاکھوں نہیں تو ہزاروں مذاہب کے متبعین ضرور موجود ہیں ان میں سے کچھ مذاہب کے پیروکاروں کی تعداد کروڑوں تک پہنچتی ہے اور کچھ کی سودوسو تک۔ (۴۸)اہم عالمی مذاہب کے پیروکاروں کی تعداد ایک اندازے کے مطابق یوں ہے۔عیسائیت ۲ء۱ بلین، اسلام ۳ء۱ ، سیکولر / غیر مذہبی ۱ء۱ بلین، ہندوازم ۹۰۰ بلین، چائینیز ۳۹۴ ملین، بدھ ازم ۳۷۶ ملین، سکھ ازم ۲۳ ملین، جیوچ ۱۹ ملین، اسپرٹ ازم ۱۵ ملین، یہودیت ۱۴ ملین، بھائیز ۷ ملین، جین ازم ۴ء۲ ملین، شنٹوازم ۴ ملین، زرتشت ازم ۶ء۲ ملین۔ (۴۹)

مذاہب عالم کی تقسیم

مذاہب عالم کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

اول: سامی مذاہب (الہامی مذاہب): جو سامیوں میں ظہور پذیر ہوئے۔انجیل کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام سام تھا اور ان کی نسلیں سامی کہلائیں۔ چنانچہ سامی مذاہب وہ ہیں جو یہودیوں، عربوں اور آشوریوں وغیرہ میں پروان چڑھے ہیں یعنی یہودیت، عیسائیت اور اسلام اہم سامی مذاہب ہیں۔ (۵۰)

دوئم: غیر الہامی مذاہب: انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

الف۔ آریائی مذاہب

ب۔ غیر آریائی (منگولی) مذاہب

آریائی مذاہب: یہ وہ مذاہب ہیں جن کی ابتداء آریائی قوم میں۔ قبل مسیح ۲۰۰۰ء تا ۱۵۰۰ء تک ہوئی ایران سے لے کر شمالی ہندوستان تک پھیل گئے ان مذاہب کو دو اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

اول: ویدک مذہب جسے عموماً ہندومت اور برہمنیت کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

دوئم: غیر ویدک جن میں سکھ مت، بدھ مت اور جین ازم شامل ہیں۔

غیر آریائی مذاہب: ان مذاہب کی ابتداء مختلف جگہوں پر ہوئی ہے۔ ان میں کنفیوشی مت، تائو مت، اسلاف پرستی اور شنٹو مت وغیرہ شامل ہیں، یہ تمام مذاہب آریائی مذاہب کی طرح بت پرستی کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ در اصل یہ مذاہب ایک مشترکہ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جن کا منتظم خاندانِ کنفوشی مت ہے اور جس کا مرشد (روحانی گرو) تائو مت ہے۔(۵۱)

بین المذاہب عالمی اتحاد، یگانگت وہم آہنگی کا تصور:

سائنسی ایجادات نے فاصلوں کو سمیٹ ڈالا ہے۔ چنانچہ اب اقوام عالم ایک دوسرے سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتے اس لیے اب اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ وہ مل جل کر رہیں۔ نسلی، لونی اور لسانی اختلاف کی طرف مذہبی اختلاف کو بھی قدرتی اور تکوینی امر سمجھتے ہوئے اسے برداشت کریں اور اقوام عالم کے تمام مذاہب کے مابین مشترکہ نکات تلاش کر کے ان پر جمع ہونے کی کوشش کریں تو تب ہی وہ اس جدید گلوبل ویلج (Global Village) میں آپس میں امن و آتشی سے رہ سکتے ہیں۔

مذاہب کے مابین اتحاد و ہم اہنگی کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ تمام مذاہب والے اپنے اپنے مذاہب کو چھوڑ کر ایک نئے عالمی مذہب پر متفق ہو جائیں جو کہ تمام مذاہب کا مصنوعی ملغوبہ (Artificial Mixture) ہو۔ جیسا کہ بعض دانشوروں کا خیال ہے بلکہ اس سے صرف یہ مراد ہو سکتا ہے کہ مذاہب کے پیروکار مشترکہ مقاصد کے حصول کے لئے باہم تعاون اور رواداری کا مظاہرہ کریں، لیکن اگر اس رواداری کا مطلب مذاہب کی تعلیمات کا اتحاد کر کے کوئی نیا گلوبل ریجن (Global Religion) بتانا مقصود ہے تو ایسا کرنا ہر گز درست نہیں کیونکہ اگر اسلام ﴿ لاَ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ﴾ (۵۲) کے نقطہ نظر کا حامل ہے تو اس کے پاس ﴿ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ﴾ (۵۳) کی تعلیم بھی موجود ہے۔

جب ہم انبیاء علیہم السلام کے احوال کا مطالعہ کرتے ہیں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی اپنی قوم کو کس طرح اللہ کی طرف دعوت دی اور حق کو بیان فرمایا اور ساتھ ساتھ باطل کا کھوج لگایا اور دنیا و آخرت میں اس کے نقصانات کو واضح کیا اور کوئی ایک بھی دلیل نہیں ملتی جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ

انہوں نے مختلف ادیان و مذاہب کے ساتھ ہم آہنگی اور تقرب کی کوشش کی ہو یا پھر مشترک مسائل میں ان کے ساتھ کام کیا ہو اور اختلافی نقاط میں ان سے اتفاق کیا ہو خصوصاً عقائد و نظریات کے باب میں جس طرح کہ آج کل کانفرنسز کے اندر کیا جاتا ہے بلکہ مشرکوں کی طرف سے مذہبی آہنگی کی کوشش کی گئی جس طرح کہ کفار قریش نے آپ سے فرمایا تھا "یا محمد هلم فاتبع ديننا ونتبع دينكَ ونشركك فی أمرنا كله، تعبد ألهتنا سنة ونعبد إلهكَ سنة فقال معاذ الله أن أُشركَ به غيره قالوا فاستلم بعض ألهتنا نصدقكَ ونعبد إلهكَ"(۵۴)

اگر ہم تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کفار نے دعوت اسلام کو روکنے کے لیے ہر ہتھکنڈہ استعمال کیا لیکن وہ اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہوئے چنانچہ وہ سودے بازی پر اتر آئے انہوں نے اسلام اور جاہلیت کے درمیان کوئی تیسر اراستہ اختیار کرنے کی تجویز دی یعنی کچھ دو اور کچھ لو۔ لیکن رب العالمین نے اسے رد کر دیا۔ ارشاد ربانی ہے۔﴿ وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ﴾ (۵۵)وہ چاہتے ہیں کہ تو ذرا ڈھیلا ہو تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔

ایسے ہی سودے بازی کی پیشکش کے ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

"اگر یہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں تو بھی میں اپنے مشن سے دستبردار نہیں ہو سکتا"(۵٦)

واضح رہے کہ اسلام نے وحدت دین کا تصور پیش کیا ہے نہ کہ وحدت ادیان کا دونوں میں بعد المشرقین فرق ہے وحدت ادیان کی نہ صرف اسلام بلکہ دیگر مذاہب میں بھی کوئی گنجائش نہیں۔ قرآن کریم سب سے پہلی کتاب ہے جس نے مفاہمت بین المذاہب کی بنیاد رکھی ہے۔ اس کی تعلیمات احترام مذاہب پر مبنی ہیں نہ کہ اتحاد مذاہب پر۔

اس بات کی ترجمانی کرتے ہوئے علامہ وحید الدین نے کیا خوب فرمایا:

"ہر مذہب قابل احترام ہے نہ یہ کہ ہر مذہب سچا ہے یہ جملہ مبالغہ آمیز بھی ہے اور مغالطہ آمیز بھی نیز منطقی اور اصولی اعتبار سے غلط بھی، مذہبی اتحاد کا واحد قابل عمل فارمولا باہمی احترام ہے۔

ٹھیک اسی طرح جیسے ایک شخص ایک خاتون کو دل سے اپنی ماں سمجھتا ہے اس کے ساتھ وہ دوسری خواتین کا پورا احترام کرتا ہے بغیر اس کے کہ اس نے یہ اعلان کیا ہو کہ دوسری خواتین بھی میری حقیقی مائیں ہیں" (۵۷)

لیکن یہ حقیقت ہے نیا گلوبل ریلجن کی صورت میں رواداری نہیں بلکہ فتنہ داری ہو گا۔ جس کا آغاز برصغیر میں اکبر کے دین الٰہی سے ہوا ہے۔(۵۸) اکبر کے بعد اس گمراہی کو ایک بڑا سہارا دارا شکوہ کی صورت میں میسر آیا جس نے ایک کتاب "مجمع البحرین" کے نام سے مرتب کی۔(۵۹) پھر یہی تصور "گیتا ہندوستان کا قرآن ہے اور قرآن عرب کی گیتا ہے" (۵۰) کے روپ میں نمودار ہوا۔ اور پھر اس فتنہ داری "ہندو و مسلم اتحاد" کے نام سے معاشرتی و تہذیبی علامت قرار پایا اور اسلام علیکم کی بجائے نمستے اور و علیکم نمستے کی تراکیب کو مستحسن قرار دیا گیا۔

غرضیکہ یہ سوچ تاریخی دھارے کے سنگ سفر کرتی رہی اور ہر دور کے روشن خیال حضرات اس سے متاثر ہوتے رہے۔

بین المذاہب عالمی اتحاد ویگانگت کی ضرورت واہمیت:

عصر حاضر سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کا دور ہے۔ مادی ترقیات نے انسانیت زندگیوں کو ان گنت تغیرات سے دوچار کر دیا ہے۔ ایسے عالم میں مادیت پرستی نے غلبہ حاصل کر لیا ہے اور روحانی اقدار و اخلاقیات مفقود ہوتی جا رہی ہے۔ انسانی زندگی کا معیار دولت و ثروت اور اختیارات تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ ان سب کے باوجود انسان بے اطمینان اور بے چین نظر آتا ہے۔ مال و دولت اور جاہ و حشمت کی دوڑ نے امن عالم کا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔

اس طرح کی صورت حال خصوصا ان ممالک اور اقوام میں زیادہ ہے جو ترقی یافتہ کہلاتے ہیں۔ تیسری دنیا جو غربت و افلاس اور طبقاتی استحصالی نظاموں میں جکڑی ہوئی ہے۔ وہاں بھی یہی کیفیت ہے لیکن اس کے اسباب مختلف ہیں اب مذاہب خصوصاً ادیان ثلاثہ اگر باہم مل کر کل انسانیت کو اس گرداب سے نہیں نکالیں گے تو کوئی اس کا حل نہیں۔ مذہب ہی وہ واحد قوت ہے جو اس کا حقیقی معنوں میں سدباب

کر سکتی ہے لیکن اگر مذاہب ہی آپس میں ایک دوسرے کے دست و گریبان ہوں تو معاشرے کی بقاو ارتقاء کی جنگ کیسے جیتی جا سکتی ہے۔ تمام مذاہب کو اپنی متحدہ کوششوں کے ذریعے خطہ ارض کو امن کا گہوارہ بنانا چاہیے اور تیسری عالمگیر جنگ کا راستہ روکنا چاہیے۔

اسلام میں بین المذاہب ہم آہنگی اور یگانگت کا تصور:

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے جو پوری انسانیت کا مذہب ہے وہ کسی خاص علاقے، نسل یا قوم کے لیے پیغام ہدایت لے کر نہیں آیا بلکہ اس کا خطاب تمام انسانوں اور ان کے تمام طبقات سے ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔﴿ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ﴾ (٦١) اے پیغمبر کہہ دیجئے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

جس دین کا خطاب دنیا کے تمام انسانوں اور ان کے تمام طبقات سے ہو جو اس حیثیت سے سامنے آئے کہ وہ سارے عالم کی فلاح کا ضامن ہو وہ کسی طبقہ، مذہب سے نفرت اور عداوت کا سبق نہیں دے سکتا کیونکہ ورنہ اس کا خطاب محدود ہو کر رہ جائے گا۔ مسلمان تو انسانیت کے اس حصے کو کہتے ہیں جو اس کی دعوت کو قبول کر لیتا ہے۔ یہ کسی گروہ، نسل یا خاندان قبیلے یا قوم کا نام نہیں یہ پیغام تو سب کے لیے ہے اسے کوئی اختیار کر سکتا ہے اور اس عالمگیر برادری کا حصہ بن سکتا ہے جس میں شمولیت کے لیے نہ کسی زبان کی قید ہے نہ علاقے اور نہ رنگ و نسل کی شرط صرف یہ ہے کہ ((قولوا لا إله إلا الله تفلحوا العرب والعجم)) (٦٢)۔اے لوگوں لا إله إلا الله کا اقرار کرو تم عرب و عجم کے مالک بن جاؤ گے۔

بین المذاہب عالمی اتحاد کے لیے بنیادیں:

ا۔ وحدت الہ (توحید)

قرآن کریم میں مسلمانوں اور اہل کتاب کے مابین جو بات مشترک بتائی ہے اور جو ان کے مابین وجہ اتحاد و یکجہتی پیدا کر سکتی ہے۔ وہ وحدت الہ ہے۔ توحید سب سے بڑی بنیاد ہے جس پر اقوام عالم اور مختلف مذاہب کے پیروکار کو یکجا کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاْ إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاء بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللّهَ ﴾

تمام مفسرین و سیرت نگار اس امر پر متفق ہیں کہ یہ آیت کریمہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی تاہم اس امر میں مختلف اقوال ہیں کہ اہل کتاب کے کسی طبقے کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ چنانچہ امام ابن جریر طبری(۶۳)، امام فخر الدین رازی(۶۴)، امام جلال الدین سیوطی(۶۵)، علامہ آلوسی(۶۶)، امام شوکانی (۶۷)، قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۶۸)، سید مودودی(۶۹)، مفتی محمد شفیع(۷۰) ڈاکٹر وہبہ الزحیلی (۷۱) کی رائے کے مطابق اس آیت میں الہامی تعلیمات کے پیرو اہل کتاب یہود و نصاریٰ دونوں کو خطاب ہے۔

اگرچہ یہ آیت کریمہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے تاہم آیت کا عمومی مفہوم تمام مذاہب عالم کو شامل ہے کیونکہ توحید تمام انسانوں کو ایک مرکز پر جمع کرتا ہے اور ایک ہی خدا کے بندے ہونے کا احساس دلاتا ہے۔ علامہ شوکانی نے اس طرف اشارہ فرماتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وهو ظاهر النظم القرآنی ولا وجه لتخصيصه بالبعض لأن هذه دعوة عامة لا تخصيص بأولئك الذين حاجوا برسول الله ﷺ " (۷۲)

نظم قرآنی کی رو سے اگرچہ آیت کے مخاطبین اہل کتاب ہیں تاہم اس حکم کو کسی ایک کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ یہ (توحید) عمومی دعوت ہے صرف ان ہی لوگوں کے ساتھ جنہوں نے آنحضرت ﷺ سے مجادلہ کیا، خاص کرنا کچھ معنی نہیں رکھتا ہے۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں "هذا الخطاب يعم أهل الكتاب من اليهود والنصارى ومن جرى مجراهم" (۷۳)

اور یہ خطاب براہ راست اگرچہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کو ہے مگر مفہوم میں وہ تمام مذاہب شامل ہیں جو انہی مذاہب جیسے احکام رکھتے ہیں۔

نامور عرب محقق ڈاکٹر وہبہ الزحیلی اس آیت کریمہ کی روشنی میں لکھتے ہیں۔

"وهذه الأية هی جوهر رسائل النبیﷺ وكتبه إلى ملوك و أمراء العالم من أهل الكتاب وغيرهم" (۷۴)

یہ آیت کریمہ آنحضرت ﷺ کے رسائل و خطوط وغیرہ کا جوہر اور لب لباب تھی جو آپ نے اہل کتاب اور غیر اہل کتاب کے مختلف بادشاہوں اور دنیا کے فرمانروائوں کی طرف ارسال کیے تھے۔

مطلب یہ ہوا کہ یہود و نصاریٰ دونوں کو خصوصیت کے ساتھ اس بنا پر خطاب فرمایا گیا ہے کہ دونوں ہی توحید کا دعویٰ رکھے ہیں سو جب ہم اور تم دونوں ہی اس بنیادی نکتے پر متفق ہیں تو اسی پر قائم رہتے ہوئے آئو ہم اپنے تعلقات استوار کرتے ہیں شرط یہی ہے کہ توحید خالص کو مان لو اور شرک اور اس کی تمام اقسام سے مکمل اجتناب کر لو یہ اسلام کی پہلی دعوت نہیں بلکہ تمام انبیاء کرام یہی دعوتِ توحید دیتے چلے آرہے ہیں﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴾ (۷۵)

تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔

الغرض آیت کریمہ غیر مسلم برادری، مذاہب عالم اور بین المذاہب یگانگت پر امن بقائے باہم، اسلامی رواداری، دعوت دین کے حوالے سے عقیدہ و مذہب کی آزادی کے اصول کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔

پروفیسر خورشید تحریر کرتے ہیں: "اس وقت اقوام میں افراتفری کا عالم یہ ہے کہ نہ ان میں خدا مشترک ہے نہ آدم، ہر قوم کا خدا الگ ہے، اس کی نسل الگ ہے۔ اس کی شہرت جدا ہے، اس کے معتقدات اور اخلاف جدا ہیں اور ہر قوم اس علیحدگی کو نہ صرف قائم رکھنا چاہتی ہے بلکہ اس کو بالجبر مسلط بھی کرنا چاہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک دماغوں میں یہ گرہ موجود ہے ان قوموں میں اتحاد کے لیے کوئی مشترک رشتہ موجود نہیں۔ مشترک رشتہ صرف ایک ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ سب ایک ہی خدا کو مانیں اس کے اتارے ہوئے قانون کو سب اپنے لئے شریعت بنائیں اور ایک ہی آدم کے مشترک گھرانے کا اپنے آپ کو فرد سمجھیں۔ اس اساس پر بلاشبہ ایک عالمگیر سیاسی تنظیم کی عمارت قائم ہو سکتی ہے اور دنیا کی

مصیبتوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ اس کے سوا جتنی تدبیریں بھی اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے کی جائیں گی وہ رشتے میں ایک اور گرہ کا اضافہ کریں گی اور کسی مشکل کو حل نہیں کر سکیں گی"۔(٦٧)

۲۔ **وحدت الہامی ہدایت**

اللہ رب العزت نے بنی نوع انسان کو ہدایت کی منزل تک پہنچانے کے لیے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا ان بابرکت ہستیوں نے ہر نازک موڑ پر انسانیت کو سنبھالا دیا اور کاروان انسانیت کو ابدی اور حقیقی رفعتوں کی طرف گامزن کیا۔ نبی اکرم ﷺ اور دیگر انبیاء کرام کے مقاصد بعثت کا اگر قرآنی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ لیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے ظلم و جبر اور ستحصال پر مبنی رائج الوقت ہر باطل نظام کو بدلنے کی باقاعدہ جدوجہد کی اور اپنی قوم کو عالمی اتحاد و یگانگت کے تناظر میں ایک مکمل نظام فکر اور کامل دستور زندگی دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام انبیائے کرام میں نہایت برگزیدہ ہستی ہیں اور آپ کی شخصیت جامعیت اور ہمہ گیریت کے اعتبار سے اعلیٰ اوصاف کی حامل ہے۔ عصر حاضر میں موجود الہامی مذاہب بالخصوص اسلام کے بیشتر شعار اور عبادات آپ ہی سے منسوب ہیں آپ کے مقصد بعثت میں توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان بنیادی اہمیت کے حامل تھے ان مقاصد کو اگر قرآن کی روشنی میں دیکھا جائے تو حضرت نوح علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلکہ حضور نبی کریم ﷺ کے مقاصد بعثت میں تسلسل اور لائحہ عمل میں مطابقت واضح ہو جاتی ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔﴿ شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ﴾ (٧٧) تمہارے لیے وہی دین مقرر فرمایا ہے جس کا حکم نوح کو دیا تھا اور جو ہم نے آپ کی طرف سے وحی کیا اور اس کا حکم ہم نے ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا کہ دین کو قائم رکھیں اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

غرضیکہ انبیاء کرام اساسی طور پر حیات انسانیت کو کلیۃً ایک ایسے نظام کے تحت لانے کے لیے مبعوث ہوتے رہے ہیں جو نہ صرف عقائد پر محیط ہوں بلکہ سماجی و معاشرتی نظام کا آئینہ دار تھا۔ یہ جامع

جد وجہد حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی میں اپنے نقطہ کمال پر نظر آتی ہے حیات انسانی کے لیے عالمی نظام فکر و عمل آپ ﷺ کے ذریعہ نہ صرف تکمیل پذیر ہوا بلکہ اس مقصد کے حصول کے لیے آپ ﷺ نے جو راستہ اختیار فرمایا وہ اپنی نتیجہ خیزی کے اعتبار سے مذاہب عالم کے لیے نشان ہدایت اور راہنما بن گیا۔

۳۔ وحدت انسانیت

تعلیمات اسلام نے توحید الہی کے ساتھ وحدت انسانیت، وحدت فطرت اور وحدت حیات کا تصور دیا ہے کائنات کے ذرے سے لے کر حضرت انسان تک زندگی کے تمام مظاہر کی حقیقت ایک ہے کائنات کی تمام اشیاء آپس میں مربوط اور منظم ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:﴿ وَهُوَ الَّذِيَ أَنشَأَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ ﴾ (۷۸)اور وہی ذات ہے جس نے تمہیں نفس وحدہ سے پیدا کیا۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:﴿ مَّا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾ (۷۹) تم سب کی پیدائش اور مرنے کے بعد زندہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے ایک جی کا، بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

تمام انسانوں کا اصل ایک ہے ان کی ابتدا اور انتہا ایک ہے مرور زمانہ کے ساتھ انسان کرہ ارض کے مختلف براعظموں میں پھیل گئے اور مختلف نسلوں اور قبیلوں میں بٹ گئے ان کا رنگ وروپ، زبان اور طرز بود و باش مختلف ہوتے گئے۔ یہ تنوع اور اختلاف خالق حقیقی کے جمال وجلال اور اس کی شانِ ربوبیت کا مظہر ہے۔ ہر فرد بحیثیت انسان بلا تمیز رنگ و نسل اور مذہب و علاقہ اللہ تعالیٰ کا نائب ہے اور ہر انسان خلیفہ اللہ ہونے کی حیثیت سے دوسرے انسان کے برابر ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا اور ان کے ذریعے نسلِ انسانی پر واضح کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی نوع انسان کو رسل وانبیاء کے توسط سے ہدایت ملتی رہے گی۔

ارشاد ربانی ہے:﴿ قُلْنَا اهْبِطُواْ مِنْهَا جَمِيعاً فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ ﴾ (۸۰) ہم نے کہا تم سب یہاں سے چلے جاؤ، جب کبھی تمہارے پاس میری ہدایت پہنچے تو اس کی تابعداری کرنے والوں پر کوئی خوف و غم نہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام سے ہی توحید الٰہی، آخرت اور خدائی ہدایت کے تصورات چلے آرہے ہیں ان کے بعد ہر نبی نے اپنی قوم کو انہی تصورات پر مبنی پیغام یاد دلایا ہے۔

۴۔ شرف انسانیت کا تحفظ و بحالی

اسلام شرف انسانیت کا تحفظ اور بحالی کا درس دیتا ہے۔ اس کے نزدیک اس کائنات رنگ و بو کی حسین اور افضل ترین مخلوق انسان ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ ﴾ (۸۱) یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی۔ اور ایک اور جگہ فرمایا: ﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ (۸۲) یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔

لیکن عصر حاضر شرف انسانیت کے بجائے شرف مادیت کا دور ہے۔ بقول ابوالحسن علی ندوی

"آج دنیا کی ساری حکومتیں اور ریاستیں اس محور پر گھوم رہی ہیں کہ خواہشات کی تسکین کی جائے۔ خواہشات کا الائو جل رہا ہے اور اس میں ہر قوم ایندھن ڈالتی چلی جارہی ہے۔ اور اس کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں اور قوموں اور ملکوں کی طرف لپک رہے ہیں۔ آج ﴿وقودھاالناس والحجارۃ﴾ کا منظر نظر آرہا ہے"۔(۸۳)

وقت کی ستم ظریفی دیکھیے کہ پانڈا کی پتلونیں اور جرابیں تیار کی جاتی ہیں۔ کبوتروں کی مٹی ہوئی نسل کے لیے آدم زاد پریشان ہے۔ جانوروں کی عیاشی پر لاکھوں پونڈ رقم لوٹائی جاتی ہے، جانوروں کے حقوق سونے کی سیاہی سے لکھے جاتے ہیں اور چاندی کی عینک سے پڑھے جاتے ہیں۔ لیکن شرف انسانیت کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے کسی کے لب سے آہ تک نہیں نکلتی۔ عراق کی ابو غریب جیل، گوانتاناموبے جزیرہ اور افغانستان و عراق کے کوہ و جبل اس پر شاہد عدل ہیں۔

۵۔ دیگر مذاہب کے وجود کو تسلیم کرنا

بالعموم دنیا میں ہر مذہب اور نظریہ کے حاملین کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے مذہب اور نظریہ کے علاوہ دیگر مذاہب و نظریات کا خاتمہ ہو جائے صرف اسی کا مذہب باقی رہے اور دنیا کے دیگر مذاہب پر وہ غالب آجائے۔ اس خواہش اور کوشش میں عدم برداشت اور تشدد کا عنصر بھی جنم لیتا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ رقمطراز ہیں۔

"آغاز اسلام کے وقت مذہبی تعصب اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ہر مذہب اپنے سوا باقی تمام مذاہب کو جھوٹا اور نجات کے لیے قطعاً ناموافق سمجھتا تھا یہی نہیں بلکہ ستم ظریفی یہ بھی کہ اپنے مذہب کے اندر کسی اجنبی کو آنے کی بھی اجازت نہیں دیتا تھا۔ مذہب کو نسل اور پیدائش سے محدود کر دینے کی خود غرضی اور ہٹ دھرمی یہودیوں میں بھی تھی اور ہندوستان میں بھی"(۸۴)

عصر حاضر میں ہم عیسائی دنیا کا مذہبی تعصب پر مبنی توہین آمیز کردار اور عدم رواداری کی جھلک ان کے نامور دانشوروں کی تحریروں میں دیکھی جا سکتی ہے جس سے ان کی مذہبی رواداری اور سیکولرازم کے مبنی پر فریب نعروں کی حقیقت طشت از بام ہو جاتی ہے۔ یہ صرف ایک دعویٰ ہی نہیں بلکہ مغرب کے نامور مستشرق منٹگمری (Montgomery) اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے۔

" مشکل یہ ہے کہ ہم اس گہرے تعصب کے وارث ہیں جس کی جڑیں قرون وسطی کے جنگلی پروپیگنڈے میں پیوست ہیں اب اس کا وسیع پیمانے پر اعتراف کیا جانا چاہیے تقریباً آٹھویں صدی عیسویں سے عیسائی یورپ نے اسلام کو اپنے عظیم دشمن سمجھنا شروع کیا جو عسکری اور روحانی حلقہ اثر میں اس کے لیے خطرہ تھا"۔ (۸۵)

مگر اسلام دیگر مذاہب کے وجود کو تسلیم کرتا ہے ارشاد باری:

﴿ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ﴾ تمھارا دین تمہارے لیے اور میرے لیے میرا دین۔

یہ میثاق صاف، واضح اور غیر مشکوک الفاظ میں کفار اور مشرکوں کو یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ اپنی روایات، معاملات اور نظریات پر قائم رہیں۔ مگر صد افسوس لکم دینکم ولی دین پر مشتمل الفاظ رواداری، وسعت، مذہبی ہم آہنگی کا ایسا چارٹر ہے جس پر دنیا کی کسی قوم کا عمل نہیں۔

۶۔ مذہب کے اختیار میں آزادی

اسلام نے انسان کو غور و فکر کرنے کی تلقین کی ہے اور دونوں راستوں کی نشاندہی کر دی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔﴿ إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ﴾ (۸۶) بے شک ہم نے انسانوں کو راستہ دکھا دیا ہے اب وہ شکر گزار بنے یا ناشکرا۔

اسلام بزور و جبر و اکراہ اپنے عقیدہ اور فکر کا پابند بنانا نہیں چاہتا نہ وہ طاقت و اختیار کے ذریعے غالب آنے کی کوشش کرتا ہے کہ یہ فطرت کے ہی خلاف ہے۔ ارشاد ہے۔ ﴿ لاَ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ﴾ دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں۔ اسلام ایک دعوتی اور تبلیغی دین ہے جبر و اکراہ اس کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہر فرد کو اپنا تابع فرمان بنائے رکھتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اپنے انبیاء کے ذریعے حق اور باطل کو واضح کیا یہ وہ زبردست مصلحت ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں جبر نہیں رکھا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے۔﴿ وَلَوْ شَاء رَبُّكَ لآمَنَ مَن فِي الأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُواْ مُؤْمِنِينَ ﴾ (۸۷) اگر تیرا رب چاہتا تو زمین میں جتنے لوگ ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ مومن ہو جائیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ فرماتے ہیں۔ "قرآن کریم میں ہمیں یہ اصول ملتا ہے کہ ہر مذہبی کمیونٹی کامل داخل خود مختاری دے دی جائے حتیٰ کہ انہیں نہ صرف عقائد کی آزادی حاصل ہو بلکہ وہ اپنی عبادات اپنے مذہبی طریقے پر کر سکیں بلکہ اپنے ہی قانون اپنے ہی ججوں کے ذریعے اپنے مقدمات کا فیصلہ بھی کروائیں اس حوالے سے کامل داخلی خود مختاری کا قرآن کریم کی کئی آیات میں ذکر ہے جن میں سے ایک آیت بہت ہی واضح ہے"۔﴿ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الإِنجِيلِ بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فِيهِ ﴾ (۸۸) یعنی انجیل والوں کو چاہیے کہ اس کے مطابق احکام دیا کریں جو اللہ نے انجیل میں نازل کی ہے۔(۸۹)

۷۔ احترام بین المذاہب

اسلام غیر مسلموں کے ساتھ کسی طرح زیادتی کرنے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ باطل معبودوں کو بھی برا بھلا کہنے سے منع کرتا ہے۔ اسلامی تاریخ اس بات پر شاھد ہے کہ قرآنی تعلیم ﴿ وَلاَ تَسُبُّواْ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللّهِ فَيَسُبُّواْ اللّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ (۹۰) اور گالی مت دو ان کو جن کی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ جاہلانہ ضد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے۔ کو اس کے پیروکاروں نے ہمیشہ یاد رکھا نہ دوسرے مذاہب کی بے حرمتی کی اور نہ ہی کبھی دعوت اسلام بزور تلوار دی بلکہ ان کے ساتھ حسن سلوک کو مد نظر رکھا اسلام ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ﴾(۹۱) تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کر دی۔ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر مذہب کا احترام کرتا ہے۔

۸۔ تمام مذاہب کی عبادت گاہوں کا احترام کرنا

اسلام جس نظام حیات کا داعی ہے اس میں نہ صرف دیگر ادیان و مذاہب کو مکمل آزادی دیتا ہے بلکہ سیاسی نظام اور معاشرتی ماحول میں ان کی حفاظت کا احترام بھی کرتا ہے اور دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں کا احترام اس طرح کرتا ہے جس طرح اپنی عبادت گاہ (مسجد) کا کرتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ﴾ (۹۲)

اگر اللہ تعالیٰ نے لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعے نہ روکتا تو خانقاہیں، گرجے، عبادت گاہیں اور مساجد جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے سب منہدم کر دیئے جاتے۔

یہ آیت مدنی ہے اور مدینہ میں مسلمان بے بس اور مجبور و مظلوم نہ تھے بلکہ ان کے پاس قوت اور دبدبہ تھا وہ کفار و مشرکین کو نہ صرف جواب دے سکتے تھے بلکہ ان کی دراز دستیوں اور شقاوتوں کا پورا بدلہ چکا سکتے تھے۔ نیز اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ اہل کتاب کے ساتھ عمدہ برتائو، دعوت و

نصیحت کے لیے شائستہ گفتگو' ان کی مقدس کتب ان کی عبادت گاہوں کا تقدس ہر حال میں برقرار رکھنا ضروری ہے قرآن کریم کی یہ تعلیم بین المذاہب ہم آہنگی کی طرف ایک اہم ترین قدم ہے۔

جلال الدین عمری فرماتے ہیں:''عبادت گاہوں کا انہدام اسلام کے نزدیک سراسر ناروا اور ظالمانہ عمل ہے' وہ انہدام کا نہ صرف مخالف ہے بلکہ وہ دوسری عبادت گاہوں کی بھی اسی طرح حفاظت چاہتا ہے جس طرح کہ مساجد کی چاہتا ہے۔(۹۳)

۹۔ تمام مذاہب کے معاہدات کا احترام

قرآن و حدیث میں معاہدات کی بار بار تاکید آئی ہے۔ ارشاد باری ہے۔﴿ وَأَوْفُواْ بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُولاً ﴾(۹۴) عہد کو پورا کرو کیونکہ کے قیامت کے دن اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

اسلام نے معاہدات کو اسلامی اور اخلاقی دونوں حیثیتوں سے بڑی اہمیت دی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے دعوت حق کے فروغ اور استحکام کے لیے کثیر الجہات حکمت عملی اختیار فرمائی اور اقوام عالم کے ساتھ مختلف معاہدات کیے ان میں میثاق مدینہ' صلح حدیبیہ' فتح مکہ' معاہدہ نجران قابل ذکر ہیں۔ معاہدات کی پابندی سے بین المذاہب تصورات اور جذبات کو نظری اور عملی طور پر مضبوطی میسر آتی ہے اور بھائی چارے کی فضا کو فروغ ملتا ہے۔

۱۰۔ مشترک انسانی اقدار:

اگر ہم عالمی مذاہب کا معروضی مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ تمام مذاہب انسانی زندگی کے تمام بنیادی اقدار پر متفق ہیں انصاف' امانت' عہد و پیمان' صدق' ہمدردی' ہم فیاضی' فراخدلی' صبر و تحمل' ضبط نفس' نرمی و شائستگی' فرض شناسی' احساس ذمہ داری وغیرہ سب کے نزدیک خوبیاں ہیں جبکہ ناانصافی' دیانت' بدعہدی' جھوٹ' سنگ دلی' ظلم' بخل' تنگ نظری' بے صبری' بندگی نفس' درشتی' نافرض شناسی' غیر ذمہ داری کو سب بری نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اسی طرح سماجی زندگی کے لیے نظم و ضبط' تعاون' خیر خواہی' سبھی لازم قرار دیتے ہیں۔ بدنظمی' عدم تعاون' بدخواہی کو سب نقصان دہ اور مہلک مانتے ہیں۔ چوری' ڈاکو' زنا' جعل سازی' رشوت خوری سب کے نزدیک گناہ ہیں۔ غرضیکہ تمام مذاہب

فضائل اخلاق کا حکم اور رزائل اخلاق سے اجتناب کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یہ اقدار ہر مذہب کی یکساں میراث ہیں کسی مذہب کی ان پر اجارہ داری نہیں' نجات کے تصور میں مذاہب کے مابین اختلاف ہے لیکن اس باب میں کس کا اختلاف نہیں کہ نیک کاموں کے انجام دیئے بغیر اور برے کاموں سے دامن بچائے بغیر نجات نصیب نہیں ہو سکتی ہے۔

تجاویز و سفارشات:

۱: عالمی اتحاد کے لیے مذاہب عالم کے مابین درج ذیل تجاویز اور سفارشات پیش کی جاتی ہیں۔

۲ : عالمی مذاہب کو اسلام کے عالمگیر نظریات سے روشناس کرایا جائے۔

۳: دین اسلام کے غلبہ کی کوشش کریں تاکہ ربانی مقصد پورا ہو سکے۔

۴: اسلام کے تصور رواداری' تحمل و برداشت کو اقوام عالم کے سامنے اجاگر کیا جائے۔

۵: نہ صرف مذاہب کا بلکہ ان کے بانیاں کا احترام کیا جائے اور ان کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ کرنے سے گریز کیا جائے۔

۶: امن بذریعہ طاقت کا فلسفہ ناکام ہو چکا ہے لہٰذا امن بذریعہ مکالمہ بین المذاہب کی سنجیدہ کوشش کرنی چاہیے۔

۷: ہمیں غور کر لینا چاہیے کہ بین المذاہب اتحاد / مکالمہ کہیں بنو قینقاع' بنو نضیر' بنو قریضہ اور اہل نجران کی آل و اولاد کی چال تو نہیں۔

۸: مذہبی جذبات (مذہبی عقائد' کتب و شخصیات) کو بھڑکانے سے گریز کیا جائے۔

۹: خدمت خلق اور حقوق انسانی کا تحفظ اور فروغ کو یقینی بنایا جائے۔

۱۰: سیاست و معاشرت کے باب میں اعتدال پسندی کو اختیار کیا جائے۔

۱۱: معاشی و اقتصادی استحصال کا خاتمہ کیا جائے۔

۱۲: قومی اور بین الاقوامی سطح پر عدل و انصاف قائم کیا جائے۔

۱۳: امت مسلمہ کو کسی ایسے معاہدے میں شریک نہیں ہونا چاہیے جو اسلام کی اہانت یا اہل اسلام کی رسوائی کا موجب ہو۔

۱۴: تمام مذاہب کے ساتھ مکالمہ کے لیے اسوہ حسنہ کی پیروی کی جائے۔

۱۵: الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے رواداری مفاہمت، مصالحت اور انسان دوستی کو پروان چڑھایا جائے۔

۱۶: عالمی سطح پر مکالمہ بین المذاہب کے لیے سیمینارز' کانفرنسز اور ورکشاپس وغیرہ منعقد کی جائیں۔

۱۷: بین المذاہب عالمی اتحاد کے فروغ کے لیے عالمی فکری تنظیم کی تشکیل کی جائے۔

۱۸: اگر ہم ان تجاویز پر عمل کریں گے تو بین المذاہب عالمی اتحاد، یگانگت و ہم آہنگی نہ صرف پیدا کرنے میں کامیاب ہوں گے بلکہ اپنے ملک اور عالم اسلام کا وقار و مستقبل محفوظ ہو گا اور یہ اشاعت اسلام کا ذریعہ بھی بنے گا۔ اِن شاءاللہ

حواشی و حوالہ جات

۱۔ سورۃ الانشقاق:۱۴

۲۔ ابن فارس، مقاییس اللغۃ ، ص:۲/۱۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت

۳ عبد الرحیم بن صمایل السلمی، الحوار بین الادیان حقیقتہ وانواعہ، ص:۲

۴ تفصیل کے لیے دیکھئے، ابوزید بن محمد، الحوار بین الأدیان حقیقتہ و أنواعہ، ص :۱

۵ The Interfaith Conference of Metropolitan Washington, 2002, Interfaith Conference

۶ http://web.worldbank.org

۷ ایضاً

۸ اخبار تحقیق، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ص:۳، جون ۲۰۰۵ء

۹ الحوار بین الادیان حقیقتہ وانواعہ، ص:۲

۱۰ آل عمران:۹۹

۱۱ سورۃ البقرۃ:۱۲۰

۱۲ سورۃ ھود:۳۲

۱۳ سورۃ الانعام:۸۰

۱۴ مثلاً سورۃ الاعراف، سورۃ الھود، سورۃ القصص وغیرہ

۱۵ سورۃ البقرۃ:۳۰

۱۶ سورۃ حم سجدہ:۳۳

۱۷ الحوار بین الادیان، ص:۷، شبکۃ القلم

۱۸ سورۃ آل عمران:۶۴

۱۹ سورۃ المائدۃ:۱۹

۲۰ سورۃ النساء: ۱۷۱

٢١ سورۃالنساء:٤٧

٢٢ سورۃالبقرۃ:٤٧

٢٣ سورۃالمائدہ:٦٦

٢٤ سورۃ آل عمران:٧٠

٢٥ الحوار بین الادیان، ص:٧

٢٦ سورہ النحل:١٢٥

٢٧ سورۃ آل عمران:٦١

٢٨ الحوار بین الادیان، ص:٩

٢٩ سورہ آل عمران:٦٤

٣٠ خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، ص:٢/ ٤٤، دار الکتب علمیہ بیروت لبنان

٣١ صفدر حسن صدیقی، مذہب رواداری، ص:٤٤، عوامی کمپلیکس نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

٣٢ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، الوثائق السیاسیۃ، ص:١٦

٣٣ ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص:٢٢٧، نشریات اسلام کراچی، ١٩٩٢ء

٣٤ ابن منظور، لسان العرب، ص:١/ ٧٢، دارالمعارف، قاہرہ

٣٥ New Collegiate Dictionary ،ص:٤٦٥، مطبوعہ لندن ١٩٩١ء

٣٦ راغب اصفہانی، مفردات القرآن (الدین) دار صادر بیروت

٣٧ الجرجانی، التعریفات، ص:٨٣، دار المعرفۃ بیروت

٣٨ ابو حنیفہ، الفقہ الاکبر مع شرح ملا علی قاری، ص:٩٠، قاہرہ مصر

٣٩ دین الحق (سورۃ البقرہ:٣٣) دیناً (سورۃ المائدہ:٣) الدین القیم (سورۃ الروم:٣٠) دین اللہ (سورۃ النصر:٢)

٤٠ فرید وجدی، تطبیق الدیانۃ الاسلامیہ، ص:٤١، قاہرہ

٤١ خورشید، اسلامی نظریہ حیات، ص:٣٩، شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ کراچی، ١٩٢٨ء

٤٢ James H. Lube, God or Man (Religion) London 1934

۴۳ سورۃ الروم:۳۰

۴۴ سورۃ الرعد:۷

۴۵ Plutarch , Nity Anderty, P112, London

۴۶ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ، ص:۱۴۰، مترجم نذیر حق، فرید بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۳ء

۴۷ محمد اقبال، کلیات اقبال، ص:۳۴۴، ادارہ اکادمی ادبیات، لاہور

۴۸ Encyclopedia of Religion and ethics "Religion" 1967,Encyclopedia Britannica, 9th Edition 1984,Encyclopedia, Americana, New York, Edition 1947

غلام رسول، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ص:۵۹، علمی کتب خانہ، ۱۹۹۸ء لاہور

۴۹ http://wwwadherents.com/Relition_by_Adherents.html

۵۰ احمد عبد اللہ، مذاہب عالم، ص:۳۳، حاجی حنیف اینڈ سنز، ۲۰۰۴ء

۵۱ ایضاً

۵۲ سورۃ البقرۃ:۲۵۶

۵۳ سورۃ الکافرون:۶

۵۴ ابن کثیر، تفسیر القران العظیم، تفسیر سورۃ الکافرون، دار صادر، بیروت

۵۵ سورۃ القلم:۹

۵۶ ابن ہشام، السیرۃ، ص:۱/ ۴۴، مصطفی البابی الحلبی، مصر

۵۷ مولانا وحید الدین خان، ماہنامہ تذکیر لاہور، ص:۱۹، مئی ۲۰۰۱

۵۸ سید علی گیلانی، روداد قفس، ص:۱/ ۲۷۳، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور

۵۹ ڈاکٹر محمد عمر، ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر، ص: ۳۵، مجلس نشریات اسلام، کراچی

۶۰ صدر الدین اصلاحی، دین کا قرآنی تصور، ص:۲۰۱

۶۱ سورۃ الاعراف:۱۵۸

۶۲ ابن ہشام، السیرہ، ص:۱/ ۳۲

۶۳ ابن جریر الطبری، تفسیر الطبری، ص:۳/ ۵۳۲، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۱ھ

۶۴ فخر الدین رازی، التفسیر الکبیر، ص:۷/ ۹۰، مکتبہ العلوم الاسلامی، تہران

۶۵ جلال الدین سیوطی، الدر المنثور، ص:۲/ ۲۳۵، دار الفکر بیروت

۶۶ شہاب الدین آلوسی، روح المعانی، ص:۲/ ۱۸۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۵۱

۶۷ محمد بن علی الشوکانی، فتح القدیر، ص:۱/ ۳۱۷، مصطفی البابی الحلبی، ۱۳۴۹ھ

۶۸ قاضی ثناء اللہ التفسیر المظہری، ص:۲/ ۲۳، مکتبہ حبیبیہ، کوئٹہ

۶۹ سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ص:۲/ ۲۶۲، مکتبہ تفسیر انسانیت لاہور، ۱۹۸۳ء

۷۰ محمد شفیع، معارف القران، ص:۲/ ۸۷، ادارہ المعارف کراچی

۷۱ ڈاکٹر وہبہ الزحیلی، التفسیر المنیر، ص:۲/ ۲۷۶، دار المعرفۃ بیروت

۷۲ محمد بن علی الشوکانی، فتح القدیر، ص:۱/ ۳۱۷، مصطفی البابی الحلبی، ۱۳۴۹ھ

۷۳ ابن کثیر، تفسیر القران العظیم، ص:۲/ ۳۷۱

۷۴ ڈاکٹر وہبہ الزحیلی، التفسیر المنیر، ص: ۲/ ۲۸۶

۷۵ سورۃ الانبیاء، ۲۵

۷۶ خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات، ص:۵۰۸، شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ کراچی، ۱۹۲۸ء

۷۷ سورۃ الشوریٰ:۱۳

۷۸ سورۃ الانعام:۹۸

۷۹ سورۃ لقمان:۲۸

۸۰ سورۃ البقرۃ:۳۸

۸۱ سورۃ بنی اسرائیل:۷۰

۸۲ سورۃ التین:۴

۸۳ ابو الحسن علی ندوی، تعمیر انسانیت، ص:۲۷، مجلس نشریات اسلام، کراچی

۸۴ محمد حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص:۲۲۸، دار الاشاعت کراچی

۸۵ منٹگمری، اسلام کیا ہے، ص:۱۶، لندن ۱۹۶۸ء

۸۶ سورۃ الدھر:۳

۸۷ سورۃ یونس:۹۹

۸۸ سورۃ المائدہ:۴۷

۸۹ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص:۱۶۲

۹۰ سورۃ الأنعام:۱۰۸

۹۱ سورۃ المائدہ:۴۸

۹۲ سورۃ الحج:۴۰

۹۳ سید جلال الدین عمری، غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق، ص:۲۵۱

۹۴ سورۃ الإسراء: ۳۴

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

داعی کے اوصاف

(سیرت طیبہ کی روشنی میں)

The Traits of a Preacher in the light of Prophet's biography

ڈاکٹر تاج الدین ازہری*

ABSTRACT

Preaching stands as an obligatory duty and Sunnah of all the Prophets from Adam to Muhammad (SAW). The Prophets (SAW) remained committed with this obligation. After the departure of Prophet (SAW) from this material world, this duty has been assigned to the followers of Prophet Muhammad (SAW) but preaching requires certain qualities/traits. The article presents the qualities of a preacher in the light of Prophet's biography who stands as a model of Excellence. The qualities of the preacher include the gentleness, cooperation with the followers, benevolence, tolerance, patience, respect for others and intellectual compatibility of the followers.

Keywords: Preacher, Prophet's biography, Intellectual, Awareness of environment, traits, Ethics of preaching.

دعوت کی اہمیت

دعوت کا کام دراصل انبیاء علیہم السلام کا کام ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء نے یہ فریضہ سرانجام دیا۔ سب سے آخر میں ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ تشریف لائے۔ آپ نے بھی دین اسلام کی دعوت کو لوگوں تک پہنچایا، اور دیگر انبیاءؑ کی طرح اس فریضہ کو بہترین طریقہ سے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ آپ ﷺ کے بارے میں ارشادِ ربّانی ہے۔﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

---

* چیئرمین شعبہ حدیث، کلیہ دراسات اسلامیہ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

عَلِيمًا﴾(۱) لوگوں محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "أنا خاتم النبيين لا نبي بعدي"(۲) میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں

چونکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں آپ ﷺ کے بعد کوئی اور نبی نہیں آسکتا اس لیے اب دعوت کا فریضہ آپ ﷺ کی امت ہی کو ادا کرنا ہے۔ اگرچہ امت کا ہر فرد اپنی حیثیت کے مطابق اسلام کی دعوت کو آگے بڑھانے کا ذمہ دار ہے لیکن امت میں سے جو افراد اس فریضے کی انجام دہی اپنے ذمے لے لیں انہیں داعی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کو داعی کے نام سے بھی نوازا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴾(۳)

اے نبی ہم نے تمہیں گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا، خبر دار کرنے والا، اللہ کے اذن سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ دین کی دعوت کے لیے سب سے پہلے داعی ہیں اور آپ ﷺ کی امت کے جو لوگ یہ کام کریں گے وہ آپ ﷺ کی سنت پر ہی عمل پیرا ہونے والے لوگ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تمام انسانوں کے لیے نمونہ بنا کر بھیجا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾(۴)

بے شک تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔

ایک داعی کے لیے بھی آپ ﷺ کی داعیانہ صفات بہترین زادِ راہ ہیں آپ ہی کے بتائے گئے اخلاق وآداب کو اختیار کر کے آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین نے اسلام کی دعوت کو دنیا بھر

میں پھیلایا۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک داعی کے لیے درجِ ذیل اخلاق وآداب بہت ہی اہمیت کے حامل ہیں۔ انہی کا سیرت طیبہ کی روشنی مطالعہ مقالہ کا اصل مقصد ہے۔

۱) دعوت پر پختہ ایمان:

ایک داعی کا ایمان اپنی دعوت پر جس قدر پختہ ہو گا اسی قدر اس کا اثر لوگوں پر بھی پڑے گا۔ اس کے پختہ ایمان کی وجہ سے لوگ اس کی دعوت کو جلدی قبول کریں گے، اس کے برعکس اگر دعوت پر اس کا اپنا ایمان ہی ضعیف ہو تو وہ دعوتی کام کو ایک ثانوی کام سمجھ کر کرے گا۔ اوراس کی کاہلی اور سستی کا اثر اس کی دعوت پر بھی پڑے گا اور لوگ اسے قبول کرنے میں دلچسپی نہیں لیں گے۔

نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کو دیکھا جائے تو آپ ﷺ کی دعوت پر آپ کے ایمان کی پختگی کو جاننے کے لیے یہ ایک واقعہ ہی کافی ہے۔

مکہ مکرمہ میں جب مشرکین مکہ آپ ﷺ کی دعوت کے پھیلاؤ کو روکنے میں ناکام ہونے لگے تو وہ جمع ہو کر آپ ﷺ کے چچا حضرت ابو طالب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ کا بھتیجا اپنی دعوت کے ذریعے ہمیں بڑی تکلیف دیتا ہے۔ آپ اسے اس دعوت کے کام سے منع کریں۔ ان مشرکین کے جواب میں آپ ﷺ نے اپنے چچا سے فرمایا:

"لو وضعوا الشمس في يميني والقمر في يساري على أن أترك هذا الأمر حتى يظهره الله أو أموت دونه ماتركته" (۵)

اے چچا جان! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی لا کر رکھ دیں تو میں اپنی دعوت کے کام سے باز آنے والا نہیں یہاں تک اللہ تعالیٰ اسے غالب کر دے یا میں اس کے لیے اپنی جان دے دوں۔

۲) اللہ تعالیٰ سے گہرا تعلق:

کسی بھی داعی کے اپنی دعوت پر پختہ ایمان کے بعد ضروری ہے کہ اس کا جس کی طرف دعوت دی جا رہی ہے اس سے گہرا تعلق ہو، اسلام چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا دین ہے اور اسلامی دعوت اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت ہے اس لیے ایک داعی کا اللہ تعالیٰ سے گہرا تعلق ہونا چاہیے۔ دعوت کے کام میں اخلاص نیت، اللہ تعالیٰ سے محبت اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع تعلق باللہ کے عملی مظاہر ہیں۔

اگر ہم آپ ﷺ کی حیات طیبہ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہر نیک کام کرنے سے پہلے اخلاص نیت کی تعلیم دی ہے اور اس پر عمل کرکے بھی دکھایا ہے۔ کسی کام کے کرنے سے پہلے درستگی نیت کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے:

"إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل أمرىءٍ ما نوى"(٦)

اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر آدمی کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔

آپ ﷺ کے اس فرمان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ریاکاری سے کیے گئے کام میں نہ تو برکت ہوتی ہے اور نہ ہی اس کا اجر و ثواب ملتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ سے محبت پر آپ ﷺ کی پوری زندگی گواہ ہے لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ کی زبان مبارک سے بطور دعا نکلنے والے الفاظ اس کا واضح ثبوت ہیں۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

"اللهم إني أسئلك حبك وحب من يحبك"(٧)

اے اللہ میں تجھ سے تیری محبت کا سوال کرتا ہوں اور اس شخص کی محبت کا جو تجھ سے محبت کرتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنے میں آپ ﷺ سب سے آگے تھے۔ نماز اللہ تعالیٰ سے رجوع کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، آپ ﷺ فرض نمازوں کے علاوہ نوافل کا بھی اس قدر اہتمام فرماتے تھے کہ اس سے آپ کے پاؤں مبارک پر ورم آجاتا۔ اس کو دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض

کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشے ہوئے ہیں اس لیے نفلی نمازوں میں اپنے قیام کو کچھ کم کرلیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أفلا أكون عبداً شكوراً"(۸)

کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں، اسی طرح آپ کا ارشاد ہے:

"قرة عيني في الصلاة"(۹)

میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

اپنی مشکلات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ طائف کے سفر میں جب اہلِ طائف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ واپسی کے راستے میں ایک باغ میں آرام کرنے کے لمحات میں جو دعا مانگی تھی اس کے الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ سے رجوع پر شاہد ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللهم أشكو إليك ضعف قوتي وقلة حيلتي"(۱۰)

اے اللہ میں تجھ سے اپنی طاقت کی کمزوری، اور اپنے اسباب کی قلت کا شکوہ کرتا ہوں۔

اسی طرح بدر کے میدان میں معرکہ برپا ہونے سے پہلے رات کے تاریک لمحات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر طویل دعا مانگی کہ آپ کے کندھے مبارک سے آپ کی چادر بھی گر گئی جسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اٹھاتے ہوئے عرض کیا کہ یارسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی شرمندہ نہیں کرے گا۔ یہ سب واقعات آپ کے اللہ تعالیٰ سے تعلق اور اس کی طرف رجوع کی کیفیت کو واضح کرتے ہیں۔

۳) دعوت کے بارے میں علم:

کسی بھی داعی کو اپنی دعوت کے بارے میں زیادہ سے زیادہ علم ہونا چاہیے کیونکہ اہلِ علم ہی دعوت کے فریضے کو صحیح طور پر انجام دے سکتے ہیں وہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اصلی وارث ہیں۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴾(۱۱)

اے نبی آپ کہہ دیجیے کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہیں۔

اگرچہ آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی تھی اس کے باوجود آپ ﷺ کو جو دعا وحی الٰہی کے ذریعے سکھلائی گئی اس کے الفاظ یہ ہیں۔

﴿ قُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴾(۱۲)

ایک اور مقام پر ارشاد باری ہے:

﴿ قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ﴾(۱۳)

میرا راستہ یہ ہے کہ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں بصیرت کے ساتھ میں بھی اور جنہوں نے میری پیروی کی وہ بھی۔

آپ ﷺ پر پہلی وحی کی ابتداء ہی "اِقرأ" سے ہوئی پھر آپ ﷺ نے اس اُمّی (ان پڑھ) معاشرے میں جہاں کے سترہ سے زیادہ افراد لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے اتنے افراد پیدا کر دیئے جنہوں نے نہ صرف آپ ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کو لکھ کر محفوظ کیا بلکہ وہ آپ ﷺ کے اقوال وافعال کو حفظ کرنے کے ساتھ ساتھ احاطہ تحریر میں بھی لے آئے اور ان کے بعد آنے والوں نے انہیں مرتب و مدوّن بھی کر دیا۔ آج امت مسلمہ دنیا میں اپنے اس کردار میں ممیز ہے۔ علم الاسناد (احوال رجال) ایک ایسا علم ہے جس میں کوئی امت مسلمہ کا ہمسر نہیں۔ دیگر علوم میں بھی امت مسلمہ کی ابتدائی صدیوں کی ترقی سے دنیا اب تک مستفید ہو رہی ہے۔ کتاب و سنت اور فقہ و کلام کے علاوہ بھی جن علوم میں مسلمانوں نے اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے ایک داعی کی ان سب پر نظر ہونی چاہیے تا کہ اپنی دعوت مین ان سے استفادہ کر سکے۔

۴) قول و فعل میں مطابقت:

کسی بھی داعی کی اپنی دعوت میں کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ اس کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو۔ اس کے قول و فعل میں تضاد کو دیکھ کر لوگ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں اور اس کی دعوت دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ قرآن مجید نے نبی اکرم ﷺ سمیت مسلمانوں کو اس کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ، كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴾ (۱۴)

اے لوگوں جو ایمان لائے ہو وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں ہو۔ اللہ کے نزدیک یہ بات بڑی ناپسندیدہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو کرتے نہیں ہو۔

آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا کہ آپ کے قول و فعل میں ہمیشہ مطابقت ہی پائی گئی۔ آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کے اشد ترین مخالفوں نے بھی نہ صرف آپ ﷺ کے قول و فعل میں مطابقت کی گواہی دی بلکہ اسے سراہا بھی اور آج آپ ﷺ کی بعثت پر چودہ صدیاں گزر جانے کے باوجود بھی آپ ﷺ کے دشمنوں کو آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں قول و فعل میں تضاد نہ مل سکا۔

۵) استقامت:

ایک داعی کے لیے استقامت اتنی ہی ضروری ہے جتنی اس کی دعوت، اگر داعی اپنی دعوت پر استقامت کا ثبوت پیش نہیں کرے گا تو دوسرے اس سے سبق کیسے حاصل کریں گے۔ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ آپ کی استقامت کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو اپنی دعوت سے روکنے کے لیے کیسے کیسے حربے استعمال نہیں کیے مگر آپ کی استقامت ہمیشہ ان کے آڑے آئی یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پیروکاروں میں سے بھی وہ کسی کو اس کی استقامت کی وجہ سے دینِ حق سے ورغلانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ دعوتِ اسلامی روز بروز پھیلتی ہی چلی گئی۔ اس استقامت کے لیے آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات میں یہ ارشاد فرمایا:

"قل آمنت باللہ ثم استقم" (۱۵) کہو میں ایمان لایا، اللہ پر اور پھر اس پر استقامت دکھاؤ

۶) دعوتی ماحول کا مکمل شعور:

داعی کے لیے ضروری ہے کہ اسے اپنی دعوت کے ماحول کا مکمل شعور ہو کہ اسے کس طرح کے ماحول میں کس طرح کام کرنا ہے۔ اس کے بغیر اس کی دعوت آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اگر ہم نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کریں تو اس سلسلے میں ہمیں پوری طرح رہنمائی ملتی ہے۔ آپ ﷺ نے ہر طرح کے حالات میں ان کے عین مطابق اپنی حکمت عملی ترتیب دی اور دشمنوں کو شکست فاش سے دوچار کیا۔ جنگِ بدر کے لیے تیاری ہو یا اُحد کا معرکہ، جنگِ خندق ہو یا فتحِ مکہ، ہر جگہ آپ ﷺ کو اس چیز کا مکمل ادراک اور شعور تھا کہ ایسے وقت میں ایک قائد کو کیا کرنا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنے ساتھیوں سے مشورے کو بھی کبھی نظر انداز نہ کیا بلکہ حکمِ الٰہی پر عمل کرتے ہوئے ان سے مختلف معاملات میں مشورہ کرکے ان کی بہترین تربیت کی، جس سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد دعوت کو مزید آگے بڑھایا، یہ سب ان کے دعوتی ماحول کے مکمل شعور کی آگاہی ہی کے سبب ممکن ہوا۔ ان سب واقعات میں داعی کے لیے بہت سے اسباق ہیں۔

۷) حکیمانہ اسلوب:

حکیمانہ اسلوب بھی داعی کی دعوت میں بڑا کردار ادا کرتا ہے۔ اس سے عقل مند ہمیشہ متاثر ہوتے ہیں اور دعوت کو آسانی سے قبول کرلیتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ﴾(۱۶)

اللہ کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دو۔

اللہ کے اس حکم پر آپ ﷺ نے پوری طرح عمل کرکے دکھایا۔ آپ ﷺ کی سیرت حکیمانہ اسلوب سے بھری ہوئی ہے یہاں صرف ایک واقعہ نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت حصین رضی اللہ عنہ سے حالت کفر میں مشرکین مکہ نے عرض کیا وہ ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں تاکہ آپ ﷺ کو بتوں کے بارے میں گفتگو سے روکا جاسکے۔ حضرت حصینؓ جب مشرکین کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے انہیں آتے دیکھ کر اپنے صحابہؓ سے فرمایا "بزرگ آدمی کے لیے جگہ کشادہ کرو" بیٹھنے کے بعد حصرت حصینؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا "یا محمد ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ ہمارے خداؤں کے بارے میں نازیبا کلمات استعمال کرتے ہیں" آپ ﷺ نے پوچھا: "اے حصینؓ تمہارے کتنے خدا ہیں"۔ حصینؓ نے جواب دیا: "سات زمین میں، اور ایک آسمان میں"، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا "اگر تمہیں کوئی نقصان پہنچے تو کس کو پکارتے ہو؟ حصینؓ نے جواب میں کہا "جو آسمان میں ہے"، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر مال ضائع ہو جائے تو پھر کس کو پکارتے ہو؟ انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ جو آسمان میں ہے اسے پکارتا ہوں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا "تمہاری پکار کا جواب تو ایک ہی دیتا ہے مگر تم اس کے ساتھ شریک بناتے ہو" اے حصینؓ اسلام قبول کرلو سلامتی پاؤ گے"، اس پر حصین رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرلیا۔ جونہی وہ آپ ﷺ کی مجلس سے باہر آئے تو مشرکین نے کہا یہ بھی صابی (بے دین) ہو گیا ہے۔ اور انہیں چھوڑ کر خود چل دیئے۔

یہ ہے وہ حکیمانہ اسلوب جس سے متاثر ہو کر حضرت حصینؓ اسلام قبول کرنے پر مجبور ہو گئے۔(۱۷)

۸) اخلاقِ حسنہ کا نمونہ:

مدعو دعوت قبول کرے یا نہ کرے مگر اس پر داعی کے اخلاق کا اثر ضرور ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:﴿ إِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴾(۱۸) اے نبی

آپ عظیم اخلاق پر فائز ہیں۔

آپ ﷺ کی سیرت طیبہ پوری کی پوری اعلیٰ اخلاق کا نمونہ ہے۔ اپنے دشمنوں کے درمیان آپ ﷺ کی مکی زندگی اعلیٰ اخلاق کی بہترین مثال ہے جس کی شہادت آپ کے مخالفین نے بھی دی ہے۔ مدنی زندگی میں بھی آپ ﷺ نے اخلاق کی اعلیٰ اقدار سے کبھی دامن نہ چھڑایا بلکہ آپ ﷺ کی شریعت کی تعلیمات میں کسی بھی جگہ اخلاق کو نظر انداز نہیں کیا گیا، اس لیے کہ آپ ﷺ نے خود فرمایا ہے:

"إنما بعثتُ لأتمم أحسن الأخلاق" (۱۹) میں تو مبعوث ہی اس لیے کیا گیا ہوں کہ اچھے اخلاق کی تکمیل کر دوں۔

آپ ﷺ کے اس ارشاد مبارک کی روشنی میں ایک داعی کو اپنوں اور غیروں کے درمیان ہمیشہ اخلاق کا اعلیٰ نمونہ بن کر رہنا چاہیے تا کہ اس کی دعوت ایک موثر تحریک بن کر ابھرے اور دوسروں کو اس پر انگلیاں اٹھانے کا موقع نہ ملے۔

۹) مسلمانوں کے بارے میں اچھا گمان:

کسی بھی داعی کے لیے عام مسلمانوں کے بارے میں اچھا گمان رکھنا بہت ضروری ہے، اگر داعی میں یہ صفت مفقود ہو تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ پوری جماعت انتشار کا شکار ہو جاتی ہے۔ سیرت طیبہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو اپنے ساتھیوں پر مکمل اعتماد تھا اور آپ ﷺ ان سب کے بارے میں اچھا گمان رکھتے تھے اور ان کی ظاہری حالت ہی کو دیکھ کر ان کے بارے میں کوئی حکم لگاتے تھے اور ان کے خفیہ معاملات کو اللہ تعالیٰ کو سپرد فرما دیتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات میں بھی اسی کی تلقین فرمائی، آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث" (۲۰) بدگمانی سے بچو! بے شک بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔

"حسن الظن من حسن العبادة" (۲۱)

اچھا گمان رکھنا اچھی عبادت میں سے ہے۔

آج مسلمانوں کے اکثر دعاۃ آپس کی بد گمانی کا شکار ہیں، اور اسی بد گمانی کی وجہ سے وہ آپس میں ایک دوسرے سے باہم دست و گریباں ہیں۔ عالمی سطح پر ان کی ہیبت اور رعب ختم ہو چکا ہے۔ اگر سیرت طیبہ کے اس پہلو سے استفادہ کر کے آپس کے حسن ظن کو بحال کر دیا جائے تو شاید اللہ تعالیٰ پھر سے ہماری عظمت رفتہ کو بحال کر دے اور ہم پھر سے ایک ہو کر دشمن کی چالوں کو سمجھنے اور اس کا مقابلہ کرنے کی پوزیشن پر آسکیں۔

۱۰) گناہ گاروں کی پردہ پوشی:

اس دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی بھی معصوم نہیں ہے، ہر کسی سے کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی کوتاہی یا غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ ان کوتاہیوں اور غلطیوں پر پردہ ڈال کر نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت کو نہایت مضبوط بنالیا تھا۔ اور اپنی تعلیمات کے ذریعے امت مسلمہ کی یوں رہنمائی فرمائی: "من ستر مسلماً ستره الله يوم القيامة" (۲۲) جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی تو اللہ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

کسی کی کوتاہی یا غلطی کو دوسروں کے سامنے بیان کرنے سے نہ صرف یہ کہ اسے شرمندگی ہوتی ہے بلکہ یہ چیز جماعت کے افراد کی کمزوریوں کو بھی نمایاں کرتی ہے۔ جس قدر ممکن ہو داعی کو ساتھیوں کی پردہ پوشی کر کے دعوت کے کام کو آگے بڑھانا چاہیے اور اگر کسی کی کوتاہی یا غلطی سے دعوت کا نقصان ہو رہا ہو تو اس سے علیحدگی میں مل کر اس کوتاہی یا غلطی پر متنبہ کرنا چاہیے نہ کہ سب کے سامنے۔ آپ ﷺ نے کبھی بھی اپنے کسی ساتھی کو دوسرے کے سامنے اس کی کوتاہی یا غلطی پر شرمندہ نہیں کیا بلکہ آپ ﷺ مجمع عام سے اس انداز میں خطاب فرماتے تھے کہ اس سے جس سے کوتاہی یا غلطی ہوئی ہوتی تھی، وہ بھی سمجھ

جاتا تھا، اور دوسرے بھی اس سے اپنی اصلاح کر لیتے تھے۔ اس طرح کے کئی واقعات سیرت نبوی میں موجود ہیں جن سے داعی استفادہ کر سکتا ہے۔

۱۱) لوگوں کے ساتھ میل جول:

داعی کے لیے لوگوں کے ساتھ میل جول بہت ضروری ہے کیونکہ اس نے لوگوں کو اچھائی کی دعوت دینا ہے۔ اگر وہ لوگوں سے میل جول نہیں رکھے گا تو دعوت کسے دے گا؟ لیکن اس میں بھی اسے سیرت نبوی ہی کو رہنما بنانا ہو گا۔

آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں اپنی دعوت کو پھیلانے کے لیے جہاں خواص سے ملاقاتوں کا اہتمام فرمایا وہاں عام لوگوں سے بھی آپ ﷺ کا میل جول تھا ان میں سے کئی ایک آپ ﷺ کی دعوت سے متاثر ہو کر مسلمان بھی ہوئے۔ آپ ﷺ عربوں کی طرف سے منعقد کیے جانے والے مختلف میلوں اور تجارتی بازاروں میں بھی اپنی دعوت کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے تشریف لے جاتے اور یوں آپ کی دعوت کے اثرات دور دور تک پہنچ گئے۔

۱۲) لوگوں کی زیادتی پر صبر:

داعی کے لیے سب سے اہم مرحلہ اپنی دعوت کے دوران لوگوں کی طرف سے ہونے والی زیادتی پر صبر کرنا ہے۔ تمام لوگ داعی سے ایک ہی طرح پیش نہیں آتے کوئی اچھا سلوک کرتا ہے تو کوئی برا، لیکن داعی کو صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔

آپ ﷺ نے جب دعوت کا آغاز کیا تو لوگوں نے آپ کو کیا کیا تکلیفیں نہیں پہنچائیں۔ بیت اللہ شریف میں نماز کے دوران آپ ﷺ کی پیٹھ مبارک پر اونٹ کی اوجڑی لا کر رکھ دی گئی جسے آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ ؓ نے آکر اٹھایا۔ اسی طرح آپ کے گلے مبارک میں چادر ڈال کر آپ ﷺ کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے ناکام بنایا۔ آپ ﷺ کے پیروکاروں پر مشرکین مکہ کی سختی اور انہیں طرح طرح کی اذیت دینے کی

فہرست تو بہت طویل ہے جن میں حضرت بلال، حضرت یاسر، حضرت خباب اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات داعی کے لیے زادِ راہ ہیں۔

۱۳) مراتب کا احترام:

لوگوں کی طرف سے ایذا رسانی کے باوجود ان کے مراتب کا احترام داعی کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر وہ اپنی دعوت کو آگے نہیں بڑھا سکتا۔ اس کے پاس ہر طرح کے لوگ آئیں گے۔ جن میں مختلف قبیلوں اور گروہوں کی بڑی شخصیات بھی ہو سکتی ہیں، اہلِ علم بھی اور عام آدمی بھی، اسے چاہیے کہ ان میں سے ہر ایک کے مرتبہ اور مقام کے مطابق ان سے سلوک کرے۔

ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"أمرنا رسول الله أن ننزل الناس منازلهم"(۲۳)

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم لوگوں کو ان کے مرتبے کے لحاظ سے مقام دیں۔

ایک اور روایت میں حضرت عمرو بن شعیب نے بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"ليس منا من لم يرحم صغيرنا ويعرف شرف كبيرنا"(۲۴)

جو چھوٹے پر رحم نہیں کرتا اور بڑے کی عزت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔

سیرت طیبہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے صرف تعلیم دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس پر عمل کر کے بھی دکھایا۔

آپ ﷺ بچوں سے پیار کرتے، انہیں بوسہ دیتے، گود میں بٹھاتے، نوجوانوں کی اچھے کاموں کے لیے نہ صرف رہنمائی کرتے بلکہ کام کرنے پر ان کی حوصلہ افزائی بھی کرتے۔ بزرگوں کی عزت کرتے اور انہیں مجلس میں کشادہ جگہ عطا فرماتے، مختلف قبیلوں کے سربراہوں کا ان کے وفود کے ساتھ

والہانہ استقبال کرتے، ان کے رؤساء کے حق میں بھلائی کے کلمات ادا فرماتے جیسا کہ آپ نے وفد عبدالقیس کے ساتھ کیا۔ ایک داعی کے لیے اس میں بہترین نمونہ ہے۔

۱۴) لوگوں کے ساتھ تعاون اور حسبِ ضرورت مشورہ ونصیحت:

داعی کبھی بھی تنہائی کی زندگی بسر نہیں کر سکتا بلکہ وہ تو ہمیشہ لوگوں کے درمیان گھرا رہتا ہے اس لیے اسے زندگی میں جگہ جگہ اپنوں اور غیروں دونوں سے تعاون لینے اور ان کے ساتھ تعاون کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس لیے قرآن مجید نے ہمیں رہنما اصول فراہم کر دیا ہے۔ ارشاد ربّانی ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾(۲۵)

بھلائی اور نیکی کے کاموں میں تعاون کرو، اور گناہ اور ظلم وزیادتی میں تعاون نہ کرو۔

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"الدين النصيحة قيل لمن قال: لله ولكتابه ولرسوله ولآئمة المسلمين وعا متهم" (۲۶)

دین خیر خواہی ہے۔ سوال کیا گیا کس کی؟ فرمایا: اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی، مسلمانوں کے امراء (سربراہوں) کی اور عام مسلمانوں کی۔

ان تعلیمات کے تناظر میں دیکھا جائے تو نبی اکرم ﷺ کی زندگی پوری انسانیت کے لیے خیر خواہی چاہنے کی زندگی ہے۔ آپ ﷺ نے بھلائی کے کاموں میں تعاون کرنے سے کبھی بھی پہلو تہی نہیں فرمائی بلکہ آگے بڑھ کر دوسروں کا ساتھ دیا۔

بعثت نبوی سے پہلے حلف الفضول کے معاہدے میں آپ ﷺ کی شرکت اس کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔

"ما أحب أن لي به حمر النعم ولو دعيت في الإسلام لأجبت" (۲۷)

مجھے اس معاہدے کے مقابلے میں سرخ اونٹ لینا بھی پسند نہیں ہے اور اگر اسلام میں مجھے ایسے معاہدے کے لیے بلایا جائے تو مین اس کا مثبت جواب دوں گا۔

ایک داعی کو چاہیے کہ وہ سیرت طیبہ کے اس پہلو کی روشنی میں اپنوں اور غیروں سے تعاون کرتا ہوا، اپنے آپ کو اور اپنی دعوت کو آگے بڑھائے۔ آج دنیا ایک گاؤں کی حیثیت اختیار کر چکی ہے فاصلے سمٹ گئے ہیں اور لوگوں کا ایک دوسرے سے رابطہ بھی آسان ہو گیا ہے۔ داعی کو چاہیے کہ اس ترقی سے فائدہ اٹھائے اور لوگوں سے تعاون لے بھی اور ان سے تعاون کرے بھی تاکہ اسلامی دعوت پوری دنیا میں آسانی سے اپنی منزلیں طے کرتی ہوئی آگے بڑھے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی حیثیت کے مطابق اسلامی دعوت کو پھیلانے میں اپنا کردار ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حواشی وحوالہ جات

۱۔ سورۃ الاحزاب، آیت:۴۰

۲۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب خاتم النبیین ۳/ ۱۳۰۰، دار ابن کثیر، بیروت لبنان، طبعہ ثالثہ ۱۴۰۷ھ /۱۹۸۷ء۔

۳۔ سورۃ الاحزاب، آیت:۴۵-۴۶۔

۴۔ سورۃ الاحزاب، آیت:۲۱

۵۔ ابن ھشام، محمد بن عبد الملک، السیرۃ النبویہ المعروف سیرت ابن ہشام ۱/ ۲۶۶، تحقیق السقا الابیاری وشلبی، مصطفی الحلبی قاہرہ، طبعہ ثانیہ ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۵ء۔

۶۔ صحیح البخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ ۱/ ۳۔

۷۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، کتاب الدعوات، ۵/ ۵۲۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، س۔ن

۸۔ صحیح البخاری، ابواب التہجد، باب قیام النبی ﷺ حتیٰ ورم قدماہ ۱/ ۳۸۰۔

۹۔ نسائی، احمد بن شعیب، سنن النسائی، کتاب عشرۃ النساء، باب حب النساء ۷/ ۶۱، مکتبہ مطبوعات اسلامیہ، حلب، طبعہ ثانیہ ۱۴۰۶ھ /۱۹۸۶ء

۱۰۔ طبرانی، سلیمان بن احمد، کتاب الدعاۃ، باب القول عند بناء الرجل اہلہ صفحہ ۳۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبعہ اولیٰ ۱۴۱۳ھ

۱۱۔ سورۃ الزمر، آیت:۹

۱۲۔ سورۃ طٰہٰ، آیت:۱۱۴

۱۳۔ سورۃ یوسف، آیت:۱۰۸

۱۴۔ سورۃ الصف، آیت:۲-۳

۱۵۔ عثمانی، شبیر احمد، فتح الملہم شرح صحیح مسلم، تعلیقات محمد رفیع عثمانی، کتاب الایمان، باب جامع خصائل الاسلام ۱/ ۵۷۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان، طبعہ اولیٰ ۱۴۲۶ھ /۲۰۰۶ء

۱۶۔ سورۃ النحل، آیت:۱۲۴

۱۷۔ العسقلانی، ابن حجر، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۱/ ۲۵۷، تحقیق طٰہٰ الزینی، ناشر مکتبہ الکلیات الازھریۃ، قاہرہ، س۔ن
۱۸۔ سورۃ القلم، آیت: ۴
۱۹۔ احمد بن حنبل، امام، مسند احمد بن حنبل ۲/ ۲۸۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، س۔ن
۲۰۔ السجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الظن، ۴/ ۳۶۵، تحقیق محمد عدنان، دار احیاء التراث العربی، طبعہ اولیٰ ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء
۲۱۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی حسن الظن ۴/ ۳۸۸۔
۲۲۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب المواخاۃ ۴/ ۳۵۷
۲۳۔ سنن ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی تنزیل الناس منازلھم ۴/ ۳۴۳
۲۴۔ سنن ابو داؤد، باب فی الرحمۃ ۴/ ۳۷۱
۲۵۔ سورۃ المائدۃ، آیت: ۲
۲۶۔ سنن ابو داؤد، باب فی النصیحہ ۴/ ۳۷۲
۲۷۔ الدمشقی، اسماعیل بن کثیر ابو الفداء، البدایۃ والنہایۃ ۲/ ۲۹۳، بیروت، طبعہ اولیٰ ۱۹۶۶ء

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فکرِ روایت اور تصوف

(مغرب میں تصوف کے فروغ میں فکرِ روایت کا حصہ اور پاکستان کے اردو ادب پر اثرات)

Narrative Thought and Mysticism

(Role of Narrative Thought in the development of western Mysticism and its effects on Urdu literature in Pakistan)

ڈاکٹر حافظ محمد عبد القیوم *

ABSTRACT

Islam and Mysticism or tasawuf have coexisted. Sufism has flourished in all Muslim dominated regions. Sufism is a mode of spirituality within Islam. Sufi schools teach three parts: Shariah, Tariqah and Haqiqh.

In this article, traditional thoughts in Sufism and its impacts on the world especially in the region of Indo-Pak have been discussed. The shrines of Pakistani Sufis are the centers of inspiration for mysticism and spirituality that influence cultures and civilizations.

Key words: Mysticism, Shariah, Tareeqah, Sufism, Traditions.

شریعت اور طریقت کو اگر اسلام کے دو دھارے قرار دیا جائے تو مغرب میں اسلام کا پیغام شریعت کی بجائے طریقت کے ذریعے زیادہ پھیلا اور عام ہوا ہے۔ وگرنہ اہل مغرب کا طریقت کی نسبت شریعت کے ساتھ رویہ عمومی طور پر معاندانہ رہا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل مغرب کے اجتماعی حافظہ میں صلیبی جنگوں کا پس منظر سمایا ہوا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ تصوف کے فروغ میں مغربی اہل فکر و دانش کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ مغرب میں تصوف اور سلاسلِ تصوف مشرق سے پہنچے ہیں۔ اس سلسلہ میں مغرب کا اپنا کوئی

* اسسٹنٹ پروفیسر شیخ زید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

حصہ نہیں ہے۔ اور نہ وہاں تصوف کی کوئی روایت پروان چڑھ سکی ہے۔ اس سلسلہ میں مغرب سارے کا سارا مشرق کا مرہون منت ہے۔

اینڈریو رالنسن (Andrew Rawlinson) لکھتے ہیں:

> "In fact, I think it is true to say that Western scholarship played no significant part in the development of Western Sufism."(1)

مغرب کے اہل علم افراد نے اگرچہ انیسویں صدی میں مشرقی اسلامی تصوف کی کتب کے تراجم مغربی زبانوں میں کرنا شروع کر دیے تھے مگر خود اہل مغرب کے ہاں کوئی صوفی پیدا نہیں ہوا۔

مغرب میں اسلامی تصوف مندرجہ ذیل دو ذرائع سے پہنچا:

الف۔ مغرب میں تصوف کا سلسلہ برصغیر پاک و ہند کی شخصیت پیر و مرشد حضرت عنایت خان کے ذریعے انیسویں صدی میں پہنچا اور یہ چشتی سلسلہ تھا۔

ب۔ دوسرا ذریعہ جہاں سے تصوف یورپ میں پہنچا وہ فکر روایت (TRADITIONALISM) کے حامل افراد کے ذریعہ اہل مغرب متعارف ہوئے۔ ان افراد نے تصوف کی روایت مشرق ہی سے حاصل کی۔ اہم بات یہ ہے کہ یہ لوگ معروف صوفی محی الدین ابن عربی سے متاثر تھے۔

ان دونوں ذرائع میں فرق یہ ہے کہ حضرت عنایت خان تو اگرچہ مشرقی فرد تھے مگر فکرِ روایت کے حاملین مغربی اشخاص تھے، اور مماثلت اس بات میں ہے کہ دونوں نے مشرقی تصوف کی روایت کو آگے بڑھایا۔

فکر روایت کا تعارف:

روایت پسندوں کے مطابق اصطلاحِ "روایت" میں انسانوں پر نازل ہونے والی وحی کے حوالے سے تقدیس کا عنصر شامل ہے۔ یہ اصطلاح اپنے وسیع ترین معنی میں "الدین" بھی ہے یعنی مذہب کے تمام پہلو اور ساری شاخیں شامل ہیں اور "السنۃ" بھی یعنی وہ روایت جو مقدس نمونوں پر مبنی ہے۔ "روایت" ایک ایسا درخت ہے جس کی جڑیں وحی کے ذریعے فطرت الٰہیہ میں پوشیدہ ہیں، جن سے زمانے کے گزرنے کے

ساتھ تنا اور شاخیں پھوٹتیں ہیں ۔ روایت کے معنی ابدی، مقدس اور غیر مبدل صداقت ، نیز حکمت جاوداں اور اس کے غیر متغیر اصولوں کے زمان و مکان کی مختلف النوع صورت حال پر، مسلسل انطباق کے ہیں۔ روایت کے برعکس جدیدیت کی فطرت میں ہی دینی اور مابعد الطبیعاتی دائروں میں ایسی دُھندلی فضا کو پیدا کرنا ہے جس میں نیم صداقتیں صداقتوں کا روپ دھار لیتی ہیں ، جس کے باعث وہ کلیت جس کی نمائندگی روایت کرتی ہے مصالحت کا شکار ہو جاتی ہے۔(۲)

جمال الدین پانی پتی فکر روایت کا تعارف اس طرح کرواتے ہیں کہ روایت کوئی ایسی چیز نہیں جسے کسی معاشرہ یا تہذیب نے کچھ عرصہ سے عارضی یا مستقل طور پر اختیار کر لیا ہو، بلکہ یہ وہ چیز ہے جو کسی تہذیب کی بنیاد ہوتی ہے ۔ روایت کا تعلق ایک ایسے مابعد الطبیعاتی نظام سے ہے جس سے کسی تہذیب کی ساری شکلیں پیدا ہوتی ہیں۔ مذہب، اخلاق معاشرت اور علوم وفنون کے سارے اصول اسی مابعد الطبیعاتی نظام سے اخذ کیے جاتے ہیں اور اسی کے تابع ہوتے ہیں۔ مرکزی روایت ہمیشہ ایک ہوتی ہے اور معاشرہ کی تمام دوسری روایتیں اسی مرکزی روایت سے نکلتی ہیں۔ لہٰذا وہ ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوتیں بلکہ ایک دوسرے سے مربوط اور ایک کل کا حصہ ہوتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ روایت نہ عادت کو کہتے ہیں اور نہ ہی رسم و رواج کو، بلکہ یہ ان سب سے زیادہ بنیادی چیز ہے ، ایک ایسی چیز جو نہ تو کبھی زمانے کے ساتھ تبدیل ہوتی ہے نہ ترقی کرتی ہے اور نہ ہی اس میں کوئی اضافہ ہوتا ہے۔(۳)

سلیم احمد کا کہنا ہے کہ کسی تہذیب کی مرکزی روایت اس کی دینی روایت ہوتی ہے ۔ یہ دینی روایت کسی آسمانی یا مقدس کتاب سے نکلتی ہے۔ اس روایت کی تشریح اس کے مستند نمائندے کرتے ہیں۔(۴)

سید حسین نصر طریقت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ جہاں تک طریقت کا تعلق ہے تو روایتی اسلام طریقت کو وحی کی باطنی جہت یا اس کا قلب تصور کرتا ہے۔(۵)

مفکرین روایت اور تصوف :

فکرِ روایت کے حاملین اگرچہ مغربی افراد تھے۔ ان کے ذریعہ مغرب میں تصوف کا شاذلیہ سلسلہ یورپ میں پہنچا۔ شاذلیہ سلسلہ مصر، الجیریا اور مراکش میں پایا جاتا ہے۔ یورپ میں یہ سلسلۂ تصوف متعارف کروانے

والے تمام مرد حضرات تھے۔ شاذلیہ سلسلہ کو یورپ میں سب سے پہلے اوان اگیلی (Ivan Auegli) نامی شخص نے ۱۹۰۷ء میں متعارف کروایا جو ایک سویٹزرلینڈ کا مصور تھا اور وہ فرانس کے شہر پیرس میں رہ رہا تھا۔ ۱۸۹۴ء میں یہ مصوری کی خاطر مصر گئے اور وہاں ان کو عربی تہذیب ایسی پسند آئی کہ پیرس واپس آ کر یونی ورسٹی میں عربی اور سنسکرت پڑھنا شروع کر دی۔ اس شخص نے مسلمان ہونے کے بعد اپنا نام عبدالہادی رکھ لیا۔ ۱۹۰۲ء میں انہوں نے اسلام پر مضامین کا سلسلہ شروع کیا اور اسی سال مصر سے ایک مجلہ (Convito II) عربی اور اطالوی زبان میں جاری کیا۔ عبدالہادی نے اسلام کے مختلف پہلوؤں پر مضامین تحریر کیے۔ اس مجلہ کی سب سے اہم بات یہ تھی کہ یہ مجلہ شیخ محی الدین ابن عربی اور دیگر صوفیائے کرام کی تحریوں کو شایع کرتا تھا۔ ان تراجم نے بقول حسن عسکری مستشرقین کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کو رفع کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اب تک اہل مغرب روحانیت کے تمام چشمے ویدانت اور بدھ مت میں محدود سمجھتے تھے۔ ان ترجموں کی بدولت لوگوں کی نظروں میں اسلام کی وقعت بھی بڑھنے لگی اور مغرب کے بہت سے ذہین لوگ اسلام کے غائر مطالعہ کی طرف مایل ہونے لگے۔ اس طرح اسلام کے خلاف یورپ میں جو تعصب تھا اسے دور کرنے کی کوششوں میں انہوں نے نمایاں حصہ لیا۔ مگر بدقسمتی سے ان کا مجلہ زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا اور جب انگریزوں کو ان کی سرگرمیوں کا علم ہوا تو ان کو مصر سے نکال دیا گیا۔ (۶)

عبدالہادی مصر میں ایک صوفی شیخ عبدالرحمن الیاس (علیش) الکبیر سے ملے جو کہ شاذلیہ سلسلہ کے شیخ تھے۔ اسی طرح اس شیخ کو ایک اور سلسلہ اکبریہ کی بھی خلافت حاصل تھی۔ شیخ محی الدین اکبر ابن عربی کی طرف نسبت کی وجہ سے یہ سلسلہ اکبریہ کہلاتا ہے۔ اس طرح عبدالہادی نے سلسلہ شاذلیہ کے ساتھ ساتھ سلسلہ اکبریہ کی بھی خلافت حاصل کرلی۔ عبدالہادی کی ملاقات اگر پیرس میں مقیم رینے گینوں سے نہ ہوتی تو اس بات کا قوی امکان تھا کہ تصوف کی یہ روایت شاید یہیں دم توڑ جاتی۔ عبدالہادی ۱۹۱۸ء میں فوت ہوگئے۔ اس کے بعد یہ سلسلہ رینے گینوں کے ذریعے آگے بڑھا۔

اس فکر کے حاملین میں رینے گینوں (Rene Guenon) اسلامی نام عبد الواحد یحییٰ کا نام اہم ہے۔ رینے گینوں ہی وہ واحد مغربی فرد ہے جس نے ۱۹۲۸ عیسوی میں مشرق یعنی مصر میں جاکر تصوف کی روایت کو پروان چڑھایا۔ اور نہ صرف بیعت کا سلسلہ شروع کیا بلکہ خلافت بھی عطا کی۔ اسی طریقہ سے یہ سلسلہ مغرب میں متعارف ہوا، مگر اہم بات یہ ہے کہ مغرب یعنی یورپ میں متعارف ہونے والے اس سلسلۂ تصوف میں پوشیدگی کا عنصر غالب تھا۔(۷)

۱۹۲۹ء میں شاذلی شیخ عبد الرحمن کی وفات کے بعد رینے گینوں نے سلسلہ شاذلیہ کی شاخ حمیدیہ میں شیخ سلمہ بن حسن سلمہ (۱۹۳۹ء۔۱۸۶۷ء) کی بیعت کرلی۔ شیخ سلمہ بن حسن سلمہ سلسلہ حمیدیہ شاذلیہ کے بانی تھے۔(۸)

اسی فکر کے ایک اور شخص فرتجوف شوآن (Frithjof Schuon) ہیں۔ شوآن جرمنی کے ایک موسیقار کے بیٹے تھے ان کے والد اس وقت اپنے اہل و عیال کے ساتھ سوئٹزرلینڈ میں مقیم تھے۔ شوآن ۱۹۳۰ء کے قریب پیرس آگئے۔ اس دوران ان کی رینے گینوں کے ساتھ خط و کتابت شروع ہوئی۔ رینے گینوں اس وقت مصر میں مقیم تھے۔ شوآن ۱۹۳۲ء میں رینے گینوں کے کہنے پر الجیریا میں سلسلہ علویہ کے شیخ احمد بن مصطفی علوی (۱۹۳۴ء۔۱۸۶۹ء) کے ہاتھ پر بیعت ہوگئے۔ تصوف کا یہ سلسلہ بھی سلسلہ شاذلیہ کی شاخ شمار ہوتا ہے۔ مسلمان ہونے کے بعد شوآن نے اپنا نام عیسیٰ نورالدین رکھ لیا۔ بعد میں شوآن کو اس سلسلہ کی خلافت حاصل ہوگئی۔

مصر میں رینے گینوں کو جتنے بھی مغربی لوگ اس کی تحریروں سے متاثر ہو کر ملتے تھے تو رینے گینوں ان کے تزکیہ نفس اور باطنی اصلاح کے لیے ان کو شوآن کے پاس بھیج دیتے تھے۔ اور ان لوگوں کی تعداد ایک یا دو نہیں تھی بلکہ بقول اینڈریو(Andrew Rawlinson) سیکڑوں میں تھی۔ جس کی وجہ تھی کہ شووآن نے پیرس،لاؤسان (Lausanne) اور امینز (Amiens) نامی شہروں میں خانقاہیں قائم کی ہوئیں تھیں اور وہ ان خانقاہوں میں اپنے مرشد کے زیر اثر رہ کر تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کرتے تھے۔

رینے گینوں اسلام سے متاثر مغربی لوگوں کو شوآن کے پاس کیوں بھیجا کرتا تھا؟اس کی شاید یہ وجہ تھی کہ ان کے مرشد شوآن اور ان کی زبان اور کلچر ایک تھا۔

شوآن نے دو مغربی افراد کو یورپ میں خلافت دی:

۱۔ مائیکل والساں (Michel Valsan) ، جن کا اسلامی نام شیخ مصطفی تھا اور ان کا تعلق رومانیہ سے تھا۔

۲۔ مارٹن لینگز (Martin Lings) ، جن کا اسلامی نام شیخ ابو بکر سراج الدین تھا۔ یہ برطانیہ میں شوآن کے خلیفہ تھے۔

۱۹۳۴ عیسوی کے لگ بھگ شوآن نے پیرس اور لاوسان (Lausanne) شہر میں دو خانقاہوں کی بنیاد رکھی۔ مائیکل والساں (Michel Valsan شیخ مصطفی) پیرس خانقاہ کا سربراہ تھا۔

مگر بد قسمتی سے رینے گینوں اور شوآن کے مابین تعلقات زیادہ دیر بہتر نہ رہ سکے اور ۱۹۴۹ء میں دونوں کے کام کی راہیں جدا ہو گئیں۔ رینے گینوں آخر وقت تک مصر میں ہی مرشد کے طور پر لوگوں کی اصلاح کرتے رہے اور پھر ۱۹۵۱ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ شوآن اور رینے گینوں کے اختلافات کی وجہ سے پیرس خانقاہ کا سربراہ مائیکل والسان (شیخ مصطفی) بھی شوآن سے علاحدہ ہو گیا۔

فکرِ روایت کی ایک اور شخصیت برکہارٹ (Titus Burckhardt) ہے۔ ان کا تعلق بھی جرمنی اور سوئٹزرلینڈ سے تھا۔ یہ سلسلہ شاذلیہ کی شاخ زرقاویہ کے بیعت شدہ تھے۔ سلسلۂ زرقاویہ کا تعلق مراکش سے ہے۔

اسی ایک اور فکر روایت کا فرد ملتا ہے جس کا نام ایان ڈیلاس (Ian Dallas) تھا۔ جبکہ ان کا اسلامی نام شیخ عبد القادر الصوفی تھا۔ ۱۹۷۳ء میں وہ شاذلیہ سلسلہ کی ایک شاخ علویہ میں بیعت ہوئے۔

ایک اور اہم نام سید حسین نصر کا ہے۔ جو ایران الاصل ہیں اور تاحال امریکہ میں مقیم ہیں۔

سلسلہ مریمیہ اور شوآن :

رینے گینوں سے اختلافات کے بعد شوآن نے اپنا کام جاری رکھا۔ کچھ عرصہ بعد شوآن کا رجحان حضرت مریم علیہا السلام کی طرف ہونے لگا۔ اسی رجحان کے زیر اثر شوآن نے ایک نیا صوفی سلسلہ متعارف کروایا جس کا نام حضرت مریم کی طرف نسبت کی وجہ سے "مریمیہ" رکھا گیا۔(۹) واضح رہے کہ اس سلسلہ کا بانی بھی شوآن ہی ہے۔ اس سے قبل اس سلسلہ کا کوئی نام یا وجود نہیں ملتا۔

۱۹۸۱ء میں شوآن امریکہ منتقل ہو گیا۔ اور امریکہ کی ریاست انڈیانا کے شہر بلومینگٹن (Bloomington) میں سکونت اختیار کی۔ اور وہاں ایک زاویہ / خانقاہ قائم کی۔

شوآن کی تعلیمات کی اہم بات یہ ہے کہ وہ بلا تفریق مذہب لوگوں کو بیعت کرتے تھے۔ اسی لیے ان کے حلقہ میں عیسائیوں کی ایک کثیر تعداد ہوتی تھی۔

۱۹۴۰ء کے بعد شوآن کی حضرت مریم علیہا السلام سے محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے کمرے میں حضرت مریم کا مجسمہ رکھ لیا تھا۔(۱۰)

۱۹۸۵ء کے بعد اس سلسلہ مریمیہ میں ایک وِرد کا تذکرہ بھی ملتا ہے کہ " یا مریم علیكِ السلام یا رحمٰن یا رحیم "۔(۱۱)

اسی طرح شوآن کے بارے میں یہ بات بھی مشہور ہے کہ وہ اکثر عریاں رہا کرتا تھا۔ وہ خود اس بارے میں کہا کرتا تھا کہ وہ حضرت مریم کے ایک **معصوم چھوٹے بچے کی طرح عریاں رہنا پسند کرتا ہے:**

"The almost irresistible urge to be naked like her little child."(12)

شوآن نے ۱۹۹۸ء میں امریکہ میں وفات پائی۔

فکرِ روایت اور اس کے اثرات :

فکرِ روایت کی تحریروں نے اگرچہ پوری دنیا پر اثرات مرتب کیے اور مقبولیت حاصل کی، مگر یورپ میں فرانس، ہنگری، اٹلی اور سپین میں زیادہ مقبول ہوئیں۔ اسی طرح پاکستان میں بھی ان تحریروں کے انگریزی تراجم زیادہ مقبول ہوئے۔

پاکستان میں اس فکر کو متعارف کروانے کا سہرا اردو ادب کے معروف نقاد محمد حسن عسکری کے سر باندھا جا سکتا ہے، جو خود فرانسیسی زبان جانتے تھے۔ اس کے بعد پاکستان میں پورا ایک مکتبہ فکر وجود میں آ گیا۔ اور ملک پاکستان میں اس فکر کے حاملین نے باقاعدہ ایک مجلہ اردو زبان میں "روایت" کے نام سے شروع کیا گیا۔ اس مجلہ میں فکر روایت کے مفکرین کی تحریروں کے تراجم بھی شایع ہوتے تھے۔

سہیل اکیڈمی لاہور، شیخ محمد اشرف پبلیشرز لاہور اور بازیافت کراچی نے ان کی انگریزی زبان میں ترجمہ شدہ کتب کو دوبارہ پاکستان سے شایع کرنے کا بیڑہ اٹھایا جو اَب تک ان کی انگریزی تحریرات کو شایع کر رہے ہیں۔

پاکستان میں اس فکر سے متاثرین میں محمد حسن عسکری، جمال پانی پتی، سلیم احمد، سراج منیر، ڈاکٹر تحسین فراقی وغیرہ شامل ہیں۔

پاکستان میں اس فکر کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس فکر نے صرف اردو ادب پر اثرات ہی نہیں چھوڑے بلکہ زندگی کے ہر میدان کے فاضلین کو متاثر کیا۔ اسی طرح ان کی کتب کے تراجم اردو میں بھی کیے گئے۔

بد قسمتی سے اس مکتبہ فکر کے افکار سے تو یہاں پاکستان کا علمی حلقہ متاثر ہوا، مگر اس مکتبہ فکر کی صوفیانہ روایت آگے نہ بڑھ سکی۔ اور یہاں کے کسی فرد کو فکر روایت کے حاملین افراد سے خلافت نہیں مل سکی۔ اور اس طرح یہاں ان کے سلاسلِ تصوف آگے نہ بڑھ سکے۔

فکرِ روایت اور تصوف کی فکری بنیادیں :

شوآن طریقت کے متعلق لکھتے ہیں کہ ’’شریعت کے بغیر کوئی طریقت نہیں ہو سکتی۔ شریعت ایک دائرہ ہے ،طریقت اس کا نصف قطر ہے اور حقیقت اس کا مرکز ہے۔ اسلامی تصوف میں یہ ممکن نہیں کہ اسلام کے کسی بنیادی اصول کو رد کر دیا جائے حتیٰ کہ ان موقعوں پر بھی نہیں جب کسی عمومی توضیح یا سطحی تفسیر کی نفی مقصود ہو۔ یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ تصوف تین اعتبار سے مُقلّد ہے۔ ایک تو یہ کہ اُس کی بنیاد اسلامی ہیئت کے سوا کچھ نہیں اور اُسی سے وہ پروان چڑھا۔ دوسرا یہ کہ اس کا عرفان اور اس کے اصول حقیقت سے موافقت رکھتے ہیں خطا سے نہیں۔ تیسرا اس لیے کہ یہ ہمیشہ اسلام سے منسلک رہا اور اپنے آپ کو اسلام اور صرف اسلام کا ’’لُبّ‘‘ یعنی نچوڑ سمجھتا رہا۔ ابن عربی نے شوخیِ الفاظ اور بے باکیِ اظہار سے دفتر کے دفتر بھر دیے لیکن اُس نے بدھ مت تو قبول نہیں کیا اور نہ ہی اُس نے شریعت کے قوانین اور اذعانی اصولوں کو رد کیا۔ یعنی اُس نے کسی بھی مرحلے پر نہ راسخ الاعتقادی کا دامن چھوڑا، نہ اسلام کا اور نہ حقیقت و طریقت کا۔‘‘ (۱۳)

اسی طرح لکھتے ہیں کہ اسلام کی طریقت بنیادی طور پر عقلی ہے۔(۱۴)

شوآن اسلام، ایمان اور احسان کے درمیان فرق اس طرح واضح کرتے ہیں کہ پہلی چیز ہے ’’ایمان‘‘، یعنی بندے کا عقلی طور پر وحدتِ الٰہی کو تسلیم کرنا۔ چونکہ ہم انفرادیت اور اجتماعی دونوں طرح کی زندگیاں گزارتے ہیں اس لیے دوسری چیز ہے ’’الاسلام‘‘ ، یعنی بندے کا اپنی خواہشات کو ذاتِ واحد یا تصورِ احدیت کے تابع کر لینا۔ تیسرا عنصر ’’الاحسان‘‘ ہے جو پہلے اور دوسرے عناصر کو وسعت دے کر یا گہرائی عطا کر کے ایک ایسے نقطے پر لے آتا ہے جو اُن کی حتمی منزل ہے۔ الاحسان کی بدولت ’’ایمان‘‘ عرفان بن جاتا ہے یا شعورِ الٰہی میں شامل ہو جاتا ہے اور ’’اسلام‘‘ وجودِ الٰہی کے سامنے ’’فنا‘‘ کا درجہ پالیتا ہے۔(۱۵)

شوآن کے نزدیک تصوف خلوصِ عبادت کا نام ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ’ ’’احسان‘ اور ’تصوف‘ دونوں کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اللہ کی اخلاص کے ساتھ عبادت کی جائے اور عقل و اختیار کو اُن کی ساری گنجائشوں کے ساتھ عبادت کے الفاظ اور اُس کی اوّلین سماوی روح سے ہم آہنگ کر دیا جائے جس کی

وہ عکس ہے۔ شیخ احمد علوی صوفیاء کی رائج اصطلاحات کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ احسان کی ابتدا مراقبے سے ہوتی ہے اور انتہا مشاہدے پر۔" (١٦)

تصوف کے لیے جو اسلام کا مغز ہے مابعد الطبیعاتی عقیدہ یہ ہے کہ "حقیقتِ مطلق" کے علاوہ اور کوئی حقیقت نہیں۔ جہاں تک دنیا اور اپنے وجود کی حقیقت کو تسلیم کرنے کی مجبوری ہے تو واقعہ یہ ہے کہ ساری کائنات اسی حقیقتِ مطلق کا مظہر ہے۔ کائنات کی اس حقیقت اضافی کی علامتیت کا نقطۂ عروج ذاتِ محمد ہے (١٧)۔

برکہارٹ اس اعتراض کا جواب کہ تصوف کی بنیادیں غیر اسلامی ہیں اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، وہ اس کا جواب کچھ اس طرح دیتے ہیں کہ تصوف قرآن وسنتِ نبوی سے ماخوذ ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

"The decisive argument in favour of the Muhammadan origin of Sufism lies, however, in Sufism itself. If sufic wisdom came from a source outside Islam, those who aspire to that wisdom---which is assuredly neither bookish nor purely mental in its nature---could not rely on the symbolism of the Quran for realising that wisdom ever afresh,whereas in fact everything that forms an integral part of the spiritual method of Sufism is constantly and of necessity drawn out of the Quran and from the teachings of the Prophet."(18)

مارٹن لینگز(Martin Lings) ، جن کا اسلامی نام شیخ ابو بکر سراج الدین تھا وہ لکھتے ہیں کہ "ہم پراگندگی اور تشنگی کے عہد میں جی رہے ہیں، اس عہد میں اخفاء سے زیادہ ابلاغ مفید ہے۔ پھر بڑا مسئلہ یہ ہے کہ جدید دنیا میں فلسفیانہ اور سائنسی قضیوں اور احوال سے جو لازمی منطقی تقاضے پورے ہو رہے ہیں اس کا تسلی بخش حل صرف تصوف کی طرف سے فراہم کیا جا سکتا ہے۔۔۔ صرف تصوف ہی ایسے جوابات فراہم کر سکتا ہے جو نہ تو کسری اور جزوی ہوں اور نہ کسی فرقہ وارانہ تعصب کے کارن پہلے سے مصالحت آمادہ۔۔۔ جس طرح عقلیت پرستی ایمان چھین سکتی ہے اسی طرح تصوف اسے بحال کر سکتا ہے۔" (١٩)

حضرت عنایت خان اور تصوف:

حضرت عنایت خان چشتی سلسلہ سے منسلک تھے اور مغرب میں ایک موسیقار کے طور پر آئے تھے۔ وہ ۱۹۰۲ء میں امریکہ کے شہر سان فرانسسکو پہنچے۔(۲۰) وہاں ان کی ملاقات رابعہ مارٹن سے ہوئی۔ یہ ان کی مغرب میں پہلی شاگردہ تھی اور یہ خاتون ابتداً ان سے ہندوستانی موسیقی سیکھتی تھی۔ پھر حضرت عنایت خان نے ان کو خلافت عطا کر دی۔ ۱۹۱۲ء میں حضرت عنایت خان برطانیہ آ گئے۔ یہاں پر وہ آٹھ سال رہے۔ اور یہیں پر ۱۹۱۳ء میں اَورا باکر (Ora Baker) سے شادی کر لی۔ مسلمان ہونے کے بعد اورا باکر نے اپنا نام آمنہ بیگم عنایت خان رکھ لیا۔

۱۹۱۴ء میں حضرت عنایت خان نے پہلی کتاب لکھی جس کا نام "A Sufi Message of Spiritual Liberty" ہے۔ مغربی زبان میں ایک صوفی کی طرف سے لکھی گئی لکھی جانے والی یہ پہلی کتاب ہے۔ حضرت عنایت خان نے ۱۹۱۵ء میں ایک مجلہ "The Sufi" کے نام سے لندن سے شائع کرنا شروع کیا۔ یہ بھی مغرب میں اپنی نوعیت کا پہلا مجلہ تھا۔

اسی طرح برطانیہ میں ان کے ارادت مندوں کا سلسلہ آگے بڑھتا رہا۔ ۱۹۲۰ء میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ وہ فرانس چلے گئے اور پھر ۱۹۲۳ء میں وہاں سے امریکہ چلے گئے۔ حضرت عنایت خان ۱۹۲۶ء میں واپس ہندوستان آ گئے اور ۱۹۲۷ء میں انہوں نے وفات پائی۔

انہوں نے یورپ اور امریکہ میں رہ کر مندرجہ ذیل عورتوں کو خلافت عطا کی۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ رابعہ مارٹن (امریکہ)، مئی ۱۹۱۲ء میں رابعہ مارٹن نے امریکہ میں اعلانیہ طور پر تصوف کے اس سلسلہ کو آگے بڑھایا۔ ۱۹۴۷ء میں رابعہ مارٹن وفات پا گئیں، جبکہ انہوں نے ڈیوس (Ivy Duce) نامی عورت کو اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا۔ ۱۹۸۱ء میں یہ خاتون وفات پا گئیں۔ ڈیوس کی وفات کے بعد جیمز مائیکی (James Mackie) کو خلافت مل گئی۔

۲۔ لوسی گڈانف (Lucy Good enough) (برطانیہ)

۳۔ سینٹسبری گرین (Sainsbury Green) (برطانیہ)

۴۔ میر واگیلنگ (Mevrouw Egeling) (ڈنمارک)

۵۔ ڈولینڈ جن کا اسلامی نام نرگس تھا۔ ان کا تعلق بھی برطانیہ سے تھا۔

اسی طرح ایک مرد خلیفہ کا نام بھی ملتا ہے جس کو حضرت عنایت خان سے خلافت ملی۔ یہ ایک امریکی فرد تھا۔ جس کا نام سیموئیل لوئیس (Samuel Lewis) تھا اور جو مرشد سام کے نام سے مشہور ہے۔ مگر یہ شخص بدھ مت اور ہندو مت کی صوفیانہ روایات بھی رکھتا تھا۔ اس طرح یہ شخص اسلامی تصوف کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کی روایات کو ملاتا تھا۔

حضرت عنایت خان کی وفات کے بعد ان کے بھائی محبوب خان کے ذریعے تصوف کا یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہا ۔اور لوسی گُڈانف (Lucy Good enough) محبوب خان کی معاون رہی۔

حضرت عنایت خان کی تعلیمات کے دو اہم پہلو تھے :

الف۔ غیر مسلموں کو مایل کرنا۔

ب۔ عورتوں کو اہم مقام دیا۔

اسی طرح یہ سلسلہ ان کے بھائی محبوب خان (م۔۱۹۴۷ء) اور پھر حضرت عنایت خان کے بڑے بیٹے پیر ولایت خان کے ذریعے پھیلتا رہا۔ اور پھر ولایت خان نے اپنے بیٹے ضیاء عنایت خان کو خلافت عطا فرمادی (۲۱)۔

حواشی و حوالہ جات

1. Andrew Rawlinson, A History of Western Philosophy, p. 10.

۲۔ نصر، سید حسین، جدید دنیا میں روایتی اسلام، ترجمہ: سجاد باقر رضوی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۶ء، ص ۱۲۔

۳۔ پانی پتی، جمال، جدیدیت اور جدیدیت کی ابلیسیت، اکادمی بازیافت، کراچی، ۲۰۰۵ء، ص ۲۰۴۔

۴۔ روایت مجلہ نمبر ا، سلیم احمد، مضمون بعنوان: "عسکری صاحب کے بارے میں چند باتیں"، مکتبہ روایت، لاہور، ۱۹۸۳ء، ص ۱۸۷

۵۔ نصر، سید حسین، جدید دنیا میں روایتی اسلام، ترجمہ: سجاد باقر رضوی، ص ۱۲۔

۶۔ عسکری، محمد حسن، مجموعہ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء، مضمون بعنوان "مغرب میں مسلمانوں کے تبلیغی وفود" ص ۶۷۲ تا ۶۷۳۔

7. W/Waterfield R. Waterfield, 'Rene Guenon', Crucible,np, 1987, p. 122, SVI Samuel Lewis, Sufi Vision and Initiation', Sufi Islamia/Prophecy Press, San Francisco & Novato, 1986.

8. Lings, Martin, A Sufi Saint of the Twentieth Century: Shaikh Ahmad al-Alawi,London, George Allen & Unwin, 3791, p.45-46.)

9. Nasr, S. H., Biography of Frithjof Schuon, p. 89-90.

10. Andrew Rawlinson, A History of Western Philosophy, p.

11. Sardar, Ziauddin, "A Man for All Seasons", Impact International December, 33-36, 1993.

12. Andrew Rawlinson, A History of Western Philosophy, p. 10.

۱۳۔ شوآن، فرتجوف، عیسیٰ نور الدین، مترجم: سید سلیم گیلانی، تفہیم اسلام، علم و عرفان پبلیشرز، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۱۷۹۔

۱۴۔ شوآن، فرتجوف، عیسیٰ نور الدین، مترجم: سید سلیم گیلانی، تفہیم اسلام، ص ۱۵۳۔

۱۵۔ شوآن، فرتجوف، عیسیٰ نور الدین، مترجم: سید سلیم گیلانی، تفہیم اسلام، ص ۱۵۴۔

۱۶۔ شوآن، فرتجوف، عیسیٰ نور الدین، مترجم: سید سلیم گیلانی، تفہیم اسلام، ص ۲۰۰۔

۱۷۔ شوآن، فرتجوف، عیسیٰ نور الدین، مترجم: سید سلیم گیلانی، تفہیم اسلام، ص۱۳۸۔

18. (Titus, Burckhardt, Trnslated by D. M. Matheson, An Introduction to the Sufi Doctrine, Muhammad Ashraf Publications, Lahore, 1959, p. 5,6.)

۱۹۔ روایت مجلہ نمبر ا، ابو بکر سراج الدین، مضمون بعنوان: ''تین ادارے تین کتابیں، تصوف کی چند حالیہ کتابوں پر تبصرہ''، مکتبہ روایت، لاہور، ۱۹۸۳ء، ص ۲۰۷۔

20. de J-K E., de Jong-Keesing, Inayat Khan , East-West Publication, The Hague, 1974, p.45-48.

21. VB W. van Beek, 'Hazrat Inayat Khan', Vantage Press (USA), 1983.

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آنحضرت ﷺ کے اجتہادی فیصلوں کی بنیاد اور ضرورت

The necessity & Basis of the Interpretative Judgments of Prophet Muhammad (SAW)

ڈاکٹر فرحت نثار*

ڈاکٹر آسیہ رشید*

ABSTRACT

The significance of Ijtihad (Interpretative Judgments) cannot be denied. The changes and evolutions in human experience can resolve the problems. Islam doesn't have narrow view regarding human life, rather removes obstacles in its way to development.

Ijtihad has played a vital role to bring compatibility between society and Islamic law, its expansion , development , and changing needs of society .This principle has provided solution to various political, social economic and cultural problems during the period of the Prophet Muhammad (SAW).The Prophet Muhammad (SAW) himself, many times, practiced Ijtihad regarding matters raised in newly established Islamic state and the Ummah. Many of the decisions were ratified and revised by Him as well .

These decisions were according to the need of time either, political, social, economic or moral. These decisions prove the importance of ijtihad as a principle of movement and also the legislative and explanatory status for the future.

Keywords: Sources of Sharia, Interpretative Judgments, Sunnah as explanation of Sharia; Sunnah as Jurisprudence; Ijtihad

---

* لیکچرر، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

* لیکچرر، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

قرآن کریم کے بعد سنت نبوی اولین ماخذِ شریعت ہے۔ اور آنحضور ﷺ کی اس حیثیت کو قرآن کریم میں کئی مقامات پر صریح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ﴿وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾ (۱)۔

ترجمہ: اور رسول تمہیں جو دے وہ لو اور جس سے روک دے اس سے رک جاؤ۔

اس آیت سے سنت رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی قدر واہمیت کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ بات سامنے آتی ہے کہ ایمان کی تکمیل اتباع سنت کے بغیر ممکن نہیں۔ ماٰخذ شریعت میں اجتہادی فیصلوں کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ کی حیثیت دو طرح سے سامنے آتی ہے۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ کی تشریحی حیثیت (وضاحت کرنے میں)۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ کی تشریعی حیثیت (قانون سازی میں)۔

دونوں حیثیتوں میں مختلف حوالوں سے آپ ﷺ کی سنت مطہرہ نے جو اصلاح کی اس کو ذیل کے چند بنیادوں پر موضوع بحث بنایا جا سکتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے اجتہادی فیصلوں کی بنیاد

چونکہ قرآن کے بعد سنت نبوی اولین مآخذِ شریعت ہے۔ اسی لئے قرآن کی بہت سی آیات میں کتاب کے ساتھ حکمت کا حوالہ آیا ہے کہ یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں جیسا کہ ارشاد ہوا:

﴿ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰه عَلَیْکَ عَظِیْمًا ﴾ (۲)۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تجھ پر کتاب و حکمت اتاری ہے اور تجھے وہ سکھایا ہے جسے تو نہیں جانتا تھا۔ اور اللہ کا تجھ پر بڑا بھاری فضل ہے۔

یہاں پر کتاب کے ساتھ حکمت کے معنی سنت کے ہیں۔ قرآن تو خود سراپا حکمت ہے۔ قرآن کے بعد رسول اللہ ﷺ کی سنت حکمت و دانائی ہے۔ جس کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ قرآن کے لائے ہوئے لائحہ عمل کو عملی جامہ پہنانے کا فرض سرانجام دیتے تھے۔ آپؐ کے فرائض نبوت میں قرآن کی آیات کی تلاوت کے ساتھ ساتھ حکمت اور تذکیر کا ذکر بھی موجود ہے اور یہ فرائض رسالت قرآن میں چار مقامات پر بیان کیے گئے ہیں۔ پہلے سورۃ بقرہ میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی صورت میں ارشاد ہوا:

﴿ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنهمْ يَتْلُوْا عَلَيهِمْ اٰيٰتِکَ وَيُعَلِّمهمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمة وَيُزَکِّيْهِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَکِيم﴾ (۳)۔

ترجمہ: اے پروردگار ان (لوگوں) میں انہیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرما جو ان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سُنایا کریں اور کتاب اور دانائی سکھایا کریں اور اُن (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کریں بیشک تو غالب اور صاحبِ حکمت ہے۔

یہاں پر فرائض رسالت کو ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی دعا کے ساتھ منسوب کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور ان کے فرائض کو ایک نعمت قرار دیا گیا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا: ﴿ کَمَآ اَرْسَلْنَا فِيکُمْ رَسُوْلًا مِّنْکُمْ يَتْلُوْا عَلَيکُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَکِّيْکُمْ وَيُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَ يُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْن﴾ (۴)۔

ترجمہ: جس طرح (منجملہ اور نعمتوں کے) ہم نے تم میں تمہیں میں سے ایک رسول بھیجے ہیں جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور تمہیں پاک بناتے اور کتاب (یعنی قرآن) اور دانائی سکھاتے ہیں اور ایسی باتیں بتاتے ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔

اس آیت میں واضح طور پر سنت کو حکمت سے تشبیہ دیتے ہوئے مؤمنین کو اسی بات کی تاکید کی گئی ہے کہ قرآن کے بعد سنت نبویؐ ان کے لئے ایک نعمت ہے جو رسالت کی صورت میں عطا کی گئی ہے۔

تیسرے مقام پر منافقین کو اس بات کا احساس دلایا گیا ہے کہ سنت ان پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے ارشاد ہوا:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِینَ اِذْ بَعَثَ فِیھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِم اٰیٰتِہ وَیُزَکِّیْھِمْ ویُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِین﴾ (۵)۔

ترجمہ خدا نے مؤمنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان میں ے ان میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجے جو اُن کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور اُن کو پاک کرتے اور (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں۔ اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

چوتھی بار سورۃ الجمعہ میں ارشاد ہوا: ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾(٦)۔

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے (محمد کو) پیغمبر (بنا کر) بھیجا جو اُن کے سامنے اُس کی آیتیں پڑھتے اور اُن کو پاک کرتے اور (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔

اس آیت میں سنت نبویؐ کو حکمت اور تزکیہ کے مناقب کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ تزکیہ کرنے کا کام سابقہ انبیاء بھی کرتے رہے ہیں مگر آپؐ کے مناقب رسالت میں یہ بھی بات شامل کی گئی ہے کہ صرف آیات سنانے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اپنے قول و عمل سے کتاب الٰہی کی منشا سمجھاتے ہیں اور یہ کام حکمت اور تزکیہ کے ذریعے سے سر انجام دیتے ہیں۔

امام قرطبی نے سنت رسول اللہ ﷺ کی تشریعی اور تشریحی حیثیت کو بڑے جامع طریقے میں بیان کرتے ہوئے آپؐ کی حیثیت کو ''یبین'' کے الفاظ سے واضح کیا ہے۔

لفظ ''یبین'' یا ''تبینا'' قرآن میں ۱۵ سے زائد مقامات پر وضاحت یا واضح کر دینے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ لفظ'' یبین ''کا اصل مادہ'' بَیَنَ ''ہے اور یہ باب تفعیل سے تبین ہے(۷)۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ پر کتاب اللہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اس کی حکمت اور تزکیہ کی بھی ذمہ داریاں تھیں اس لئے یہ ذمہ داریاں آپؐ کی تشریحی اور تشریعی حیثیت کو "لِتُبَیِّنَ" کے ذریعے مندرجہ ذیل آیات میں واضح کیا گیا ہے۔ سورۃ ابراہیم میں انبیاء علیہم السلام کی ذمہ داری کتاب اللہ کی وضاحت بیان فرمائی گئی ہے ارشاد ہوا :

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلاَّ بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللّهُ مَن يَشَاء وَيَهْدِي مَن يَشَاء وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾(۸)۔

ترجمہ: ہم نے ہر نبی کو اس کی قومی زبان میں ہی بھیجا تاکہ ان کے سامنے وضاحت سے بیان کر دے اب اللہ جسے چاہے گمراہ کر دے، اور جسے چاہے راہ دکھائے، وہ غلبہ اور حکمت والا ہے۔

اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کر دیں۔

ارشاد ہوا : ﴿ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴾(۹)۔

ترجمہ: ہم نے (آپ) کی طرف یہ ذکر اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں۔ شاید وہ غور و فکر کریں۔

اسی کو آگے آیت ۶۴ میں یوں فرمایا گیا: ﴿ وَمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلاَّ لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُواْ فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴾ (۱۰)۔

ترجمہ: اس کتاب کو ہم نے آپ پر اس لئے اتار کہ آپ ان کے لئے ہر اس چیز کو واضح کر دیں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ اور یہ ایمان داروں کے لئے رہنمائی اور رحمت ہے۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تشریحی حیثیت کا تقاضا ہے کہ وہ قرآن کی آیات کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اس کے مطالب اور تشریح اور توضیح بھی لوگوں پر واضح کردیں۔ گویا جس طرح قرآن شریعت کی بنیاد ہے اسی طرح سنت رسول ﷺ بھی شریعت کی بنیاد ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کے بعد رسول اللہ ﷺ کے اقوال واعمال واحوال کی اطاعت کا مطلق حکم دیا گیا ہے۔

ا۔ رسول اللہ ﷺ کی تشریحی حیثیت:

آپ ﷺ کی تشریحی حیثیت کو خود قرآن کریم اس طرح واضح کرتا ہے ﴿ لقد كانَ لكم فی رَسُولِ الله أُسوة حسنة ﴾ (۱۱)۔ ترجمہ: بے شک تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں عمدہ نمونہ ہے۔

اِمام راغب اصفہانی ”اسوۃ“ کا مفہوم اس طرح واضح کرتے ہیں :

" وهيَ الْحَالة الَّتِی يَكُونُ الإنسانُ عَليها فی اتِّبَاعِ غَيره حسناً أو قبيحاً" (۱۲)۔

یعنی اسوہ انسان کی ایسی حالت ہے جو کسی دوسرے کی اتباع اور پیروی میں وہ اپنے لئے اختیار کرے خواہ وہ حالت اچھی ہو یا بری۔

گویا یہ لفظ اپنے اندر اتباع کے معنی ومفہوم رکھتا ہے اور اس کے ساتھ حسنہ کا لفظ اس کی تائید کردیتا ہے۔ یعنی اسوہ نبی ﷺ پر عمل کیے بغیر اِیمانیات' احکامات اور اخلاقیات کی تکمیل ممکن نہیں ہو سکتی۔

رسول اللہ ﷺ کے تشریحی اور تشریعی دونوں فیصلوں کی بنیاد قرآن وحدیث ہی تھے فرق صرف یہ ہے کہ تشریحی فیصلوں میں آپ ﷺ کی حیثیت وضاحتی ہوتی جبکہ تشریعی فیصلوں میں آپ ﷺ اپنے استدلال کی بنیاد پر حکم صادر فرماتے۔

اب ذرا آپ ﷺ کے تشریحی فیصلوں کو مختلف امثال کے ذریعے مزید واضح کر دینا بہتر ہے۔

یہ بات ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا ہے کہ قرآن کریم مخلوق کا کلام نہیں بلکہ اس خالق کائنات کا کلام ہے جس کے علم کی کوئی حد ہے نہ قدرت کی کوئی انتہا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہر چیز بیان کر دی تو سنت کی کیا ضرورت ہے تو اس کا جواب بھی قرآن نے خود اس طرح بیان فرمایا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا * قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ﴾ (۱۳)۔

ترجمہ: آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے سمندر کا پانی روشنائی کی جگہ ہو تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے اور باتیں احاطہ میں نہ آئیں اگرچہ اس سمندر کی مثل دوسرا سمندر اس کی مدد کے لئے ہم لے آئیں اور آپ (ﷺ) یوں بھی کہہ دیجیے کہ میں تو تمہاری طرح انسان ہوں، میرے پاس وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود برحق ایک ہی معبود ہے۔ سو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے تو نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

اسی آیت میں خالق کائنات نے جہاں اپنی قدرت وعظمت کو بیان کیا وہیں نبی کریم ﷺ کی قدر ومنزلت کو بھی واضح کیا۔ یعنی عام انسان اور کائنات کی اشیاء اللہ تعالیٰ کی صفات بیان نہیں کر سکتے۔ اس لئے اس مسئلے کے حل کے لئے نبی کریم ﷺ کی صورت میں امت کو دیا۔ گویا عقائد کا مسئلہ ہو یا عبادات کی ادائیگی، معاملات یا اخلاقیات کا ان الفاظ میں امت کو تاکید گئی ہے کہ:

﴿ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ (۱۴)۔

ترجمہ: اور رسول تمہیں جو دیں اسے لو اور وہ جس سے روک دیں اس سے باز آجاؤ۔

قرآن کریم بلاشبہ جامع اور کامل کتاب ہے مگر جامع اور کامل کتاب کو سمجھنے کے لئے عقل بھی جامع اور کامل چاہیے۔ اور جامع ہونے کی حیثیت قرآن کی جامعیت اپنے حدِ کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ اور اس حدکمال جامع کتاب کو سمجھنے کی جامع ترین عقل صرف اللہ تعالیٰ کے رسول کے پاس ہے۔ لہٰذا اس کتاب کو سمجھنے اور تفصیلات کے لئے پہلا بنیادی اور جامع ماخذ اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ کی سنت ہے۔

عقائد کے حوالے سے ہی مثال لے لیتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کا اعلان بہت سے مقامات پر فرمایا۔

ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَإِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ لاَّ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴾ (۱۵)۔

ترجمہ: اور تمہارا معبود خدائے واحد ہے اس بڑے مہربان اور رحم والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں"۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿ وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَى * وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا * وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى * مِن نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنَى * وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّشْأَةَ الْأُخْرَى * وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَى وَأَقْنَى ﴾ (۱۶)۔

ترجمہ: اور یہ کہ وہ ہنساتا اور رلاتا ہے اور یہ کہ وہی مارتا اور جِلاتا ہے۔ اور یہ کہ وہی نر اور مادہ دو قسم (کے حیوان) پیدا کرتا ہے (یعنی) نطفے سے جو (رحم میں) ڈالا جاتا ہے۔ اور یہ کہ (قیامت کو) اسی پر دوبارہ اٹھانا لازم ہے۔ اور یہ کہ وہی دولت مند بناتا اور مفلس کرتا ہے۔

اس عقیدے پر ایمان لائے بغیر اسلام کے ارکان پر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ عقیدہ توحید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث جبریل میں ایمان کی بنیاد اور پہلی شرط قرار دیا گیا۔ نیز احادیث کے ذریعے آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ اکیلے اللہ ہی کی ذات ساری کائنات کے نظام کو چلا رہی ہے۔ ہدایت اور گمراہی اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ تمام مخلوقات انسان' جانور' چرند' پرند سب اُسی کے حکم کے محتاج ہیں۔ وہی فائدہ دینے اور نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتا ہے۔ مخلوقات کی ضروریات اس کے

سامنے ایک قطرے یا ذرے سے بھی کم حیثیت رکھتی ہیں۔ وہ کسی کا محتاج نہیں مگر سب اُس کے محتاج ہیں۔

اسی طرح آخرت کے حوالے سے محاسبہ اعمال کی طرف قرآن میں جب یوں اشارہ کیا گیا:

﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولِئكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُولاً﴾ (١٧)۔ ترجمہ: بے شک ہر ایک سے کان ، آنکھ اور دل کے متعلق سوال ہو گا۔

اس کے علاوہ قرآن میں اور کئی جگہ بتایا گیا کہ کئی چیزوں کے بارے میں سوالات ہوں گے اب وہ کیا سوالات ہوں گے؟ چنانچہ سیدنا اَبی برزہ اسلمیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((لا تزولا قَدَمَا عَبدٍ يوْمَ الْقِيامة حَتَّى يُسْئَل عَن عُمُره فِيما أفناه وعَنْ عِلْمه فِيما فَعل وَعَن ماله من أين اكْتَسَبه وفيما أنْفَقه وَعَنْ جَسَده فِيما أبْلاه)) (١٨)۔

ترجمہ: قیامت کے دن بندے کے قدم اپنی جگہ سے اس وقت تک ہل نہیں سکیں گے جب تک اس سے سوال نہ کیا جائے اپنی عمر کے بارے میں کہ اسے کہاں صرف کیا؟ اپنے علم کے بارے میں کہ اس پر کتنا عمل کیا؟ اپنے مال کے بارے میں کہ اسے کہاں سے کمایا اور کہاں پر لگایا؟۔ اور اپنے جسم کے بارے میں کہ اسے کہاں استعمال کیا؟

اور اسی طرح عبادات کی فرضیت کے حوالے سے قرآن میں نماز کے لئے ارشاد ہوا:

﴿ اِنَّ الصَّلٰوة كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴾ (١٩)۔

ترجمہ: بے شک نماز مومنوں پر پابندی وقت کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔

اس آیت میں تو فرمایا گیا کہ نماز اوقات کی پابندی کے ساتھ مومنین پر فرض ہے مگر اس کی ادائیگی کس طرح کی جائے ؟ شرائط اور ارکان کیا ہیں ؟ تو ان کی تفصیلات کے لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :((صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أصَلّي))(٢٠)۔ ترجمہ: اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

یعنی نماز کی ادائیگی کے لئے شرائط وضوابط نیز طریقہ کار ہمیں تشریحاً سنت نبوی سے ملتے ہیں۔

اسی طرح روزہ کی فرضیت کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہوا :﴿ یأیّھا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِینَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْن ﴾ (۲۱)۔

ترجمہ: مومنو! تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم اہل تقوی بن جاؤ۔

لیکن روزے کے احکامات، فرائض اور اوقات کی تمام تفصیلات بھی سنت طیبہ میں ملتی ہیں۔اسی طرح معاملات کے حوالے سے بھی عموم میں تخصیص کا حق رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے۔مثلاً قرآن حکیم میں حکم عام ہے کہ وراثت مرنے والوں کے جائز ورثاء میں تقسیم ہو گی لیکن اس عام حکم میں حدیث رسول ﷺ کی وجہ سے تخصیص پیدا ہو گئی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :((لا یرِثُ القاتِلُ عَمْدا ولا خَطأً شَیئاً))(۲۲)

ترجمہ: قاتل کا قتل عمد اور قتل خطأ دونوں صورتوں میں وراثت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

اس حدیث کی بناء پر قرآن کریم کی آیت کریمہ:

﴿ یوْصِیکُمُ اللہ فِیْ اَوْلَادِکُم لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْن ﴾(۲۳)۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ ملے گا۔

یہاں پر حدیث کا حکم ہی تخصیص پیدا کرتا ہے کہ اگر بیٹا باپ کا قاتل ہے تو اسے باپ کی وراثت میں کوئی حصہ نہیں ملے گا۔

تشریعی حوالے سے حکم مطلق کو مقید کرنے کی مثالیں بھی سنت طیبہ میں ملتی ہیں مثلاً قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْا أیدِیھمَا﴾ (۲۴)۔

ترجمہ: چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔

یہ آیت مطلق ہے اس میں دائیں بائیں ہاتھ کی قید نہیں نہ یہ تعین ہے کہ کس جگہ سے کاٹا جائے کیونکہ عربی زبان میں لفظ "ید" کا اطلاق کاندھے سے انگلیوں تک سارے ہاتھ پر ہوتا ہے یہ قید سنت سے ثابت ہوتی ہے کہ دایاں ہاتھ کلائی سے کاٹا جائے گا۔

اسی طرح سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کلامی الٰہی کی مراد اور اس کے متعین مصداق کی وضاحت بھی کرتی ہے مثلاً قرآن میں ارشاد ہوا:﴿ واٰتُوْا حقّه یومَ حَصَاده ﴾ (۲۵)۔

ترجمہ: جس دن (پھل توڑو اور کھیتی کاٹو) تو اللہ کا حق بھی اس میں سے ادا کرو۔

اس کلام الٰہی کی مُراد کو واضح کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس حق سے مراد عشر یا خُمس ہے جو زمین کی پیداوار پر دینا ضروری ہوتا ہے۔

یہ تمام احکامات معاملات کے حوالے سے ہیں۔ جہاں تک اخلاقیات کا تعلق ہے تو کتب حدیث میں الشفقة والرحمة علی الخلق اور حسن الخلق کے ابواب موجود ہیں جو قرآن کریم کے ان اَحکام کی تفصیل ہیں جن میں خدمت خلق اور ضرورت مند کی مدد کی تاکیدیوں کی گئی ارشاد ہوا ﴿ وَفِیْ أمْوَالهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْم ﴾ (۲۶)۔ترجمہ: اُن کے مالوں میں مانگنے والے اور محروم کے لئے حق ہے ۔

ان احکامات کی ترغیب احادیث میں تفصیلاً بڑے خوبصورت الفاظ میں ملتی ہے۔ جس کی ایک مثال یہ ہے۔

((السَّاعِی عَلَی الأرْمَلَةِ وَالْمِسْکِیْنِ کالْمُجَاهِدِ فِی سَبِیلِ الله واحْسِبه قال : کالصائم لا یُفْطِر وکالقائم لا ینام))(۲۷)۔

ترجمہ: بیوہ اور مسکین کے لئے کوشش کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے اور میرا خیال ہے اس طرح فرمایا کہ وہ اس روزہ دار کی طرح ہے جو افطار نہیں کرتا اور اس نمازی کی طرح ہے جو نماز سے تھکتا نہیں۔

اسی طرح قرآن پاک میں نیکی کے تصور کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کے حوالے سے یوں واضح کیا گیا ہے ارشاد ہے: ﴿ لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْمَلآئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّآئِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُواْ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاء والضَّرَّاء وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴾ (۲۸)۔

ترجمہ: نیکی یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کر لو بلکہ نیکی یہ ہے کہ جو اللہ پر، قیامت پر ،فرشتوں پر، کتابوں پر اور پیغمبروں پر ایمان لایا اور مال کی محبت کے باوجود رشتہ داروں کو، یتیموں کو، غریبوں کو، مسافر کو، مانگنے والوں کو اور غلاموں کے آزاد کرنے میں دیا۔ اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور عہد کرنے کے بعد اس کو پورا کیا اور مصیبت، تکلیف اور جنگ میں ثابت قدم رہا۔ یہی وہ ہیں جو راست باز ہیں اور یہی تقویٰ والے ہیں۔

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے خلق خدا کو اللہ تعالیٰ کا کنبہ قرار دیا اور اس کی خدمت اور حسن سلوک کو دنیا کی فلاح اور آخرت کی کامرانی کا ضامن قرار دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((الخَلقُ عِيَالُ الله فأحبُّ الخلقِ إلى الله من أحْسَنَ إلَى عِيَاله))(۲۹)۔

ترجمہ: مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ کے نزدیک محبوب ترین وہ ہے جو اس کے کنبے سے اچھا سلوک کرتا ہے۔

گویا یہ بات سامنے آتی ہے کہ عقائد سے لے کر عبادات اور معاملات تک حتیٰ کہ اخلاقیات تک کے حوالے سے قرآنی احکام کی تشریعی تفصیلات ہمیں احادیث نبوی سے ملتی ہیں۔

۲۔ حضور ﷺ کی تشریعی حیثیت:

اللہ تعالیٰ نے اپنی قانون سازی میں یہی قاعدہ استعمال فرمایا ہے کہ قرآن میں مجمل احکام اور ہدایات دے کر، یا کچھ اصول بیان کر کے اپنی پسند وناپسند کا اظہار کر کے یہ کام اپنے رسول کے سپرد کیا کہ وہ نہ صرف لفظی طور پر اس قانون کی تفصیلی شکل مرتب کریں بلکہ عملاً اس کے مطابق کام کر کے دکھادیں۔ اور یہ تفویض اختیارات کا فرمان خود قرآن کے متن یعنی قرآن میں ان الفاظ میں موجود ہے۔

﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْکَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيهِمْ ﴾ (۳۰)۔

ترجمہ: ہم نے (آپؐ) کی طرف یہ ذکر اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں۔

اور اس کے ساتھ یہ بھی حکم دیا گیا ﴿ وَ يُحِلُّ لهمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيهِمُ الْخَبائث ﴾ (۳۱)۔

ترجمہ: اور وہ پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں۔

اس لئے رسول اللہ ﷺ جس طرح قرآن کے قانون کی تشریح کرنے کے مجاز تھے اور آپ ﷺ کی تشریح سنت وحجت تھی۔ اسی طرح آپ تشریع کے بھی مجاز تھے اور آپ کی تشریع سنت وحجت تھی۔ مثال کے طور پر قرآن میں اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کی چیزوں میں بعض چیزوں کے حلال اور بعض کے حرام ہونے کی تصریح کی ہے۔

﴿ يَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا اُحِلَّ لهمْ قُلْ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّيِّبٰتُ ﴾ (۳۲)۔

ترجمہ: آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ ان کے لئے کیا کچھ حلال ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تمام پاکیزہ چیزیں تمہاری لئے حلال کی گئی ہیں۔

اور باقی کے متعلق عام ہدایت دی کہ پاکیزہ چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کر دی دی گئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے علیحدہ علیحدہ ہر چیز کے بارے میں بتایا کہ کیا چیز حلال ہے اور کیا حرام۔ اسی طرح قرآن کریم میں شراب یعنی خمر کو حرام قرار دیا گیا(۳۳)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس میں علت اس کا نشہ آور ہونا ہے۔ اس لئے ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ یعنی وہ تمام چیزیں مسکرات میں ہیں جو نشہ پیدا کرتی ہیں۔ مثلاً چرس، بھنگ، افیون وغیرہ۔

قرآن میں وضو کے بارے میں مطلق حکم موجود ہے۔ اور پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کا حکم ہے۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ تشریعی حیثیت سے متعین فرمایا(۳۴)۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اگر تم کو جنابت لاحق ہوگئی تو پاک ہوئے بغیر نماز نہ پڑھو(۳۵)۔

نبی کریم ﷺ نے تشریعی حیثیت سے بتایا کہ جنابت کا اطلاق کن حالتوں پر ہوتا ہے اور کن پر نہیں۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے وراثت کا قانون بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر میت کی نرینہ اولاد کوئی نہ ہو تو ایک لڑکی ہونے کی صورت میں وہ نصف ترکہ پائے گی اور زائد لڑکیاں ہوں تو ان کو ترکے کا دو تہائی حصہ ملے گا۔ نیز آپ ﷺ نے تشریعی حیثیت سے فرمایا کہ((لا وصية لوارث))

"وارث کے لئے وصیت نہیں دی جاسکتی"(۳۶)۔

نبی ﷺ نے توضیح فرمائی کہ دو لڑکیوں کا بھی اتنا ہی حصہ ہے جتنا دو سے زائد لڑکیوں کا مقرر کیا گیا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا(۳۷)۔ نبی ﷺ نے بتایا کہ پھوپھی، بھتیجی اور خالہ بھانجی کو جمع کرنا بھی اس حکم میں داخل ہے کہ اس میں جو علت بہن سے بہن کے تعلق ہی ہے وہی علت باپ کی بہن اور ماں کی بہن کے معاملے میں بھی پائی جاتی ہے۔

قرآن مردوں کو اجازت دیتاہے کہ دودو، تین تین، چار چار عورتوں سے نکاح کرلیں(۳۸)۔ یہ الفاظ قطع واضح نہیں کرتے کہ ایک مرد بیک وقت چار سے زیادہ بیویاں نہیں رکھ سکتا۔ حکم کے اس منشا کی وضاحت نبی ﷺ نے فرمائی اور جن لوگوں نے نکاح میں چار سے زائد بیویاں رکھیں تھیں ان کو آپؐ نے حکم دیا کہ زائد بیویوں کو طلاق دے دیں۔ قرآن حج کی فرضیت کا عام حکم دیتاہے اور یہ صراحت نہیں کرتا کہ اس فریضہ کو انجام دینے کے لئے آیا ہر مسلمان کو حج ہر سال حج کرنا چاہیے یا عمر میں ایک بار کافی ہے یا ایک سے زیادہ مرتبہ جانا چاہیے(۳۹)۔

یہی نبی کریمؐ کی تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر میں صرف ایک مرتبہ حج کرکے آدمی فریضہ حج سے سبکدوش ہوجاتاہے۔ قرآن سونے اور چاندی کے جمع کرنے پر سخت وعید فرماتاہے۔ سورۂ توبہ کی آیت ۳۴کی روسے عمومی طور پر اتنی گنجائش بھی نہیں کہ روزمرہ خرچ سے زائد رکھا جائے یا گھر کی خواتین کے پاس سونے یا چاندی کا زیور ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے تفصیلاً بتایا اگر زکوٰۃ ادا کرے تو وہ قرآن مجید کی اس وعید کا مستحق نہیں رہتا۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے تفویض کردہ تشریعی اختیارات کو استعمال کرکے قرآن کے احکام وہدایات اور اشارات و معجزات کی کس طرح شرح وتفسیر فرمائی۔ اس طرح یہ بات تو واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بحیثیت شارح اپنی ذمہ داری کو پوری دیانت سے نبھایا لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ کسی مسئلے میں احکام کی ضرورت ہو اور قرآن میں وہ احکام ہمیں نہ ملتے ہوں اور وحی کا انتظار ہو مگر وحی نہ آئے تو ان حالات میں اگر معاملہ ایسا ہو تاکہ جس میں انتظار کیا جاسکتاہے تو رسول اللہ ﷺ انتظار کرتے لیکن اگر معاملہ فوری حل کرنے کا ہو تو وہ مجبور ہوتے ہیں کہ اجتہاد واستنباط اور استدلال کرکے اپنی صوابدید سے کوئی حکم دیں۔ ایسے احکامات کی دوصورتیں ہوں گی :

یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی توثیق کردی گئی ہے۔ یا پھر اس حکم کو نامناسب سمجھ کر تبدیلی کا حکم دیا جائے گا۔

اس کا ایک معقول تصور یہ بھی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو رسول اللہ ﷺ کا استنباط مناسب معلوم ہوتو یا توثیق کی جائے یا سکوت کی صورت میں منظوری دے دی جائے۔ یہ عمل فوری بھی ہوسکتاہے اور

اس میں دیر بھی ہو سکتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ترمیم کا حکم نہ آئے تو چاہے کتنی مدت گزر جائے رسول اللہ ﷺ اس بات کے مجاز ہوں گے کہ اس پر عمل کرتے رہیں۔ کیونکہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اللہ کے بعد پیغمبر اپنے ذاتی اجتہاد سے کوئی قانون بنا سکتا ہے جب کہ اسے وحی نہ آئی ہو۔ البتہ اللہ کی ذات پیغمبر کے حکم کو تبدیل یا منسوخ کر سکتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ایسی مثالیں ملتی ہیں مثلاً جنگ بدر کے قیدیوں سے کیا سلوک کیا جانا چاہیے، اس بارے میں کوئی صریح حکم اس وقت تک نہیں آیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فدیہ لے کر ان کو رہا کرنے کا فیصلہ کیا تو فوراً اللہ کی طرف سے تنبیہ کر دی گئی (۴۰)۔

اس فیصلے میں رسول اللہ کا بحیثیت قانون دان استنباط اللہ کو پسند نہ آیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ خدا یہ بھی وضاحت کر دیتا ہے کہ چونکہ میں طے کر چکا تھا کہ پرانے (یعنی توریت کے) قانون کو قانون محمدیہ سے بدل دوں گا اس لئے اب میں محمد رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو قبول کرتا ہوں اور اس کی توثیق کرتا ہوں اس لئے اس پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

گویا یہ بات واضح ہو گئی کہ سنت کا درجہ قرآن سے کمتر ہو گا بحیثیت تشریحات قرآن لیکن استنباط کے حوالے سے اگر رسول اللہ ﷺ کا کوئی حکم ہم آپ ﷺ کی زندگی میں سنیں گے جس کی تائید قرآن سے ہوئی تو اس کا درجہ بالکل قرآن کے برابر ہو گا۔ جہاں تک صحت کا تعلق ہے تو قرآن کی تدوین رسول اللہ ﷺ نے اپنی نگرانی میں کرائی اور حدیث صحابہ کرامؓ نے اپنی ذاتی صلاحیتوں کے مطابق مرتب کی، اسی حوالے سے دونوں کے مراتب میں فرق ہو گا۔ لیکن حدیث کا اصل اصول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کو صرف رسول اللہ ﷺ ہی بدل سکتا ہے۔ اس سے کمتر درجے کی شخصیت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کوئی تبدیلی کرے۔ البتہ احکام یکساں درجے کا حکم نہیں رکھتے۔ بعض کی حیثیت فرض یا واجب کی ہو گی، بعض چیزیں مباح ہیں۔ مگر یہ تصور بہت بعد میں پیدا ہوا۔

علمی نقطہ نظر سے ان احکام کو پانچ اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے اور یہ تقسیم اخلاقی اساس پر ہے۔ یہ پنجگانہ تقسیم دوسری صدی ہجری میں شروع ہوئی جیسا کہ امام غزالی (م ۵۰۵ھ) نے بیان کیا ہے، یہ

معتزلہ کی اصول فقہ کی کتابوں میں ہمیں پہلی مرتبہ ملتی ہے (۴۱)۔

آنحضرت ﷺ کے اجتہادی فیصلوں کی ضرورت واہمیت جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اجتہادی فیصلوں کی ضرورت و مصلحت کیا تھی جبکہ قرآن کریم نے اپنے متعلق دعوی کیا ہے کہ

﴿ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيئٍ وهدًى وَّرَحمة وبُشْرى لِلْمُسْلِمِين ﴾ (۴۲)۔

ترجمہ: ہم نے تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے (جس میں) ہر چیز کا بیان (مفصل) ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔

یہاں پر" لکل شیئ" سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کا تعلق انسان کی ہدایت اور رہنمائی سے ہے۔ قرآن کے نزول کی غرض وغایت ہی نوع انسانی کی ہدایت ہے۔ قرآن اپنے متعلق خود کہتا ہے :

﴿ هدى للناس ﴾ (۴۳)۔ (قرآن) لوگوں کے لئے ہدایت ہے ۔

گویا قرآن اپنے نزول سے لے کر قیامت تک کے انسان کے لئے رہنمائی وہدایت فراہم کرتا ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہر دور کے مسائل کی جزئیات کا تفصیلی بیان قرآن مجید میں موجود نہیں ہے اس لئے کہ قرآن کی آیات محدود ہیں جبکہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ کا یہ حال ہے کہ ہر دن کا سورج نئے حوادث ووقائع کے ساتھ طلوع ہوتا ہے ان نت نئے پیش آنے والے واقعات کا تفصیلی بیان قرآن مجید میں موجود نہیں ہے۔ تو پھر یہ دعوی کیوں ہے کہ ’تبیاناً لکل شیئٍ“ یعنی ہر چیز کا بیان ہے۔

اِمام اَبو اسحاق شاطبیؒ اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں : "ولا يكون جامعاً إلا والْمَجْمُوعُ فِيه أمُوْرُ كُلِيات" (۴۴)۔

ترجمہ: قرآن کی جامعیت کا مفہوم یہ ہے کہ اس میں کلیات بیان ہوئے ہیں۔

اب ان کلیات کی جزئی تفصیلات سنت رسول ﷺ اور اجتہاد ہی سے معلوم کی جاسکتی ہے۔

اِمام شافعیؒ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں احکام کا بیان چار طریقوں سے کیا ہے۔

۱: بعض اَحکام تفصیلی طور پر قرآن میں بیان کیے گئے ہیں۔

۲: بعض احکام کی تفصیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ بیان کروائی گئی ہے۔

۳: بعض احکام وہ ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی قرآنی حکم نہیں مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور ان کے حکم پر عمل کرنے کو فرض قرار دیا ہے اس لئے جس کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو قبول کیا بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے فرض قرار دینے کی وجہ سے قبول کیا۔

☆۔ بعض اَحکام وہ ہیں جن کو معلوم کرنے کے لئے مجتہدین پر اجتہاد کرنا فرض کر دیا گیا(۴۵) ۔

مذکورہ آیت کے الفاظ﴿ تبياناً لكل شيئٍ ﴾ کے حوالے سے علامہ اَبو بکر جصاص (م ۳۷۱ھ) فرماتے ہیں

"سنت رسول، اجماع، قیاس واجتہاد اور استدلال کی دوسری تمام صورتوں مثلاً: استحسان اور قبول خبر واحد کی وجہ سے جو احکام ثابت ہوتے ہیں وہ بھی دراصل قرآن کے تبیان اور اس کی وضاحت کی صورتیں ہیں، اس لئے قرآن ان پر دلالت کرتا ہے" (۴۶) ۔

مذکورہ آیت کے حوالے سے قیاس واجتہاد کی حجیت پر استدلال کرتے ہوئے علامہ ابو بکر جصاص فرماتے ہیں:

"''وهذه الآية دالة على صِحة القولِ بِالقياسِ وذلک لأنا إذا لَمْ نَجِدْ لِلْحادثة حُكْما منصوصاً فى الكتابِ ولا فى السُّنة ولا فى الإجماعِ وقد أخبرَ الله تعالى أن فى الكتابِ تبيانٌ لكلِ شيئ من أمورِ الدينِ ثَبَتَ أن طريقة النظرِ و الاستدلالِ

بالقياسِ على حُكْمه اِذْ لَمْ يَبْقَ هناك وجه يُوصِلُ إلى حُكْمها منْ غَير هذه الجهة "" (۴۷)۔

یہ آیت قیاس کی حجیت پر دلالت کرتی ہے وہ اسطرح کہ جب ہمیں کسی نئے پیدا شدہ مسئلے کا حکم کتاب اللہ، سنت رسول اور اجماع میں نہیں ملے گا تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق کہ قرآن کریم میں دین کے ہر معاملے کی وضاحت موجود ہے سے یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ اس نئے مسئلے کے متعلق حکم معلوم کرنے کا طریقہ اجتہاد ورائے اور قیاس کے ذریعہ استدلال ہے۔ اس لئے کہ اس طریقہ کے سوا نئے مسئلہ کا حکم معلوم کرنے کا کوئی اور ذریعہ باقی نہیں رہتا۔

ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ انسانی زندگی کی لامحدود جزئیات کا احاطہ اعجازی شان کے ساتھ قرآن کریم نے "کلیات" کی صورت میں کیا ہوا ہے۔ اور انہی کلیات سے نئے پیش آنے والے مسائل کے حل کے اخذ واستنباط کا نام اجتہاد ہے۔

جہاں تک نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مامور بالاجتہاد ہونے کا تعلق ہے اور اس کی ضرورت و مصلحت کی بات ہے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اجتہادی فیصلوں کی مصلحت مختلف وجوہ کی بنیاد پر مختلف تھی۔ کتب احادیث وسیرت کے متعدد واقعات شاہد ہیں کہ:

☆... کبھی ان فیصلوں کی ضرورت اور مصلحت جنگی تدبیر کی صورت میں ہوتی جیسے غزوہ بدر میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جب اسلامی لشکر کو جس جگہ پڑائو کا حکم دیا تو حضرت خباب ابن المنذرؓ نے عرض کیا:

((يَا رَسُولَ اللَّهِ ، أَرَأَيْتَ هَذَا الْمَنْزِلَ ؟ أَمَنْزِلٌ أَنْزَلَكَهُ اللَّهُ لَيْسَ لَنَا أَنْ نَتَقَدَّمَهُ وَلا نَتَأَخَّرَهُ ؟ أَمْ هُوَ الرَّأْيُ وَالْحَرْبُ وَالْمَكِيدَةُ قَالَ : بَلْ هُوَ الرَّأْيُ وَالْحَرْبُ وَالْمَكِيدَةُ ...)).

ترجمہ: یارسول اللہ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم)! کیا یہ مقام ایسا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتارا ہے اور ہمیں یہ

اختیار نہیں کہ ہم آگے بڑھیں یا پیچھے ہٹیں یا یہ ایک رائے اور جنگی تدبیر ہے ؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ رائے اور جنگی تدبیر ہے۔

حضرت خباب بن المنذرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ مقام کوئی ایسی جگہ نہیں ہے بلکہ آگے چلتے ہی چشمے کے پاس اتریں گے جو قریش سے بہت قریب ہے۔ اس کے پیچھے سارے چشمے اور گڑھے ناکارہ کردیں گے تاکہ ہمیں پانی ملتا رہے اور انہیں نہ ملے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا :((لَقد أشرتَ بالرأی))(۴۸)۔ ترجمہ:تونے صحیح رائے دی۔

☆... اسی طرح آنحضرت ﷺ کے اجتہادی فیصلوں کی بنیاد معاشی ضرورت مصلحت بھی تھی۔ جس کی سب سے بڑی مثال مؤاخات مدینہ کی صورت میں موجود ہے۔ جس میں انصار کا معاشی مسئلہ ایسا تھا جس کو حل کرنے کی ایسی ضرورت تھی کہ وہ خود کو انصار پر بوجھ محسوس نہ کریں اور ان کے لئے معاشی اسباب پیدا کردیئے جائیں چنانچہ روایات کے مطابق حضرت انسؓ بن مالک کے گھر مواخات کا یہ اجتہادی معاملہ بڑے خوبصورت طریقے سے طے کیا گیا(۴۹)۔

☆... آنحضرت ﷺ کے اجتہادی فیصلوں کی بنیاد سیاسی مصلحت بھی تھی۔اسی کی بہت سی مثالیں تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں مثلاً یہودی مدینہ کے ساتھ میثاقِ مدینہ کا فیصلہ جو سراسر سیاسی مصلحت تھی کیونکہ اسلام کو ابتدائی مدنی دور میں بہت سے خطرات ومشکلات کا سامنا تھا جو اس بات کا متقاضی تھا کہ مدینہ کی بڑی طاقتوں کے ساتھ میثاق یا معاہدہ کرلیا جائے۔ اس سلسلے میں حضرت حمزہؓ کی سربراہی میں پہلی مہم ہجرت کے پہلے سال رمضان میں روانہ کی گئی یعنی معرکہ بدر سے تقریباً ایک سال قبل(۵۰)۔

گوکہ بعد میں یہودیوں کی عہد شکنی کی بنیاد پر یہ معاہدہ توڑ دیا گیا لیکن اس وقت تک اسلام ایک مضبوط قوت کی صورت میں سامنے آچکا تھا۔

☆... اسی طرح آنحضرت ﷺ کے اجتہادی فیصلوں کی ضرورت و مصلحت معاشرتی وعائلی بھی تھی مثلاً وراثت کے مسائل میں آنحضرت ﷺ نے اپنے وارثوں کے حق میں وصیت کرنے سے منع فرمایا جو پہلے سے وارث ہوں(۵۱)۔

کیونکہ اس صورت میں دوسرے وارثوں کے ساتھ ناانصافی ہوسکتی ہے۔ اسی طرح وراثت کے حوالے سے فرمایا کہ کوئی مشرک مسلمان کے مال ومتاع کا وارث نہیں بن سکتا(۵۲)۔ یعنی مسلمان کے ترکہ کا وارث کوئی کافر نہیں ہوسکتا اور نہ ہی کسی مشرک رشتے دار کی ترکہ کا وارث کوئی مسلمان ہوسکتا ہے۔

اسی طرح نکاح اور شادی کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے اس بات پر زور دیا کہ ہر وہ شخص جو مہر ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو ضرور شادی کرے(۵۳)۔

اور طلاق کے حوالے سے اس کی مذمت کرتے ہوئے اسے قابل نفرت فعل قرار دیا۔ احکامات کی مصلحت کے حوالے سے دورانِ حمل کسی عورت کو طلاق کی اجازت نہیں دی جب تک کہ بچے کی پیدائش نہ ہوجائے۔ اور حاملہ کو بھی نکاح ثانی سے احتراز کرنے کا حکم دیا تاکہ بچے کی ولدیت کا اندازہ ہوسکے(۵۴)۔

یہ تمام احکامات معاشرتی وعائلی ضروریات کے تحت کیے گئے۔ اور یہ وہ احکامات ہین جن کے بارے میں قرآنی آیات خاموش ہیں۔

☆... اس طرح آنحضرت ﷺ کے اجتہادی فیصلوں کی ضرورت جنگی مصلحت بھی تھی مثلاً غزوہ خندق کے موقع پر ہر طرف سے کفار کے لشکر مدینہ منورہ پر چڑھ دوڑے اور مسلمان سخت آزمائش میں پڑگئے تو رسول اللہ ﷺ نے کفار کا زور توڑنے کے لئے بنو غطفان سے مدینہ کی پیداوار کے ثلث پر صلح کرنا چاہی تو معاہدہ کی تکمیل سے پہلے آپ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ سے مشورہ فرمایا توان دونوں نے عرض کیا

((يا رسول الله أمراً تُحِبّه فَتَصْنَعه أمْ شَيْئاً أمَرَكَ الله به لا بُدَّ لَنَا مِنْ الْعَمَل به أم شيئاً تَصْنَعه لَنَا ...))

ترجمہ: "یارسول اللہ کیا یہ ایسا معاملہ ہے جسے آپ پسند فرماتے ہیں اور اس لئے کرنا چاہتے ہیں یا اسکا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور اس پر عمل کیے بغیر چارہ نہیں یا آپ ہمارے لئے کرنا چاہتے ہیں"۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ولكني رايت العرب قد رمتكم عن قوس واحده، و جاووكم من كل جانب، فأردت أن أكسر عنكم من شوكتهم ......))

ترجمہ: "خدا کی قسم میں سرف اس لئے کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے دیکھا تمام عرب ایک کمان سے تم پر تیروں کی بارش کرنے پر آمادہ ہے اور ہر راستہ تمہارے لئے دشوار بنادیا گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کی طاقت تمہارے لئے کسی نہ کسی طرح توڑ ڈالوں"۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

((يا رسول الله: قد كنا نحن وهؤلاء القوم على الشرك بالله وعبادة الأوثان لا نعبد الله ولا نعرفه فهم لا يطمعون أن يأكلوا منها تمرة إلاقرى أو بيعا، أفحين أكرمنا الله بالإسلام وهدانا له وأعزنا بك وبه نعطيهم أمولانا: والله ما لنا بهذه من حاجة والله لا نعطيعهم إلا السيف حتى يحكم الله بيننا وبينهم فقال فأنت وذاک)) (۵۵)

ترجمہ: یارسول اللہ جب ہم اور یہ لوگ شرک وبت پرستی میں مبتلا تھے تب یہ لوگ مدینہ کی ایک کھجور کی طرف بھی للچائی ہوئی نظر نہیں ڈال سکتے تھے سوائے اس کے جو ان کو مہمانی کے طور پر دیا جاتا یا قیمت کے عوض فروخت کیا جاتا۔ اب تو اللہ تعالیٰ نے آپ اور اسلام کے ذریعے ہمیں عزت دی۔ کیا اب ہم انہیں اپنے اموال دیں گے؟ خدا کی قسم ہمارے اور ان کے درمیان تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پس تم جانو اور وہ جانیں۔

اس پر حضرت سعد بن معاذؓ نے وہ پرچہ لیا اور اس پر درج تحریر محو کر دی۔ یہ فیصلہ اس بات کا ثبوت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگی امور اور دیگر معاملات میں جہاں اپنی رائے اور اجتہاد سے کام لیا وہیں بعض مواقع پر صحابہ کرامؓ کے اختلاف کو نہ صرف قبول کیا بلکہ پسند بھی فرمایا۔

☆... اسی طرح آنحضرت ﷺ کے بہت سے اجتہادی فیصلوں کی ضرورت و مصلحت اخلاقی بنیادوں پر بھی تھی۔ مثلاً زناکار مرد اور عورت کی سزا قرآن کی رو سے سنگساری ہے لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی حاملہ عورت کے خلاف جس کے رحم میں بچہ ہو، سزائے موت صادر ہو تو سزا کی تعمیل میں اس وقت تک تاخیر کی جائے جب تک وہ بچہ کی پیدائش سے فارغ نہ ہو جائے (۵۶)۔

حاملہ عورت کے مارڈالنے میں اگر رحم میں بچے کی موت ہو جائے تو مرنے والے بچے کا قصاص بھی قابل ادائیگی ہے (۵۷)۔

یہ قانون آج بھی تمام مہذب ممالک میں رائج ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے بدکاری کا ارتکاب ہونے پر عورت کو سنگسار کرنے سے بھی منع فرمایا جبکہ وہ اپنی چھاتی سے ایک بچے و دودھ پلا رہی ہو (۵۸)۔

یعنی اس بات کی اجازت دی کہ بچہ کی شکم سیری کا مناسب انتظام کر دینے کے بعد اسے سنگ سار کیا جائے۔ آج بھی بچوں اور خواتین کے حقوق کے لئے آواز بلند کرنے والے اس اخلاقی مصلحت کے تحت بنائے جانے والے قانون کے حامی ہیں۔

آپ ﷺ نے اپنے مقدموں میں باہمی سمجھوتے کی اجازت نہیں دی جن کے بارے میں جرم کی سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کی گئی ہو مثلاً:

۔ ایک مرد نے ایک عورت کے ساتھ بدکاری کر کے اسے تاوان ادا کر دیا۔ آنحضرت نے تاوان واپس کرنے کے لئے عورت کو حکم دیا اور مرد کو مقررہ سزا دی۔

۔ اسی طرح آپ ﷺ نے بیوی کو اجازت دی کہ وہ اپنے خاوند کی جیب سے اس کی اجازت کے بغیر اتنی رقم نکال لے جو گھر کے اخراجات کے لئے ضروری ہو۔ اسے چوری تصور نہیں کیا گیا(۵۹)۔

آپ ﷺ میدان جنگ میں دشمن کا مقابلہ ایسی شجاعت اور بہادری سے کرتے کہ اس کے معترف بڑے بڑے جنگ جو اور سپہ سالار بھی ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ فوج کے سپہ سالار کو تاکید کرتے کہ کسی علاقے کے فتح ہونے کے بعد ان کے فرائض یہ ہوں گے۔

أ: لوگوں کے ساتھ نرمی برتیں اور انہیں خوشخبری سناتے رہیں۔

ب: ان کی ضرورت کا خیال رکھیں اور ان پر کوئی سختی نہ ہونے دیں۔

ج: ایک دوسرے کی فرمانبرداری کریں اور نافرمانی سے اجتناب کریں(۶۰)۔

شریعت اسلامیہ میں بہت سے احکام موجود ہیں جو صرف سنت نبوی ﷺ سے ثابت ہیں:

☆... رجم کی سزا قرآن کی مقرر کردہ نہیں ہے یہ سنت ہی سے ثابت ہے اور تمہام فقہاء بطور حد اس کو تسلیم کرتے ہیں۔

☆... مردوں کے لئے سونے اور ریشمی کپڑے کا استعمال حرام قرار دیا گیا ہے۔ ان کی حرمت مردوں کے حق میں سنت مطہرہ سے ثابت ہے۔

☆... دنیائے اسلام میں اذان کا یکساں طریقہ مسلمانوں میں رائج ہے۔ حجاز مقدس سے لے کر کابل تک اور مراکش سے انڈونیشیا تک ہر جگہ ایک ہی اذان بلند ہوتی ہے۔ جو پانچ وقت دی جاتی ہے۔ بعض ممالک میں تہجد کے لئے بھی اذان دی جاتی ہے۔ اذان کا طریقہ کار، اس کے الفاظ اور کلمات بھی سنت سے ثابت ہیں۔

☆... سنت سے حمر أهلية (پالتو گدھے) کی حرمت بیان ہوئی ہے۔ ایسے ہی ذی ناب سباع (چیر پھاڑ کرنے والے درندے) کی تحریم کا بیان صرف سنت میں ہے قرآن میں نہیں ہے(۶۱)۔

☆... سنت ہی کی روشنی میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ چچی اور خالہ کے ساتھ اس کی بھتیجی اور بھانجی کو ایک نکاح میں جمع نہ کیا جائے۔

اس بارے میں امام شاطبی فرماتے ہیں۔

"الاستقراء دل على أن فى السنة أشياء لا تحصى كثرة لم ينص عليها فى القرآن كتحريم نكاح المرأة على عمتها أو خالتها وتحريم الحمر الأهلية وكل ذى ناب من السباع "(٦٢)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن کی تعبیر و تشریح اور اس میں تخصیص کا اختیار رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے۔ کوئی دوسرا فرد نہ سنت کے خلاف تشریح و تعبیر کر سکتا ہے اور نہ ہی اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ قرآن کے عموم میں تخصیص یا مطلق کو مقید کر سکے۔ رسول اللہ ﷺ کی تشریحی اور تشریعی حیثیت کو چند ایک مثال سے مزید واضح کر دینا بہتر ہے تاکہ ان کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کے اجتہادی فیصلوں کی بنیاد اور ضرورت کو بہتر طور پر سمجھا جا سکے۔

قرآن میں بہت سے احکام مجمل بیان ہوئے ہیں جن کی تفصیل و تشریح آنحضرت ﷺ نے فرمائی ہے مثلاً:

قرآن کریم میں عبادات مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کے بارے میں احکام موجود ہیں مگر ان کی تفصیل کا علم سنت رسول اللہ ﷺ سے ملتا ہے جو آپ کی تشریحی حیثیت کو واضح کرتے ہیں۔

اسی طرح قرآنی احکامات کے عموم میں تخصیص کا حق صرف رسول اللہ کو حاصل ہے۔ مثال کے طور پر قرآن حکیم میں عمومی حکم ہے کہ وراثت مرنے والوں کے جائز ورثا میں تقسیم ہو گی۔ لیکن اسی عام حکم میں حدیث رسول اللہ ﷺ نے تخصیص پیدا کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا نُورث ما تركناه صدقة))(٦٣)۔

ترجمہ: ہم انبیاء کسی کو وارث نہیں بناتے اور ہمارا ترکہ صدقہ ہے۔

یہ تمام مثالیں آنحضرت ﷺ کی تشریعی حیثیت کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ اُن معاشرتی، معاشی، اخلاقی ضرورت اور مصلحت کو بھی واضح کرتی ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اجتہادی فیصلوں کی بنیاد بنایا۔ گویا یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلامی قانون کی تعبیر و تشریح اور اس کے ارتقاء میں اجتہاد کو جو اہم اور بنیادی اصول کی حیثیت حاصل ہے یہ اصول بھی صراحتاً رسول اللہ ﷺ کا عطا کردہ ہے جو ہر دور اور ہر زمانہ میں قانون سازی کے عمل میں ممد و معاون ہوتا ہے ایسے تمام مسائل جن میں قرآن و سنت خاموش ہوں۔ سنت کی رو سے اہل اجتہاد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے تمام تر صلاحیتوں کو استعمال کر کے درپیش مسائل کا حل پیش کریں۔ اس علمی اور فکری عمل کو قیامت تک جاری رکھنے کی راہ ہموار کر دی۔

آنحضرت ﷺ کے اجتہادی فیصلوں کی بنیاد اور ضرورت کو واضح کر دینے کے بعد آپ ﷺ کے اجتہادی فیصلوں کا جائزہ پیش کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے تاکہ واضح ہو سکے کہ آپ ﷺ کے کن اجتہادی فیصلوں کو قرآنی احکامات سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید حاصل ہوئی اور کن فیصلوں کی تصحیح یا تردید ہوئی۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ سورۃ آل عمران ۳/۳۱؛ سورۃ الاحزاب ۳۳/۷۱ ؛ ایضاً: ۶۶؛ سورۃ الحشر: ۵۹/۷؛ سورۃ النساء: ۴/۱۷۰۔

۲۔ سورۃ النساء: ۴/ ۱۱۳۔

۳۔ سورۃ البقرۃ ۲/۱۲۹

۴۔ ایضا: ۱۵۱

۵۔ سورۃ آل عمران ۳/۱۶۴۔

۶۔ سورۃ الجمعہ ۶۲/۲۔

۷۔ القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج ۱، ص: ۳۸۔

۸۔ سورۃ ابراہیم: ۱۴/۴۔

۹۔ سورۃ النحل: ۱۶/۴۴۔

۱۰۔ ایضاً: ۶۴۔

۱۱۔ سورۃ الاحزاب: ۳۳/۲۱۔

۱۲۔ اِمام راغب اصفہانی، المفردات، ج: ۱، ص: ۱۴۔

۱۳۔ سورۃ الکہف ۱۸/۱۰۹، ۱۱۰۔

۱۴۔ سورۃ الحشر: ۵۹/۷۔

۱۵۔ سورۃ البقرۃ: ۲/۱۶۳۔

۱۶۔ سورۃ النجم: ۵۳/۴۳ تا ۴۸۔

۱۷۔ سورۃ بنی اسرائیل: ۱۷/۳۶۔

۱۸۔ ترمذی، سنن الترمذی۔ الذبائح، ابواب صفۃ القیامۃ الرقائق والورع عن رسول اللہ، باب فی القیامۃ، حدیث ۲۴۰۰۔

۱۹۔ سورۃ النساء۴: /۱۰۳۔

۲۰۔ امام بخاری، صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب الاذان للمسافر، حدیث ۶۰۵۔

۲۱۔ سورۃ البقرۃ۲:۱۸۳۔

۲۲۔ اِمام بیہقی، السنن الکبری، کتاب الفرائض، باب لایرث القاتل، حدیث ۱۱۴۵۴۔

۲۳۔ سورۃ النساء۴: /۱۱۔

۲۴۔ سورۃ المائدہ : ۵/۳۸۔

۲۵۔ سورۃ الانعام۶/۱۴۱۔

26۔ سورۃ الذاریات۵۱/۱۹۔

۲۷۔ ابن حبان، صحیح ابن حبان، کتاب الرضاع، باب النفقۃ۔ ذکر اعطاء اللہ۔ حدیث ۴۳۰۵۔

۲۸۔ سورۃ البقرۃ ۲/۱۷۷۔

۲۹۔ الطبرانی، المعجم الأوسط، باب العین، باب المیم من اسمہ محمد، حدیث ۵۶۴۵۔

۳۰۔ سورۃ النحل۱۶: /۴۴۔

۳۱۔ سورۃ الاعراف: ۷/۱۵۷۔

۳۲۔ سورۃ المائدۃ۵/۴۔

۳۳۔ اَیضا:۹۰۔

۳۴۔ سورۃ النساء:۴/۴۳۔

۳۵۔ سورۃ المائدۃ۶:۷۔

۳۶۔ سورۃ النساء:۴/۱۱۔

۳۷۔ سورۃ النساء:۴/۲۳۔

۳۸۔ اَیضا:۳۔

۳۹۔ سورۃ آل عمران:۳/۹۷۔

۴۰۔ سورۃالأنفال۸/۶۸۔

۴۱۔ اِمام غزالی، المستصفیٰ، ج۱، ص:۵۷۔

۴۲۔ سورۃ النحل۱۶/۸۹۔

۴۳۔ سورۃ البقرۃ۲/۱۸۵۔

۴۴۔ شاطبی، الموافقات فی اصول الشریعہ، ج۳، ص:۳۶۷۔

۴۵۔ اِمام الشافعی، الرسالۃ،ص:۲۱، ۲۲۔

۴۶۔ أبو بکر جصاص، احکام القرآن، ج۳، ص:۱۸۹،۱۹۰۔

۴۷۔ أیضاً۔

۴۸۔ اِمام بیہقی، دلائل النبوۃ، باب ذکر خروج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حدیث ۸۷۳۔

۴۹۔ ابن سعد، طبقات، حصہ اول، ص:۹۔

۵۰۔ طبری، تاریخ الرسل، ج۲،ص:۴۰۲۔

۵۱۔ جامع الترمذی،کتاب الوصایا، باب ماجاء فی لا وصیۃ لوارث،حدیث ۲۰۴۶۔

۵۲۔ أیضاً،کتاب الفرائض، باب ماجاء فی اِبطال المیراث بین المسلم والکافر،حدیث ۲۰۳۳۔

۵۳۔ بخاری، صحیح البخاری،کتاب النکاح، باب قول النبی ﷺ من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج،حدیث ۴۷۸۰۔

۵۴۔ بخاری، صحیح البخاری،کتاب الطلاق، باب قول اللہ تعالیٰ (یآیہا النبی اِذا طلقتم النساء فطلقوہن لعدتہن) حدیث ۵۰۱۹۔

۵۵۔ اِمام بیہقی، دلائل النبوۃ، باب مجیء الأحزاب، حدیث ۱۳۱۳؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲ ،ص:۲۴۶۔

۵۶۔ ابن حبان، صحیح ابن حبان،کتاب الحدود، ذکر البیان بأن المرأۃ الحامل المقرۃ بالزنی علی نفسہا ثم ولدتْ، حدیث ۴۵۰۶؛ الترمذی، جامع الترمذی،کتاب الحدود، باب تربص الرجم بالحبلیٰ حتی تضع۔حدیث ۱۳۵۵۔

57- أیضاً۔

۵۸۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب من اعترف علی نفسہ بالزنا، حدیث ۱۶۹۵۔

۵۹۔ بخاری، صحیح بخاری، کتاب النفقات، باب إذالم ینفق الرجل فللمرأۃ أن تأخذ بغیر علمہ مایکفیہاوولدہابالمعروف، حدیث ۵۰۵۵۔

۶۰۔ الترمذی، جامع الترمذی، کتاب السیر، باب سہم الخیل، حدیث ۱۴۷۵۔

۶۱۔ شاطبی، الموافقات، ج۴، ص:۱۶۔

۶۲۔ أیضاً، ص:۲۱۔

۶۳۔ إمام بیہقی، السنن الکبری، کتاب الفرائض، باب لایرث القاتل، حدیث ۱۱۴۵۴۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فروغِ تعلیم
آسوہ رسول ﷺ کی روشنی میں

The Progress of Education in the light of Prophetic Model

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر*

ABSTRACT

Education has been considered the core value of human life. Religion and education are interrelated. The preaching of religion depends upon the education and training. Our holy Prophet (SAW) was an ideal educationist not only of his times but for the future generations as well.

The article deals with the importance of education in the light of prophetic model. Prophet Mohammad (SAW) has emphasized on education and guidance of Muslims. He has established many educational policies for the Muslims which include Treaty of Madina, brotherhood of Muslims, construction of masajid, establishment of Suffa. These initiatives provided a ground work for future generations in shaping their educational syllabus and policies.

Keywords: Education, Prophet (SAW) as Educationist, Educational policies of Islam, Religious education. Educational syllabus of Prophet (SAW).

* چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ سرگودہا یونیورسٹی سرگودہا

تعلیم کا مفہوم:

انگریزی میں تعلیم کے لیے لفظ (Education) (۱) استعمال ہوتا ہے۔ جو کہ لاطینی زبان کے لفظ (Educare) سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی تربیت دینے کے ہیں (۲)۔ انسائیکلوپیڈیا آف ڈکشنریز کے مطابق تعلیم انسانی ذہن اور مختلف اعضاء کو مہذب و تربیت یافتہ بنانے کا نام ہے (۳)۔

اس اعتبار سے اس کا فاعل معلم (Educator) وہ شخص ہے جو انسانی ذہن اور اس کے مختلف اعضاء کی تہذیب اور تربیت کرتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے تعلیم مصدر ہے۔ اس کا مادہ علم (ع، ل، م) ہے۔ یہ جہل کی ضد ہے۔ مفردات القرآن میں ہے۔ (العلم ادراك الشيء بحقيقته) (۴) کسی شئے کی حقیقت کا ادراک علم کہلاتا ہے۔ یہ دو طرح سے ہو سکتا ہے۔ اوّل: إدراك ذات الشيء (کسی شئے کی ذات کا ادراک)۔

دوم: **الحكم على الشيء بوجود شيء هو موجود له أو نفس شيء هو منفي عنه (۵)**

(کسی شئے پر حکم اس کے ہونے کا حکم لگانا جو اس کے لیے موجود ہے یا نفس شئے پر لگانا جو اس میں موجود نہیں ہے)۔

تعلیم انسان کی پوری زندگی پر محیط ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں اسی تعلیم کی وجہ سے انسان جانوروں سے ممیّز ہوتا ہے۔ وہ بہیمیت سے نکل کر دائرہ انسانیت میں داخل ہو جاتا ہے۔ علم کا پہلا مرحلہ خاموشی ہے۔ دوسرا مرحلہ سننا ہے۔ تیسرا مرحلہ حفظ کرنا اور آخری مرحلہ اسے آگے پھیلانا ہے (۶)۔

۲۔ فلسفہ تعلیم:

تعلیم صرف تدریس علم ہی کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے سے ایک قوم خود آگہی حاصل کرتی ہے، اور یہ عمل اس قوم کو تشکیل دینے والے افراد کے احساس و شعور کو نکھارنے کا ذریعہ ہوتا ہے یہ نئی نسل کی وہ تعلیم و تربیت ہے جو اسے زندگی گزارنے کے تمام طریقوں کا شعور دیتی ہے (۷)۔

ایک قوم کی زندگی کا انحصار ہی اس کی تعلیم پر ہوتا ہے۔ تعلیم ان تمام طبعی و حیاتیاتی، اخلاقی و سماجی اثرات کا

احاطہ کرتی ہے جو فرد اور قوم کی طرز زندگی کی تشکیل کرتے ہیں (۸)۔

۳۔ مذہب اور تعلیم کا تعلق:

مذہب اور تعلیم کا بہت گہرا تعلق ہے۔ اگر تعلیم نہ ہو تو مذہب اور اس کی تعلیمات کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہو سکتیں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے انسانیت نے اپنے سفر کا آغاز تاریکی اور جہالت سے نہیں بلکہ علم کی روشنی سے کیا ہے۔ تخلیق آدم کے بعد خالق کائنات نے انسان کو سب سے پہلے جس چیز سے سرفراز کیا وہ علم تھا اور علم ہی انسان کو باقی تمام مخلوقات سے ممتاز کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے علم کو اوّلین ضرورت قرار دیا ہے۔اس کے برعکس دیگر مذاہب نے یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ تعلیم مذہب سے بالکل علیحدہ چیز ہے۔

۴۔ مذاہب عالم میں تصور تعلیم:

اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب عالم میں کسی نہ کسی صورت میں تصور تعلیم ضرور ملتا ہے۔ ان مذاہب کے نزدیک بھی حصول علم ایک ابدی امر تھا۔

ہندومت: ہندو اپنے بچوں کو سنسکرت کی تعلیم دیتے تھے، گو ہندو معاشرہ ذات پات کی جکڑ بندیوں میں منقسم تھا اور نچلی ذات کے لوگوں پر حصول تعلیم کے دروازے مکمل طور پر بند تھے۔اگر وہ غلطی سے وید کا کلام سن بھی لے تو سیسہ پگھلا کر اس کے کانوں میں ڈال دیا جاتا تھا۔ لیکن پھر بھی ان کی کوشش ہوتی تھی کہ کہیں نہ کہیں سے چھپ چھپا کر سنسکرت اور دیگر مذہبی تعلیم ضرور حاصل کرلی جائے (۹)۔

بدھ مت: بدھ مت میں ہر شخص کو بلا تفریق نسل وذات حصول تعلیم کی اجازت تھی۔ ہندو معاشرہ کی جکڑ بندیوں سے تنگ افراد نے راہ فرار اختیار کرکے بدھ مت کو اپنا لیا۔ بدھ مت میں نرمی اور آسانی تھی۔ معاشرتی درجہ بندی اور طبقاتی نظام نہ تھا۔ اپنے آپ کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے شودر اور کھشتریوں نے اس مذہب کو گلے لگایا۔ اس طرح گوتم بدھ کی زندگی میں بھی سادہ نظام تعلیم موجود تھا۔ جس کی خود گوتم بدھ سرپرستی کرتے اور اپنے ماننے والوں کو پند ونصائح کرتے رہے (۱۰)۔

کنفیوشس ازم: تعلیم کا تصور کنفیوشس ازم میں بھی ملتا ہے وہ اپنے ماننے والوں کو یہ تعلیم دیا کرتا تھا

کہ اپنے اپنے حقوق وفرائض خلوص سے ادا کرنا معاشرے میں بگاڑ اور فساد کو دور کرتا ہے۔ وہ اپنے پیروکاروں کو یہ بھی بتاتا کہ بنیادی انقلاب اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک ہر ایک اپنے اپنے مرتبہ ومقام کا خیال نہ رکھے (۱۱)۔

زرتشت مذہب: زرتشت مذہب میں بھی تعلیم کے آثار ملتے ہیں۔ مثلاً زرتشت اپنے ماننے والوں کو افکار کی پاکیزگی کا درس دیتا ہے زرتشت کے بقول: اگر انسان کے افکار میں پاکیزگی اور صفائی آجائے تو اعمال میں درستگی خود بخود آجاتی ہے (۱۲)۔

گویا تعلیم کا تصور ہر مذہب میں کسی نہ کسی انداز میں موجود رہا ہے۔ خواہ وہ پند ونصائح کی صورت میں، درس وتدریس ہوتی یا باقاعدہ مکتب کی صورت میں۔

۵۔ قبل از اسلام عربوں کی تعلیمی حالت:

اگرچہ عربوں میں دور جدید کی طرز پر کالجوں اور یونیورسٹیوں کا نظام نہیں تھا۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہاں تعلیم وتدریس ایک معروف عمل تھا۔ عربوں نے فن کتابت حیرہ سے سیکھا تھا۔ جفینہ العبادی ایک نصرانی عالم تھا وہ حیرہ سے مدینہ منورہ میں کتابت کی تعلیم دینے آیا تھا۔ عربی کے مشہور شاعر المرقش الاکبر کے باپ نے مرقس اور اس کے بھائی حرملہ کو اہل حیرہ کے ایک نصرانی کے سپرد کیا تھا تاکہ وہ انہیں لکھنا پڑھنا سکھائے (۱۳)۔

جزیرہ عرب جنوبی اور مغربی حصوں سے ہزاروں عربی کتبات کا انکشاف ہوا ہے۔ جو دور جاہلیت میں لکھے ہوئے ہیں۔ یہ کتبات مختلف عربی لہجوں میں ہیں۔ اکثر کتبات کی عبارتیں قرآنی لغت میں ہیں ان کی تحریریں نثر میں ہیں (۱۴)۔

کسی بھی معاشرہ کی علمی بلندی کا اندازہ اس کی لغت اور ادب سے لگایا جاتا ہے۔ عربی لغت میں ایسے بے شمار الفاظ ملتے ہیں جو تعلیمی سرگرمی کے لیے آلات کا کام دیتے تھے۔

مثلاً لفظ علم، قلم، قرطاس، دوات، مداد، لوح، صحف، کتاب اور مجلّہ وغیرہ۔ ان میں سے اکثر الفاظ تو خود قرآن مجید میں بھی موجود ہیں۔ اور یہ ناممکن ہے کہ قرآن مجید کی زبان میں وہ الفاظ آئیں جن سے

عرب نامانوس ہوں۔ یہ الفاظ یونانی، فارسی، سریانی، اور قبطی زبان کے تھے۔ عربوں نے انہیں معرب کر لیا تھا۔ قرآن پاک کی ایک سورہ کا نام ہی "القلم" ہے اس کی پہلی آیت ہے:

﴿ ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ﴾ (۱۵) (اور قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں)۔

قلم کا یہ لفظ شعراء جاہلیت کے ہاں اکثر ملتا ہے مثلاً لبید، عدی بن زید العبادی، المرقش اور اُمیہ بن ابی الصلت وغیرہ۔ ان شعراء کا تعلق مختلف ادیان سے تھا۔ اُمیہ بن ابی الصلت کہتا ہے:

" قَوْمٍ لَهُم سَاعَةَ الْعَرَاقِ اِذَا سَارُوْا جَمِيْعًا وَالْخَطُّ وَالْقَلَمْ " (۱۶)

(وہ قوم ایسی ہے جس کی وسعت عراق جیسی ہے جب وہ مل کر چلتے ہیں تو ان کے ساتھ خط اور قلم بھی چلتے ہیں)۔

جن اشیاء پر عرب کتابت کرتے تھے ان میں پتھر، لکڑی، مٹی، درختوں کے پتے، چمڑا، قراطیس، صحیفہ، بڑے بڑے دفتر، اونٹ کے شانے کی ہڈی، سفید پتھر (لخاف)، کھجور کی چھال (عسب)، سفید چمڑا (قضم) اور اسکے علاوہ درختوں کی انتہائی گہری اور دبیز چھال (کرنق) وغیرہ شامل تھے (۱۷)۔

لکھائی کے لیے "قتب" بھی استعمال ہوتا تھا۔ یہ اونٹ کی کوہان کے برابر ایک چھوٹا سا مشکیزہ ہوتا ہے یہ چمڑے کا بھی ہوتا تھا اور لکڑی کا بھی (۱۸)۔

کتابت کے لیے الواح بھی استعمال ہوتی تھیں۔ یہ الواح پتھر، لکڑی یا کسی نرم ملائم ہڈی سے بنائی جاتی تھیں۔ مثلاً قرآن پاک میں ارشاد باری ہے: ﴿ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ﴾ (۱۹) (بلکہ یہ تو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے)۔

اوراق پر بھی کتابت ہوتی تھی۔ کاغذ کے علاوہ رقیق چمڑے کو بھی ورق کہتے ہیں۔ بعض اوقات مصحف کے اوراق بھی اس رقیق چمڑے کے ہوتے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چمڑے کو یہ نام درخت کے پتوں کی مناسبت سے دیا گیا ہے کیونکہ ورق کا معنی پتا ہے۔ یہ وہ ورق ہوتے تھے جو کپاس کو چمک دے کر یا روئی کو بُن کر بنائے جاتے تھے۔ یہ بلاد شام اور

مصر سے بن کر آتے تھے (۲۰)۔

زمانہ جاہلیت میں مصحف کا لفظ بھی عام تھا اور نبی ﷺ سے قبل عربوں میں صحائف کا وجود تھا۔ مصحف اسے کہا جاتا ہے جس میں لکھے ہوئے کئی صحیفے ہوں اور جنہیں جلدوں میں محفوظ کر کے بند کر دیا گیا ہو۔

قرآن مجید کو بھی مصحف کہا گیا ہے: ﴿إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَى o صُحُفِ إِبْرَاهِيْمَ وَمُوسَى﴾ (۲۱) (یہ (قرآن کی تعلیم) پہلے صحیفوں میں بھی ہے مثلاً ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفوں میں)۔

عربی میں لکھنے کے لیے لفظ کتب استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ قبل از اسلام عربی لغت میں موجود تھا۔ قرآن مجید میں بھی یہ لفظ متعدد بار آیا ہے۔ اس سے مراد ایسا صحیفہ ہے جس میں کوئی چیز لکھی جائے (۲۲)۔

قراء کا لفظ بھی زمانہ جاہلیت کا ایک معروف لفظ ہے۔ خود لفظ ''اقرأ'' وحی کا پہلا لفظ ہے۔ اس سے قاری اور مقری بنا ہے۔ عرب لوگ اپنے خطوط کی ابتداء میں ''باسمك أللّٰهُمَّ'' لکھا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی ابتداء اُمیہ بن ابی الصلت نے کی تھی۔ بعد میں اہل مکہ نے اسے اپنی خطوط نویسی کا اصول بنالیا تھا۔ خود رسول اللہ ﷺ بھی ابتداء میں ''باسمك أللّٰهُمَّ'' لکھا کرتے تھے۔

لیکن سورۃ ہود کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے ''بسم اللہ'' لکھنا شروع کر دیا اور جب سورۂ بنی اسرائیل نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے ''الرحمن'' کا اضافہ کیا۔ اور جب سورۃ نمل نازل ہوئی تو ''الرحیم'' کا بھی اضافہ کر دیا (۲۳)۔

۶۔ تعلیم کی فضیلت واہمیت:

کہا جاتا ہے کہ جس آدمی میں علم نہیں وہ آدمی نہیں وہ جانور ہے کیونکہ علم وہ عظیم صفت ہے جو انسانوں کو شرف انسانیت بخشتا ہے اور علم ہی نے انسان کو مسجود ملائکہ بنایا۔

جب سید المرسلین ﷺ پر وحی کے نزول کا آغاز ہوا تو سب سے پہلا حکم تعلیم کے بارے میں ہوا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ o خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ o اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ (۲۴) (پڑھو (اے نبیؐ) اپنے ربّ کے نام کے ساتھ

جس نے پیدا کیا جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو، اور تمھارا ربّ بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا)۔

عرب کے حالات کے پیش نظر پہلا اعلان توحید کا بھی ہو سکتا تھا کیونکہ بت پرستی اور شرک عام تھا۔ پہلا اعلان رسالت کا بھی ہو سکتا تھا، کیونکہ خالق و مخلوق کا ٹوٹا ہوا رشتہ اللہ کے رسول ﷺ کے ذریعے ہی جُڑ سکتا تھا۔ پہلا حکم قیامت کے بارے میں بھی ہو سکتا تھا۔ کیونکہ یوم آخرت پر یقین آنے سے تمام اعمال وعقائد کو اپنانا آسان ہو جاتا ہے۔ پہلا اعلان انسانی حقوق کے بارے میں بھی ہو سکتا تھا، کیونکہ وہ پامال ہو رہے تھے۔ پہلا اعلان اعلیٰ اخلاق و اوصاف کے بارے میں بھی ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ان کے ساتھ موصوف ہونے کی صورت میں کامل انسان بن سکتا ہے۔ پہلا اعلان اللہ کی عبادت، شکر، صبر، جہاد اور ذکر اللہ کے بارے میں بھی ہو سکتا تھا۔ مگر سب سے پہلے پڑھنے کا حکم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے خود سرکار دوعالم ﷺ کو تعلیم دی اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بلند اخلاق بنایا۔

ارشاد ربّانی ہے: ﴿وَإِنَّکَ لَعَلی خُلُقٍ عَظِیْم﴾ (۲۵) (اور بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو)۔

ایک ارشاد یہ بھی ہے۔ ﴿ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَم ﴾ (۲۶) (انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا)۔

قرآن پاک نہ صرف تعلیم و تعلّم کی دعوت دیتا ہے بلکہ وہ طالب علم کے جذبے کو اُبھارتا ہے، آیات الٰہیہ میں تدبر و تفکر کی دعوت دیتا ہے اور علم حاصل کرنا ہر معاشرے کے چند لوگوں کے لیے ضروری قرار دیتا ہے۔

قرآن مجید نے علم کی اسی ضرورت اور اہمیت کو کہیں لیتفقهوا في الدين اور کہیں معلم اور متعلّم کے مناقب وفضائل بیان کرکے واضح کیا ہے۔

﴿ فَلَوْلاَ نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنهُمْ طَآئِفَة لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُواْ قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُواْ إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُون﴾ (۲۷) (مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصّہ میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبر دار کرتے تاکہ وہ (غیر مسلمانہ روش سے) پرہیز کرتے)۔

قرآن مجید میں ہے جو لوگ علم نہیں جانتے وہ صاحبان علم سے سوال کریں۔ ارشاد ہے: ﴿ فَاسْأَلُوا أهلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لاَ تَعْلَمُون﴾(۲۸) (اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے)۔

اہل علم کے درجات کی بلندی کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِيْنَ لاَ يَعْلَمُون﴾(۲۹) (ان سے پوچھو کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے کبھی یکساں ہو سکتے ہیں؟)۔

خشیت الٰہی کا مرکز بھی اہل علم کے دلوں کو قرار دیا ہے فرمایا:﴿إِنَّمَا يَخْشَى الله مِنْ عِبَادِه الْعُلَمَاء إِنَّ الله عَزِيْزٌ غَفُور﴾ (۳۰) (حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں۔ بے شک اللہ زبردست اور درگزر فرمانے والا ہے)۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے متعدد اقوالات سے علم کی ضرورت و اہمت اور معلم و متعلّم کے آداب ظاہر ہوتے ہیں اس ضرورت اہمیت کی وجہ سے صحاح ستہ کے مؤلفین نے علم کے حوالے سے علیحدہ باب بنایا ہے اور علم کی ضرورت اور اہمیت پر احادیث درج کی ہیں۔

((من خرج فی طلب العلم فهو فی سبيل الله حتی يرجع))(۳۱)

(جو شخص علم کی طلب میں گھر سے نکلا ہو واپس آنے تک اللہ کی راہ میں نکلا ہوا شمار ہوگا)۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ((تدارس العلم ساعة من الليل خير من إحياءها))(۳۲)

(رات کی ایک گھڑی میں علم کا باہم تکرار و تدارس پوری رات عبادت میں گزارنے سے بہتر ہے)۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:((فضل هذا العالم الذی يصلی المكتوبة ثم يجلس فيعلم الناس الخير على العابد الذی يصوم النهار ويقوم الليل كفضلی على أدناكم رجلاً))(۳۳)

(اس عالم کی فضیلت جو فرائض کے ادا کرنے کے بعد لوگوں کو خیر کی تعلیم دے اس عابد پر جو دن کو روزہ رکھے اور رات کو عبادت میں گزارے اتنی ہے جیسا کہ میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ پر)۔

رسول اکرم ﷺ علم کی قدر و قیمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ((من یرد الله به خیراً یفقه فی الدین)) (۳۴) (اللہ جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دینی بصیرت عطا کرتے ہیں)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "فقیه واحدٌ أشد علی الشیطان من ألف عابد" (۳۵) (ایک فقیہ شیطان کے مقابلے میں ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے)۔

نیز ((طلب العلم فریضة علی کل مسلم)) (۳۶) (حصول علم ہر مسلمان پر واجب ہے)۔

حدیث نبوی ہے ((لا حسد إلا فی اثنتین رجل أتاه الله مالا فسلّطه علی هلکته فی الحق ورجل أتاه الله حکمة فهو یقضی بهما ویعلمها)) (۳۷) (دو چیزوں کے سوا کسی پر حسد جائز نہیں وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا اور اسے حق کی راہ میں صرف کرنے پر لگا دیا، دوسرا وہ جسے حکمت عطا فرمائی وہ اس سے فیصلے کرتا ہے اور اسے سکھاتا ہے)۔

۷۔ رسول اللہ ﷺ بحیثیت معلم:

معلم انسان کی تہذیب و تربیت کرنے والے کو کہا جاتا ہے، قرآن کریم نے بحیثیت معلم رسول اللہ ﷺ کے فرائض یوں بیان کیے ہیں: ﴿ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ (۳۸) (ان کی زندگی سنوارتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے)۔

قرآن مجید کی رو سے محمد ﷺ کا سب سے بڑا منصب خدا کی تعلیمات کو کھول کھول کر لوگوں تک پہنچانا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ ﴾ (۳۹) (اور اب یہ ذکر تم پر نازل کیا تاکہ تم لوگوں کے سامنے اس کی تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو ان کے لیے اُتاری گئی ہے)۔

اس فریضہ کو سرانجام دینے والے خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ ہیں اور وہ اپنے متعلق فرماتے ہیں:

((إنما بعثت معلما)) (۴۰) (مجھے تو سکھانے والا ہی بنا کر بھیجا گیا ہے)۔

لہٰذا یہ بات قرآن مجید اور ارشادات رسول ﷺ سے ثابت ہے کہ معلم، انسان کی مکمل تربیت کرنے والے کو کہا جاتا ہے۔

۸۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمی پالیسی:

رسول اللہ ﷺ نے جس انداز سے اُمت کو تعلیم دی ہے اور جس قدر مختصر مدت میں دی ہے اس کی کوئی مثال پیش نہیں کرسکتا۔

رسول اکرم ﷺ کے اقوال اور اعمال و کردار سے اس وقت کے معاشرے میں انقلاب آیا اور آپ ﷺ نے اس معاشرے کو انسانیت کی اعلیٰ معراج تک پہنچا دیا۔

آنحضرت ﷺ کی تعلیمی پالیسی کا اصل آغاز ہجرت مدینہ کے بعد ہوتا ہے۔ کیونکہ مکہ مکرمہ میں استحکام نہ تھا آپ ﷺ نے مدینہ میں دس برس گزارے۔ اس قلیل مدت میں آپ ﷺ نے اس ریاست کو ہر پہلو سے مکمل کرنے کی انتھک کوششیں کی: دن کا چین اور رات کا آرام آپ ﷺ نے اس ریاست کو مستحکم کرنے میں صرف کر دیا۔

آپ کی چشم بصیرت دیکھ رہی تھی کہ جب تک معاشرہ سیاسی لحاظ سے مستحکم نہ ہو گا اور بیرونی حملوں سے محفوظ و مامون نہ ہو گا یہاں علمی ترقی نہیں ہو گی۔ فنون لطیفہ کو فروغ حاصل نہ ہو گا۔ چنانچہ معاشرے کو اندرونی خلفشار اور معاشی ابتری سے بچانے کی خاطر آپ نے فوری طور پر تین اہم قدم اٹھائے۔

میثاقِ مدینہ: اس کی رُو سے مدینہ کے تمام گروہ مع قبائل یہود یکجا ہو گئے۔ تنازعہ کی صورت میں آپ ﷺ کا فیصلہ حتمی ہوتا۔

مؤاخات: اس اقدام کے تحت ایک مہاجر ایک انصاری مسلمان کا بھائی بنا دیا گیا جو اس کی معاشی کفالت کا ذمہ دار تھا۔

مسجد: مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک مرکز کا قیام ضروری تھا جس کے لیے ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ اس مسجد کے ساتھ مسلمان طلبہ کی رہائش کے لیے علیحدہ جگہ مخصوص کر دی گئی جسے صفہ کہا جاتا ہے۔

ا۔ابتدائی لازمی تعلیم: بچے ہر ریاست کے لیے تخلیقی اور پیداواری قوت ہوتے ہیں۔ ہر ریاست کا اوّلین فریضہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے تمام نو نہالوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرے۔ دورِ نبوی میں تعلیم بغیر کسی تعصب اور تفریق کے عام کی جاتی تھی۔ آپ ﷺ نے ابتدائی تعلیم میں بچوں کے لیے تعلیم کو لازمی قرار دیا۔

علامہ جلال الدین سیوطی ﴿ وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم ﴾ کی تفسیر کچھ اس انداز میں کرتے ہیں۔

((**حق الوالد علی الوالد أن یعلمه الکتابة والسباحة والرمی**)) (۴۱) (اولاد کے حقوق میں یہ شامل ہے کہ باپ اپنے بچے کو جہاں تیرنا اور تیر چلانا سکھائے وہاں اسے لکھنا پڑھنا بھی سکھائے)۔

امام جصاص نے سورۃ التحریم آیت نمبر ۶ ﴿ **یا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَکُمْ وَأَهْلِیْکُمْ نَاراً** ﴾ (اے ایمان والو! تم اپنے آپ اور اپنے خاندان کو دوزخ سے بچاؤ) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے یہ آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ ہم اپنی اولاد اور خاندان کو دین و خیر خواہی کی ہر قسم کی تعلیم دیں جس طرح نبی پاک ﷺ کو حکم دیا گیا ہے (۴۲)۔

علامہ طرطوشی اپنی مشہور کتاب "سراج الملوک" میں فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام شیوخ اور نوجوانوں سب کو سلام کرتے اور سبھی سے قرآن وسنت کا علم حاصل کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ علم کے سمندر اور فقہ و حکمت کے پہاڑ ثابت ہوئے۔ اگر بچپن میں علم حاصل کیا جائے تو وہ دماغ میں ایک طویل عرصہ تک راسخ رہتا ہے اس عمر میں علم کی فروعات جلد ازبر ہو جاتی ہیں (۴۳)۔

انسان کی حیات بہت مختصر ہے بچپن شباب اور بڑھاپا ان سب مراحل کے فرائض مختلف ہیں۔ تعلیم حاصل کرنے کا بہترین وقت ملازمت یا شادی سے قبل کا ہے۔امام بخاری حضرت عمرؓ کا قول نقل کرتے ہیں: "تعلموا قبل ان تتزوجوا" (۴۴) (شادی سے پہلے علم حاصل کرو)۔

۲۔ تعلیم بالغاں: ایسے افراد جو کسی معاشی مجبوری یا کسی دوسری وجہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے سے محروم رہ گئے ہوں اور ان کی عمر زیادہ ہو گئی ہو ان کی تعلیم میں مدد دینا تعلیم بالغاں کہلاتا ہے۔

حضرت محمد ﷺ نے مدینہ میں آ کر فوری طور پر تعلیم بالغاں کی ابتدا کی تا کہ کوئی علم کی نعمت سے محروم نہ رہ جائے۔ بعض شیوخ کا خیال ہے کہ بڑی عمر میں تعلیم حاصل کرنا چھوٹی عمر کی نسبت زیادہ استحکام اور پختگی کا باعث ہوتا ہے کیونکہ بڑی عمر میں دل و دماغ یکسو ہوتے ہیں۔ اکثر صحابہ کرام نے اس وقت تعلیم حاصل کی جب وہ ادھیڑ عمر کو پہنچ چکے تھے اور آخری عمر میں ہی وہ علم کے سمندر ثابت ہوئے۔ صحابہ کرام آپ ﷺ سے دس آیات سنتے تھے تو جب تک ان آیات کا علم اور احکامات سیکھ کر عمل نہ کر لیتے تھے حضور ﷺ انہیں آگے سبق نہیں دیتے تھے۔

حضرت عباس فرماتے ہیں ((**ما بعث الله نبيا إلا وهو شاب ولا أوتي عالم علما إلا وهو شاب**)) (۴۵) (اللہ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا مگر جب وہ جوان تھا اور کسی عالم کو علم نہیں دیا مگر جب وہ جوان ہوا)۔

۳۔ تعلیم نسواں: حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے جس طرح بچوں اور بالغوں کی تعلیم پر زور دیا اس طرح عورتوں کی تعلیم پر بھی زور دیا۔ اسلام سے قبل عورتوں کے حقوق متعین نہ تھے۔ اسلام نے عورتوں کو دیگر حقوق کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے کا بھی حق دیا۔

اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے((**من كانت له ثلاث بناتٍ او ثلاث اخواتٍ او ابنتان او اختان فأحسن صحبتهنّ واتّقى الله فيهنّ فله الجنة**))(۴۶) (جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں یا تین بہنیں ہوں یا دو بیٹیاں ہوں یا دو بہنیں ہوں اور اس نے ان کی بہترین تعلیم و تربیت کی اور ان کے مستقبل کے بارے میں خدا سے ڈرتا رہا تو اس کے لیے جنت ہے)۔

یہ حکم آزاد عورت کے لیے ہے۔ اسلام میں غلاموں اور لونڈیوں کو بھی تعلیم حاصل کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے((**ثلاثة لهم أجران: رجل من أهل الكتاب آمن بنبيّه وآمن بمحمّد ﷺ والعبدُ المملوك إذا أدّى حقّ الله وحقّ مواليه ورجل كانت عنده أَمة يطأها فادّبها فأحسن تاديبها، وعلّمها فأحسن تعليمها، ثمّ أعتقها فتزوّجها، فله أجران**))(۴۷) (تین شخص ہیں جن کے لیے دوگنا اجر ہے۔ ایک وہ جو اہل کتاب سے ہو اور اپنے نبی پر اور محمدؐ پر ایمان لائے اور (دوسرے) وہ غلام جو اپنے آقا اور اللہ (دونوں) کا حق ادا کرے اور (تیسرے) وہ آدمی جس کے

پاس لونڈی ہو جس سے شب باشی کرتا ہو اور اسے تربیت دے تو اچھی تربیت دے، تعلیم دے تو عمدہ تعلیم دے، پھر اسے آزاد کرکے اس سے نکاح کرلے تو اس کے لیے دوگنا اجر ہے)۔

رسول اکرم ﷺ نے تعلیم کے سلسلے میں مرد و زن کو یکساں اہمیت دی آپ ﷺ نہ صرف مردوں کو تعلیم دیا کرتے تھے بلکہ عورتوں کے لیے بھی ایک دن مخصوص کیا جس میں انہیں تعلیم دی جاتی تھی ((قالت النّساء للنّبي ﷺ غلبنا عليك الرّجال، فاجعل لنا يوماً من نفسك فوعدهنّ يوماً لقيهنّ فيه فوعظهنّ وامرهنّ)) (۴۸) (عورتوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ مرد اجر کے لحاظ سے ہم سے آگے بڑھ گئے ہیں، اس لیے آپ اپنی طرف سے ہماری تعلیم کے لیے کوئی دن خاص فرمادیں تو آپ نے ان سے ایک دن کا وعدہ فرمالیا۔ اس دن آپ نے عورتوں سے ملاقات کی اور انہیں وعظ فرمایا اور (مناسب) احکام سنائے)۔

اس بحث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کی تعلیم کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ہفتے میں ایک دن مخصوص فرمایا تھا جس میں عورتوں کو نصیحت کرتے تھے۔ البتہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ علم کا حصول اگر مرد سے ہو تو مکمل پردے میں ہو۔

۴۔ **تعلیم میں اجارہ داری کا خاتمہ:** اسلام وہ پہلا مذہب ہے جس نے حصول علم کو ہر انسان کا حق قرار دیا اور اس سلسلے میں کسی قوم یا جماعت کے قبضے اور اجارہ داری کو ناجائز قرار دیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا دنیائے انسانیت پر بڑا احسان ہے کہ آپ نے علم کو پانی، ہوا اور روشنی کی طرح عام کردیا ورنہ اس سے پہلے علم و تعلم پر راہبوں، پنڈتوں، جادوگروں اور کاہنوں کی اجارہ داری تھی۔

ایک بار رسول ﷺ کی مجلس میں غریب اور نادار صحابہ کرام تشریف فرما تھے کہ چند مالدار کافر آئے اور کہا ہم آپؐ کی مجلس میں بیٹھتے ہیں مگر اس شرط پر کہ ان غریب افراد کو اپنے سے دور کریں۔ رسول اکرم ﷺ وحی الٰہی کا انتظار کرنے لگے۔ وحی نازل ہوئی:

﴿ وَلاَ تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاة وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُونَ وَجهُ ﴾(۴۹) (جو لوگ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے اسے پکارتے ہیں ان کو اپنے سے دور مت کیجئے)۔

رسول اکرم ﷺ نے علم کو عام کرنے کے لیے فرمایا: ((**تعلموا العلم علموه الناس، تعلموا الفرائض وعلموه الناس، تعلموا القرآن وعلموه الناس**)) (۵۰)(علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ اور فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ)۔

نیز ارشاد فرمایا ((**الکلمة الحکمة ضالة المؤمن فحیث وجدها فهو أحق بها**)) (۵۱)(حکمت تو مومن کی گمشدہ میراث ہے وہ اسے جہاں پائے وہ اس کا زیادہ حق دار ہے)۔

اسلام نے جہاں یہ حکم دیا کہ کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی کوئی فضیلت نہیں وہاں اقراء، لیتفقهوا، تفکروا اور تدبروا کے حکم کو عام کر دیا اقراء اور تفکروا کے ساتھ کسی جماعت کسی عربی یا عجمی کو مخصوص نہیں کیا اس بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دین اور اسکی تعلیم عام ہے۔

۵۔ حصول علم میں مسلم اور غیر مسلم میں عدم تفریق: تعلیم کے معاملہ میں حضور ﷺ کی پالیسی غیر متعصبانہ تھی آپ اپنی قوم و ملت کے ہر آدمی کے لیے تعلیم عام کرنے کا پختہ عزم رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے نہ صرف علم کو حاصل کرنے کی ترغیب دی بلکہ ایسے انتظامات کیے جن کے باعث علم کا حصول آسان تر ہو جائے۔ آپ ﷺ نے علم حاصل کرنے اور تعلیم دینے میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق روانہ رکھا۔ بعض مسلمانوں نے غیر مسلموں سے بھی علم حاصل کیا۔

جنگ بدر میں بہت سے کافر قیدی ہوئے جو فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے۔ ان قیدیوں میں سے جن کو لکھنا پڑھنا آتا تھا، رسول ﷺ نے ان سے مالی فدیہ طلب کرنے کے بجائے، یہ فرمایا کہ ان میں سے ہر شخص دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے اور آزاد ہو جائے۔ انہیں بچوں میں حضرت زیدؓ بن ثابت بھی شامل تھے۔ انہیں عبداللہ بن سعید بن العاص نے لکھنا پڑھنا سکھایا تھا(۵۲)۔

ایک عیسائی لوہار بلعام نامی تھا۔ حضور ﷺ اسے پڑھایا کرتے تھے۔ اس کی زبان عجمی تھی مشرکین مکہ آپؐ کو طعنہ دیتے تھے کہ محمدؐ بلعام سے سیکھ کر آتا ہے(۵۳)۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ **وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُه بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِىْ يُلْحِدُونَ إِلَيْه أَعْجَمِيٌ وَهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْن** ﴾(۵۴)(بے شک ہم جانتے ہیں مشرک کہتے ہیں کہ محمد کو کوئی

آدمی سکھاتا ہے حالانکہ جس زبان کی طرف یہ اشارہ کر رہے ہیں وہ عجمی ہے اور یہ زبان عربی ہے جس میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے)۔

صحابہ کرامؓ بھی رسول ﷺ کی پیروی میں حصول علم کے لیے ہمہ وقت مشغول ہوگئے۔ عبادہ بن الصامت فرماتے ہیں ”میں اور میرا باپ علم کی تلاش میں انصار کے قبائل کی طرف نکلے۔ پہلا شخص جس سے ہماری ملاقات ہوئی وہ ابوالیسر تھا(۵۵)۔

۹۔ عہد رسالت کا تعلیمی نصاب:

ا۔ نصاب کا مفہوم:

نصاب عربی زبان کے لفظ منہاج کے مترادف ہے۔ کسی منزل تک پہنچنے کا راستہ، ذریعہ اور طریقہ۔ گویا حصول علم کے لیے جو راستہ اور طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، نصاب کہلاتا ہے۔

۲۔ نظریۂ نصاب:

نصاب، تعلیمی نظام کا ایک اہم عنصر ہے اور طالب علم کے ذہنی اور عملی رویے کی تشکیل میں بہت ہی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ نصاب کسی بھی تعلیم نظام کا عکس ہوتا ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ اس نظام کو تشکیل دینے والے اور اسے نفاذ کرنے والے اس سے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ نصاب ایک ایسا جامع تعلیمی منصوبہ یا پروگرام ہوتا ہے۔ جس کی روشنی میں اساتذہ، طلبہ کو تعلیم دیتے ہیں۔

عہد رسالت ﷺ میں نصاب کی دو صورتیں تھیں: ا۔بنیادی نصاب ۲۔ ہم نصابی سرگرمیاں

ا: بنیادی نصاب: بنیادی نصاب میں مندرجہ ذیل مضامین بنیادی حیثیت رکھتے تھے یہ ایک نظریاتی نصاب تھا جس کا لکھنا، پڑھنا، حفظ کرنا اور امتحان دینا ضروری تھا۔

ا۔ قرآن مجید۔	۲۔ حدیث نبوی
۳۔ فقہ	۴۔ تاریخ وانساب
۵۔ علم الحساب وعلم الفرائض	۶۔ علم طب

۷۔ علم الافلاک ۸۔ لغت العرب

۹۔ عصری زبانوں کا سیکھنا

ا۔قرآن مجید: یہ اسلامی تعلیم کا سب سے اہم مضمون تھا۔ابتدا سے ہی اس کی تعلیم شروع ہو جاتی تھی جن صحابہ کرام کے پاس قرآن لکھا ہوا موجود تھا ان میں سے چند کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

ا۔ حضرت عمر بن الخطابؓ ۲۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب

۳۔ حضرت ابی بن کعبؓ ۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

۵۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ۶۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ

۷۔ حضرت عائشہ بنت ابو بکرؓ ۸۔ حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ

۹۔ حضرت اِم سلمہؓ ۱۰۔ حضرت عثمانؓ (۵۶)۔

۲۔حدیث نبوی: اسلامی نصاب کا دوسرا لازمی مضمون حدیث تھا۔رسول اللہ نے احادیث کو یاد رکھنے اور نشر کرنے کی ترغیب دی عہدِ رسالت میں قرآن کے ساتھ ساتھ احادیث کو قلم بند کرنے کا اہتمام بھی تھا۔پروفیسر مصطفیٰ اعظمی کی تحقیق کے مطابق ۵۲ صحابہ کرامث کے پاس احادیث کے مجموعے تھے۔ جن میں سے چند کے نام قابل ہیں: ابو بکر صدیقؓ، ابو سعید خدریؓ، ابو موسیٰ الاشعریؓ، ابوہریرہ، ابی بن کعبؓ، اسماء بنت عمیسؓ، انس بن مالکؓ، ام المومنین عائشہؓ، عبداللہ بن عباسؓ، علی بن ابی طالبؓ، زید بن ثابت الانصاریؓ وغیرہ۔

صحابہ کرام شوق سے احادیث کو یاد کرتے تھے اور آنحضرت کی عدم موجودگی میں دہراتے تھے۔رسول اللہ نے ان کو یاد رکھنے اور پھیلانے کی ترغیب دی۔

((نضر الله امرء سمع منا شيئًا فبلغه كما سمعه فرب مبلغ أوعى من سامع)) (۵۷) (اللہ اس شخص کو سرسبز وشاداب رکھے جس نے مجھ سے کچھ سنا اور اسے آگے پہنچادیا جیسا اس نے سنا تھا بعض اوقات جسے یہ پیغام پہنچایا جائے گا وہ آج سننے والوں سے زیادہ عقل مند ہوگا)۔

۳۔ **فقہ** : تیسرا اہم مضمون فقہ تھا۔ صحابہ کرام اپنے جدید مسائل کے استنباط کے لیے حدیث کی طرف ہی رجوع کرتے تھے۔ اس کے بعد اپنی رائے سے اجتہاد کرتے تھے۔

خود حضرت علیؓ نے فقہ پر کتاب لکھی۔ ابو جھینہ نے ایک بار حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ کے پاس کوئی کتاب ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: "نہیں۔ ہاں اللہ کی کتاب ہے۔ یا وہ "فہم" جو ایک مسلم شخص کو خدا عطا کرتا ہے یا جو کچھ اس صحیفہ میں ہے"۔ ابو جھینہ نے پوچھا اس میں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس میں عقل مندی اور دانائی کی باتیں ہیں اور قیدیوں کی رہائی کے بارے میں اور یہ کہ کسی کافر کے بدلے مسلمان قتل نہیں کیا جائے گا۔ مدینہ حرمت والا ہے جو شخص اللہ کے نام کے علاوہ کسی اور کے لیے جانور ذبح کرے گا خدا کی اس پر لعنت ہو گی۔ تمام مومنین کا خون برابر ہے۔ مومنین کا چھوٹے سے چھوٹا فرد بھی ان کا ذمہ لے سکتا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں۔ اس صحیفہ میں فرائض و صدقات بھی تھے (۵۸)۔ حضرت علیص نے جس فہم کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے مراد فقہ ہے۔

۴۔ **تاریخ و انساب**: ایک اور اہم مضمون علم تاریخ تھا۔ خود قرآن پاک اقوام سابقہ کی ایک مستند ترین تاریخی دستاویز ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ **ذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللّٰهِ** ﴾(۵۹) (اے نبیؐ! لوگوں کو ایام اللہ یاد دلائیں)۔

علم الانساب زمانہ جاہلیت میں بھی ایک معروف علم تھا۔ اس کی افادیت کے پیش نظر نبی اکرم ﷺ نے اسے برقرار رکھا۔ علم انساب کسی گروہی یا انفرادی تفاخر و غرور یا کمزور قبائل پر تغلب کے لیے نہیں تھا۔ بلکہ یہ محض جان پہچان کے لیے تھا اور صلہ رحمی، قتل، دیت اور میراث جیسے مسائل کے لیے تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ **وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا** ﴾(۶۰) (اور ہم نے تم کو مختلف گروہ اور قبائل میں تقسیم کیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو)۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ((**تعلّموا من أنسابكم ما تصلون به أرحامكم**))(۶۱) (تم اپنے انساب کا علم حاصل کرو کیونکہ اس سے صلہ رحمی بہتر طور پر کر سکو گے)۔ صحابہ کرامث میں حضرت ابوبکر صدیق ص اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا ان سب کی ماہر تھیں یہ مسلمانوں کا امتیاز ہے۔

۵۔علم الحساب وعلم الفرائض: اگرچہ یہ دو علیحدہ علیحدہ فن ہیں لیکن چونکہ فرائض میں بھی علم حساب کا استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم نے دونوں کو یکجا کر دیا ہے۔ یہ علم فرض کفایہ ہے۔ گویا اہل علم پر اس علم کا حاصل کرنا لازمی ہے: اس بارے میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ((**تعلّموا الفرائض وعلّموها فانه نصف العلم وهو ينسى وهو أوّل علم ينزع من أمّتى**))(۶۲)(تم فرائض کی تعلیم حاصل کرو اور اسے سکھاؤ کیونکہ یہ نصف دین ہے۔ یہ بھلا دیا جائے گا میری امت سے سب سے پہلے یہی علم کھینچ لیا جائے گا)۔

دوسری حدیث میں ہے((**تعلّموا الفرائض فإنَّها من دينكم**))(۶۳)(تم فرائض کا علم حاصل کرو کیونکہ یہ تمہارے دین کا حصّہ ہے)۔

علم الحساب کو حضور ﷺ کتنا اہم سمجھتے تھے۔ اس کا اندازہ اس دعا سے لگایا جا سکتا ہے جو آپ ﷺ نے حضرت معاویہ ص کے لیے کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا((**اللهم علّم معاوية الكتاب والحساب وقه العذاب**))(۶۴)(اے اللہ! معاویہ کو لکھنا اور حساب کرنا سکھا اور اسے عذاب سے بچا)۔

۶۔ علم طب :جب ہم نصاب تعلیم میں علم طب کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارے ذہن میں نبی پاک کا عہدِ مبارک، حالات اور پس منظر ہوتا ہے۔ ہر دور کی سائنس اپنے عہد تک محدود ہوتی ہے۔ عرب معاشرہ ایک سادہ معاشرہ تھا۔ ان کی غذائیں نہایت سادہ تھیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ وہاں بیماریوں کا وجود نہ ہونے کے برابر تھا۔ البتہ گرم علاقوں کی جو ہلکی پھلکی غذائیں یا بیماریاں ہوتی ہیں وہ عرب میں موجود تھیں۔ حضرت محمد ﷺ سے صحت، غذا اور بیماری کے بارے میں جو ارشادات منقول ہیں وہ اسی عہد تک محدود ہیں۔

آپ ﷺ کے متعلق یہ حدیث ہے((**لم يجمع ﷺ بين سمك ولبن ولا بين لبن وشيء من الحوامض ولا بين غذائين حارّين ولا باردين لزجين ولا بين قابضين ولا قابض ومسهلٍ**))(۶۵)(نبی اکرمؐ نے مچھلی اور دودھ کو کبھی یکجا کرکے نہیں کھایا۔ نہ کبھی دودھ اور ترش خوراک کو یکجا استعمال کیا اور نہ کبھی دو گرم غذاؤں کو ملا کر کھایا اور نہ دو ٹھنڈے مزاج والی غذاؤں کو استعمال کیا۔ دو قبض کرنے والی یا ایک قبض اور دوسری مسہل غذا کو کبھی یکجا نہیں کیا)۔

ایک شخص کو پیٹ کی بیماری لاحق ہوئی۔ نبی پاک ﷺ نے اسے شہد استعمال کرنے کا حکم دیا۔ جب اس کی تکلیف دور نہ ہوئی تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ((صدق الله وکذب بطنك))(٦٦) (اللہ نے شہد کو شفاء سچ کہا ہے۔ تمہارا پیٹ غلط بتارہا ہے)۔

۷۔ **علم الافلاک:** یہ سائنسی علم تھا۔ اس علم کا تعلق رمل، جفر، یا قسمت کے بنانے یا بگاڑنے سے نہیں ہے بلکہ اپنے ماہ و سال کا حساب کتاب رکھنے کے لیے اس علم کا حصول انتہائی ضروری ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے: ﴿ **هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِياء وَالْقَمَرَ نُوراً وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُواْ عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ** ﴾(٦٧) (وہی ذات ہے جس نے سورج کو روشنی اور چاند کو نور بنایا اور پھر ان کی منازل مقرر کیں تاکہ تم لوگ اپنے ماہ و سال کو جان سکو اور زندگی کے مسائل کا حساب لگا سکو)۔

۸۔ **لغت العرب:** تاریخی حقائق نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جو قوم اپنی زبان کو ترک کر دیتی ہے یا اسے نظر استہزاء سے دیکھتی ہے وہ قوم یا تو غلام ہوتی ہے یا غلام رہ چکی ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ ایک آزاد اور خود مختار حکومت کے سربراہ تھے۔ آپ نے اپنا تعلیمی نظام اور اس کی پالیسی کو عربی زبان میں پھیلایا کیونکہ یہ عربوں کی مادری زبان تھی اس کے علاوہ عربی لغت میں خدا تعالیٰ نے چند ایسی خوبیاں رکھی ہیں جو دنیا کی کسی اور زبان میں نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن، حدیث، فقہ اور دوسرے تمام مضامین کی تعلیم عربی زبان میں ہی دی اور انہیں عربی زبان میں مدون کرایا۔

۹۔ **عصری زبانوں کا سیکھنا:** عربی زبان کو علمی یا نصابی زبان اختیار کرنا ایک قومی ضرورت تھی۔ آپ ﷺ علمی تعصب سے بہت بالا تھے۔ آپ ﷺ نے خود صحابہ کرامؓ کو غیر ملکی زبانیں سیکھنے کی ترغیب دی۔ حضرت زید بن ثابت کو آپ ﷺ نے عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا(٦٨)۔

صحابہ کرام میں سلمان فارسیؓ، کعب الاحبارؓ، ابو ہریرہؓ اور وہب بن منبہؒ اور حضرت زید بن ثابتؓ عربی کے ساتھ ساتھ عبرانی زبان کے بھی ماہر تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیمی پالیسی کے نصاب کی نشر و اشاعت اپنی قومی اور مادری زبان میں کی۔ آپ کی پالیسی ہر قسم کے مذہبی، گروہی اور لسانی تعصّبات سے پاک تھی۔ آپ ﷺ کے نزدیک علم اگر کسی غیر مسلم سے بھی حاصل کرنا پڑے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے((الکلمة الحکمة ضالة المؤمن فحیث وجدها فهو أحق بها))(٦٩)

(حکمت تو مومن کی گمشدہ میراث ہے وہ اسے جہاں پائے وہ اس کا زیادہ حق دار ہے)۔

2۔ ہم نصابی سرگرمیاں:

ایک مکمل انسان بننے کے لیے نظریہ یا علم کے علاوہ کچھ اور چیزوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلام جہاں انسان کی روحانی زندگی کے لیے ایک لائحہ عمل مرتب کرتا ہے وہاں اس کی جسمانی زندگی یا معاشرتی زندگی کے لیے بھی راہ ہموار کرتا ہے تاکہ ایک مسلمان جسمانی اور روحانی دونوں پہلوؤں سے ایک مکمل شخصیت کا روپ دھار سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے طالب علموں کا تزکیہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی جسمانی اور معاشرتی دلچسپی کا بھی خیال رکھا اور نظریاتی نصاب کے ساتھ غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی حصّہ لینے کے لیے اپنے صحابہ کو ترغیب دی۔

ا۔ شکار: شکار عربوں کی قدیم روایت تھی۔ حضرت حمزہ عہد جاہلیت میں سب سے مشہور شکاری تھے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿ أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُه مَتَاعاً لَّكُمْ وَلِلسيَّارَة ﴾(٧٠) (تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کی کھانے کی اشیاء حلال قرار دی گئی ہیں یہ تمہارے لیے اور مسافروں کے لیے سامان حیات ہے)۔

صحابہ کرام شکار مختلف طریقوں سے کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے شکار کے متعلق کئی ہدایات دی ہیں۔

(الف) سدھائے ہوئے کتوں سے شکار: حضرت عدی بن حاتم نے رسول اللہ ﷺ سے سدھائے ہوئے کتوں سے شکار کرنے کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((إذا أرسلت کلابك المعلمة وذکرت اسم الله علیها فکل ما أمسکن علیك وان قتلن إلا ان یاکل الکلب، فان اکل الکلب فلا تاکلفانی اخاف ان یکون انما امسك علی نفسه وان خلطها کلاب اخر فلا تأکل)) (٧١) (جب تم سدھائے ہوئے کتوں کو چھوڑو تو خدا کا نام لے کر چھوڑو۔ اگر کتا تمہارے

لیے شکار پکڑے رکھے تو تم اسے کھالو۔ اگر کتا شکار کو کھالے تو اسے مت کھاؤ کیونکہ ہو سکتا ہے اس نے شکار اپنے لیے پکڑا ہو۔ اگر اس شکار میں کوئی دوسرا کتا بھی شریک ہو جائے تو اسے بھی مت کھاؤ)۔

(ب) باز سے شکار: سدھائے ہوئے باز سے بھی صحابہ شکار کرتے تھے۔ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے باز سے شکار کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: " فکل مما أمسك عليك "(۷۲) (جو تیرے لیے پکڑے رکھے اسے کھالو)۔

(ج) تیر سے شکار: صحابہ کرام تیر سے بھی شکار کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے عدی بن حاتم سے فرمایا: ((**اذا رمیت بسهمك فاذكر اسم الله فانّ وجدته قد قتل فكل الاّ ان تجده قد وقع فی ماء فلا تاكل فانّك لا تدری الماء قتله او سهمك**)) (۷۳)(جب تم اپنا تیر پھینکو تو اس پر اللہ کا نام لیا کرو۔ اگر تم دیکھو کہ تیر کی وجہ سے شکار مر گیا ہے تو اسے کھالو۔ البتہ اگر وہ پانی میں گر جائے تو مت کھاؤ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ وہ پانی کی وجہ سے مرا ہے یا تمہارے تیر کی وجہ سے)۔

(د) معراض سے شکار: صحابہ کرام "معراض" سے بھی شکار کرتے تھے۔ معراض ایسی لکڑی ہوتی تھی جس کا آخری سرا بہت تیز ہوتا تھا یا اس کے آخری سرے پر تیز دھار لوہا لگا ہوا تھا۔ حضرت عدی فرماتے ہیں "میں نے رسول اللہ ﷺ سے معراض کے بارے میں پوچھا" تو انھوں نے فرمایا:

((**اذا اصاب بحده فكل واذا اصاب بِعرضه فقتل فانه وقيذ فلا تأكل**)) (۷۴) (جب تیرا معراض شکار کو سیدھا اپنی نوک سے لگے تو شکار کو کھالے اور جب وہ اپنے عرض یا چوڑائی سے لگے اور مر جائے تو اسے نہ کھا)۔

۲۔ تیراندازی: ہم نصابی سرگرمیوں میں دوسرا اہم مشغلہ تیراندازی تھا۔ یہ بھی عربوں کا قدیم ثقافتی ورثہ تھا۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ جہاد میں ہوتا تھا۔ یہ مشغلہ کے علاوہ فریضہ جہاد کے لیے ہمہ وقت تیاری تھا۔

ارشاد ربانی ہے ﴿ **وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ** ﴾ (۷۵)(تم دشمن کے خلاف حسب استطاعت اپنی طاقت تیار رکھو)۔

ابن حجر اس کی تشریح میں فرماتے ہیں "یہاں قوۃ سے مراد تیر اندازی ہے۔ عقبہ بن عامر فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر یہ آیت تلاوت کی اور تین بار فرمایا: "قوۃ" سے مراد تیر اندازی ہے۔

ایک اور روایت میں صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں: **((کنّا نصلّی مع رسول الله ﷺ المغرب ثمّ ترجع فنترامی حتی ناتی دیارنا فما یخفی علینا مواقع سهامنا))** (۷٦) (ہم رسولؐ کے ساتھ نماز مغرب پڑھتے تھے پھر واپس جاتے وقت تیر اندازی کی مشق کرتے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ ہم اپنے اپنے گھروں میں پہنچ جاتے تھے۔ اتنے اندھیرے میں بھی ہمارے تیروں کا نشانہ صحیح بیٹھتا تھا)۔

صحابہ کرام میں حضرت سعد بن ابی وقاص تیر بناتے اور تیز کرنے کا کاروبار کیا کرتے تھے۔

۳۔ تیراکی: یہ فن بھی عربوں کے ہاں زمانہ قدیم سے چلا آ رہا تھا۔ عربوں میں جو آدمی تیر اندازی، تیراکی اور کتابت میں ماہر ہوتا تھا اسے "الکامل" کہا جاتا تھا۔ تیراکی نہ صرف سیلاب اور طغیانی سے جان بچانے کا سب سے اہم فن ہے بلکہ ایک مؤثر جسمانی ورزش بھی ہے۔ اُم سلمہ کے غلام احمد لوگوں کو نہر پار کراتے تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کو فرمایا تم تو "سفینہ" ہو (یعنی کشتی کا کام کرتے ہو) لہٰذا وہ سفینہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ اس کے علاوہ عبداللہ بن الزبیر بہت بڑے ماہر تیراک تھے۔ جن دنوں بیت اللہ سیلاب کی زد میں آیا تھا تو انہوں نے ایام حج میں تیر کر کعبہ کا طواف کیا تھا (۷۷)۔

۴۔ شمشیر زنی: تیر اندازی کے ساتھ ساتھ تلوار زنی بھی ایک مشغلہ تھا۔ عرب قوم تو دنیا کی بڑی جنگجو قوم تھی اور اس وقت جنگ کا سب سے بڑا ہتھیار تلوار تھا۔ فن حرب کا یہ سب سے بڑا فن تھا اور عربوں کی عسکری روایات کا سب سے بڑا امین، تمام صحابہ کرامؓ بلا کم وکاست شمشیر زن تھے۔ مشہور صحابی حضرت خباب بن الارت تلواریں بنانے کا کام کیا کرتے تھے (۷۸)۔

۵۔ جسمانی دوڑ: دوڑنا صحت کے لیے نہایت ہی ضروری ورزش ہے۔ اسے اطبائے قدیم سے لے کر جدید اطباء تک سبھی نے تسلیم کیا ہے۔ اس سے تھکاوٹ کا خاتمہ ہوتا ہے۔ انسانی خون تیزی سے گردش کرتا ہوا تمام جسم تک پہنچتا ہے جس سے خون کی نالیاں صاف رہتی ہیں۔ جسم سے فاسد مادوں کے نکاس کے لیے دوڑ سے زیادہ مؤثر اور کوئی مشغلہ نہیں ہے۔

قرآن پاک کی رُو سے دوڑ بھی ازمنہ قدیم سے ایک ورزش کے طور پر لگائی جاتی رہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِندَ مَتَاعِنَا ﴾(۷۹) (حضرت یوسف کے بھائیوں نے کہااے ابا جان ہم دوڑ لگانے چلے گئے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے)۔

حضرت عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں((**خرجت مع رسول الله ﷺ فی بعض اسفارہ وانا جاریة لم احمل اللحم ولم ابدن فقال للنّاس تقدّموا افتقدّموا ثمّ قال حیّ اسابقك فسابقته فسبقت عنه حتّی حملت اللحم وبدنت وسمنت وخرجت معه فی بعض اسفارہ فقال للنّاس تقدّموا افقالا سابقك فسبقتنی فجعل یضحك ویقول هذا بتلك**))(۸۰) (میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں نکلی میں نازک لڑکی تھی میرے جسم پر گوشت نہیں چڑھا ہوا اور نہ میرا بدن موٹا تھا۔ رسول ﷺ نے لوگوں سے کہا: تم لوگ آگے چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ لوگ کچھ دور آگے چلے گئے۔ آپ نے مجھ سے کہا آؤ دوڑ لگاتے ہیں۔ میں نے ان کے ساتھ دوڑ لگائی تو ان سے آگے نکل گئی۔ آپ خاموش رہے۔ جب میرے جسم پر گوشت آ گیا میرا بدن بھاری ہو گیا اور وہ موٹاپے کی طرف مائل ہو گیا تو اگلے سال پھر آپؐ کے ساتھ سفر پر نکلی، آپؐ نے لوگوں سے کہا تم لوگ ذرا آگے چلے جاؤ۔ سب لوگ آگے چلے گئے۔ آپ نے کہا میں تمہارے ساتھ دوڑ لگاتا ہوں۔ اس بار وہ مجھ سے آگے بڑھ گئے۔ آپ نے ہنستے ہوئے کہا یہ پہلی دوڑ کا بدلہ ہے)۔

۶۔ کُشتی لڑنا: ابو داؤد و ترمذی میں روایت ہے کہ رکانہ نے محمد ﷺ کے ساتھ کشتی لڑی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ محمد ﷺ نے رکانہ کے بیٹے یزید بن رکانہ سے بھی کشتی لڑی تھی۔ اس کے علاوہ ابو الاسود الجمعی کے ساتھ بھی کشتی لڑی تھی۔ کانہ ایک نہایت طاقتور انسان تھا وہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا تھا تو دس آدمی اس کے اطراف سے چمڑا کھینچتے تھے۔ چمڑا ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پھٹ جاتا تھا۔ مگر وہ اپنی جگہ سے ہلتا نہیں تھا۔ اس نے محمدؐ کو کشتی کی دعوت دی اور کہا اگر آپ ﷺ نے مجھے پچھاڑ دیا تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسے پچھاڑ دیا(۸۱)۔

جلال الدین سیوطی نے ایک رسالہ لکھا ہے "**السارعة الی المصارعة**" اس میں رسول اللہ ﷺ کی رکانہ کے ساتھ کشتی کے علاوہ ان چھوٹے صحابہ کی کشتیوں کا بھی تذکرہ کیا ہے جنہوں نے جہاد

ہیں شریک ہونے کی خاطر کشتی لڑی تھی۔ اس کے علاوہ حسن و حسین نے نبی پاک کے سامنے کشتی لڑی تھی (۸۲)۔

تعلیمی اقدامات: عہد نبوی میں تعلیم اور تعلم پر شروع ہی سے رسول اللہ ﷺ کی توجہ مبذول رہی۔ اگرچہ مکہ مکرمہ میں کفار و مشرکین کی ایذا رسانیوں اور حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے کوئی با قاعدہ درس گاہ نہیں تھی۔ اس کے باوجود معلم انسانیت ﷺ کسی نہ کسی طرح صحابہ کرامؓ کو قرآن اور اسلام کی بنیادی تعلیم دیتے تھے۔

ا۔ مکہ مکرمہ میں تعلیم و تعلم:

موسم حج اور دیگر مواقع پر لوگوں کو قرآن سناتے تھے۔ جس کی بدولت متعدد قرأ و معلّمین تیار ہوئے۔ حضرت خباب مکہ میں بیت فاطمہ بنت خطاب میں قرآن کریم کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت سالم مولیٰ ابو حذیفہ ہجرت عامہ سے پہلے قباء میں، حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت ابن مکتوم (عمرو بن قیس) نقیع الخضمات میں اور حضرت رافع بن مالک زرقی مسجد بنی زریق میں تعلیمی خدمات انجام دیتے تھے، یہ سب مکہ معظّمہ کے فضلاء و فارغین ہیں۔ ان کے اصحاب و تلامذہ مدینہ منورہ کی مساجد میں امامت اور تعلیم کی خدمات انجام دیتے تھے (۸۳)۔

۲۔ دار ارقم کا قیام: مکہ میں تعلیم کے پھیلاؤ کے لیے حضرت ارقم بن ابی ارقم بن عبد مناف بن جندب اسد بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کا مکان تھا۔ حضور ﷺ نے عرصہ دراز تک اسے تبلیغ، تدریس اور نماز کا مرکز بنائے رکھا۔ اسی مکان میں سیدنا فاروق اعظمؓ نے اسلام قبول کیا تھا۔ اس دور میں مسجد ابو بکر صدیقؓ، بیت فاطمہ بنت خطاب، شعب ابی طالب کو کسی حد تک درس گاہ کہا جاسکتا ہے (۸۴)۔

۳۔ مدینہ منورہ میں تعلیم و تعلم: اسلام کی تاریخ میں ہجرت کے بعد مدینہ منورہ نے ابتداء ہی سے ایک مستقل دار العلوم کی حیثیت اختیار کرلی تھی۔ جس سے نہ صرف جزیرہ عرب فیض یاب ہوا بلکہ علم کی شعاعوں نے ساری دنیا کو بقعۂ نور بنادیا۔ مدینہ منورہ کے مختلف علاقوں اور قبیلوں میں تعلیمی مجالس اور حلقے جاری تھے۔ جن میں بطور خاص بنو نجار، بنو عبد الاشہل، بنو ظفر، بنو عمرو بن عوف، بنو سالم وغیرہ کی

مساجد میں اس کا انتظام تھا، اور عبادہ بن صامت، عتبہ بن مالک، معاذ بن جبل، عمر بن سلمہ، اسید بن حضیر، مالک بن حویرث رضوان اللہ عنہم اجمعین۔ ان کے آئمہ اور معلّمین تھے (۸۵)۔

ان درس گاہوں میں قرآن مجید کی بنیادی تعلیم اور دین کے بارے میں آگاہی مہیا کی جاتی۔ بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر ص کو مدینہ منورہ روانہ کیا تاکہ وہ وہاں لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں(۸۶)۔ایک روایت میں ہے ((**أمره أن يقرأه القرآن ويعلمهم الاسلام ويفقهم فى الدين فكان يسمى المقرى بالمدينة**))(۸۷) (آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ لوگوں کو قرآن پڑھائیں اور اسلام کی تعلیم دیں اور ان میں دین کے متعلق بصیرت پیدا کریں، چنانچہ وہ مدینہ میں مقری کے نام سے یاد کیے جانے لگے)۔

سیدنا عبداللہ بن سعید بن العاص زمانہ جاہلیت سے خوش نویسی ہیں مشہور تھے۔ اور کاتب کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں کتابت اور املاء سکھانے پر مامور فرمایا(۸۸)۔ سیدنا عبادہ بھی قرآنی تعلیمات کے علاوہ تحریر وکتابت کی مشق کرانے کی خدمت پر مامور تھے (۸۹)۔

رسول اللہ ﷺ نے ابو جھینہ کو مدینہ منورہ میں طلب کیا تاکہ وہ لوگوں کو تحریر وکتابت کا فن سکھائیں (۹۰)۔

سیدنا ابو نافع مولیٰ سیدنا عبداللہ بن عمر ص املا کرتے اور طلباء ان کے پاس بیٹھ کر کتابت کی مشق کرتے تھے (۹۱)۔

الغرض انصار کے ہر گھر نے تعلیمی درس گاہ کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ مدینہ منورہ میں تحریک اسلام کو آزاد ماحول میسر آیا تو معلم کتاب وحکمت نے سب سے پہلے تعلیم وتربیت کے مسئلے کو مستقل اور پائیدار بنیادوں پر حل کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔

۴۔ صفہ اکیڈمی اور اصحاب صفہ: آپ ﷺ کی پیغمبرانہ حکمت وبصیرت کا فیصلہ یہ ہوا کہ تعلیم وتربیت کا مرکز ایسا ہونا چاہیے جہاں ہر روز مقررہ اوقات پر مسلمانوں کا اجتماع ہو اور اس اجتماع کی حیثیت گویا فرض ووجوب کی ہو۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں ایک حصّہ بطور درس گاہ ''صفہ''

مختص کیا، جسے اسلامی تاریخ میں پہلی باقاعدہ درس گاہ اور اصحاب صفہ کو طالبان علم کی پہلی جماعت ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

یہ دراصل ایک کھلی اقامتی (Residential) درس گاہ تھی، جس میں ہر چھوٹا، بڑا شخص تعلیم وتربیت حاصل کرتا تھا، انہیں "اصحاب صفہ" کہتے تھے۔ اس اعتبار سے اگر مسجد نبوی کی اس درس گاہ کو عصر حاضر کی اقامتی اور کھلی درس گاہوں کا پیش خیمہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا (۹۲)۔

اس اقامتی درس گاہ میں لکھنے پڑھنے کے علاوہ فقہ کی تعلیم بھی دی جاتی تھی، قرآن کریم کی سورتیں زبانی یاد کرائی جاتی تھیں، فن تجوید سکھایا جاتا تھا اور دیگر اسلامی علوم کی تعلیم کا بندوبست بھی تھا۔ یہاں اعلیٰ تعلیم تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیا کرتے تھے۔ لیکن ابتدائی تعلیم اور لکھنا پڑھنا سکھانا یہ کام نوجوان صحابہ رضاکاروں کے سپرد تھا (۹۳)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں رہنے والوں کی خوراک وغیرہ کا بھی خود بندوبست کیا کرتے تھے۔ یہاں دی جانے والی تعلیم کے متعدد شعبے تھے جو متعدد لوگوں کے سپرد تھے (۹۴)۔ اس درس گاہ نبوی کے وقار وتمکنت کا یہ ماحول تھا کہ صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلقۂ درس میں ہمہ تن گوش رہتے۔ حضرت اُسامہ بن شریک کا بیان ہے:

((أتیت رسول الله واصحابه حوله کان علی رؤسهم الطیر)) (۹۵) (ایک مرتبہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلقۂ درس میں حاضر ہوا، اس وقت صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اطراف ایسے بیٹھے تھے۔ جیسے ان کے سروں پر پرندے ہوں)۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ میں نے ستر اصحاب صفہ کو دیکھا کہ ان کے پاس چادر تک نہ تھی، فقط تہہ بند تھا یا کمبل جسے کبھی اپنی گردنوں پر باندھ لیتے تھے اور کمبل بھی اس قدر چھوٹا تھا کہ کسی کی آدھی پنڈلیوں تک پہنچتا اور کسی کے ٹخنوں تک اور ہاتھ سے اس کو تھامتے کہ کہیں ستر کھل نہ جائے (۹۶)۔

فضالہ بن عبید کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھاتے تو اصحاب صفہ بھوک کی شدت کی وجہ سے کھڑے کھڑے زمین پر گر جاتے تھے اور اعراب انہیں مجنون اور دیوانہ کہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے

بعد ان کے پاس آتے اور تسلی دیتے((**لو تعلمون مالكم عند الله تعالى لاحببتم ان تزدادوا فاقة وحاجة**))

(۹۷)(اگر تم یہ جان لو کہ اللہ کے یہاں تمھارے لیے کیا اجر وثواب ہے تو خواہش کروگے کہ فقروفاقے میں زیادہ مبتلا رہو)۔

عبداللہ بن شفیق کہتے ہیں کہ میں ایک سال ابوہریرہ کے ساتھ رہا اک دن فرمانے لگے کاش! تو ہمارا وہ زمانہ بھی دیکھتا کہ جب کئی کئی دن ہم پر ایسے گزرتے تھے کہ اتنا کھانا بھی میسر نہ آتا تھا۔ جس سے ہم اپنی کمر سیدھی کرلیں، یہاں تک کہ مجبور ہو کر پیٹ سے پتھر باندھتے تھے تاکہ کمر سیدھی ہوسکے (۹۸)۔

اصحاب صفہ کی تعداد کم وبیش ہوتی رہتی تھی۔علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اصحاب صفہ کی تعداد چار سو تک لکھی ہے(۹۹)۔ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے علم دین اُٹھ جانے کی بات کہی تو صحابہؓ نے حیرت اور تعجب کے ساتھ سوال کیا کہ علم باوجود اس قدر اشاعت کے کیسے اُٹھ جائے گا؟ زیاد بن لبید سے منقول ہے((**قالو! يا رسول الله وكيف يذهب العلم ونحن نقرأ القرآن، ونقرأه ابنائنا ويقرأه ابناؤنا ابنائهم**)) (۱۰۰)

(صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! علم کیسے ختم ہو جائے گا؟ ہم قرآن پڑھتے ہیں، اپنے لڑکوں کو پڑھاتے ہیں اور ہمارے لڑکے اپنے لڑکوں کو پڑھاتے ہیں)۔

۵۔ وفود کے ذریعہ ترویج تعلیم: دور دراز علاقوں میں آباد قبائل کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے اور انہیں علوم دینیہ سے روشناس کرنے کا یہ طریقہ تھا کہ قبائلی نمائندے تعلیم حاصل کرنے کے لیے مدینہ منورہ آتے، جن کی تعلیم وتربیت اور قیام وطعام کی رحمت عالم ﷺ خود نگرانی فرماتے تھے۔

وفد عبدالقیس آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ہمیں اسلامی تعلیم سے بہرہ ور فرمائیں، تاکہ ہم اسلامی احکام پر خود بھی عمل پیرا ہوں اور اپنے قبیلہ کے ان لوگوں کو جو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوسکے تبلیغ کریں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں توحید ورسالت، نماز زکوۃ اور مال غنیمت کے مسائل واحکام کی تعلیم دی(۱۰۱)۔سیدنا مالک بن الحویرث بیان کرتے ہیں کہ((**أتيت رسول الله ﷺ في نفر**

من قومي، ونحن شببة، فاقمنا عنده عشرين ليلة، وكان رسول الله رفيقا، فلما رأى شوقنا الى أهلينا، قال ارجعوا الى أهليكم قونوا فيهم فمروهم وعلموهم، وصلوا كمارأيتموني أصلى فاذا حضرت الصلاة ، فليؤذن لكم أحدكم)) (١٠٢)

((میں اپنی قوم کے کچھ افراد کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہم لوگ بیس دن تک مدینہ منورہ میں رہے، پھر جب رحمت عالم ﷺ نے محسوس فرمایا کہ اب ہمارے دل اپنے اقارب کی ملاقات کے لیے بیتاب ہیں تو آپ ﷺ نے ہمیں واپسی کی اجازت مرحمت فرمائی اور تاکید فرمائی کہ جس قدر دینی تعلیم تم حاصل کر چکے ہو اپنے اہل وعیال کو بھی اس کی تعلیم دو اور انہیں بھی نماز کا حکم دو۔ جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اور جب نماز کا وقت ہو جائے تو پہلے اذان بھی کہو)۔

اسی طرح وفد بنو تمیم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مدت تک مدینہ منورہ میں قیام کر کے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی (۱۰۳)۔

۶۔ تدریس بذریعہ خط وکتابت: رسول اللہ ﷺ کے مکتوبات گرامی کی تعداد ۳۰۰ ہے۔آپ ﷺ نے جزیرہ عرب کے اندر اور باہر مختلف سلطنتوں کے بادشاہوں اور حکمرانوں کو دعوتی خطوط لکھوائے۔ چنانچہ عمان میں جلندی کے بیٹے عماد اور جعفر کو یمامہ میں ثمامہ بن اثال اور ھوذہ بن علی کو بحرین میں منذر بن ساوٰی کو ملک شام میں حارث بن ابی شمہ اور جبلۃ بن الایھم کو ملک روم میں ہرقل کو ملک فارس میں کسریٰ کو ملک مصر میں مقوقس کو اور ملک حبشہ میں الامہ بن ابجر کو خطوط بھیجے (۱۰۴)۔

ان تبلیغی خطوط میں عرب کے طرز تحریر کے مطابق خدا کے نام کے بعد آنحضرت ﷺ کا نام اور پھر مکتوب الیہ کا نام ہوتا۔

رسول اللہ کا طریقہ تعلیم:

پیغمبر اسلام بنی نوع انسان کے معلم اعظم تھے۔آپ ﷺ کا طریقہ تعلیم دنیا کے معلّمین سے بالکل جدا تھا جس کی مثال تاریخ عالم پیش کرنے سے قاصر ہے۔ باقی انبیاء کرام بھی اپنی اپنی امتوں کے معلم تھے۔

لیکن اس عظیم معلم اور پیغمبر اسلام نے جہانبانی کے وہ اصول سکھائے جن کی نظیر قبل کے تاریخی زمانوں میں بھی نہیں ملتی۔

حضور اکرم ﷺ کا طریقہ تعلیم بڑا موثر، سہل اور پر کشش تھا۔ جس شخص کو جتنی فرصت ملتی وہ اتنی ہی فرصت میں کافی علم حاصل کر لیتا اور اپنے علاقے کا داعی یا مبلغ بن کر حضور ﷺ سے رخصت ہو جاتا۔

ا۔ حصول علم کے لیے طلبہ کا باری مقرر کرنا:

کچھ صحابہ کرامؓ صباحی مجلس میں حاضر رہتے تھے مگر اکثر کاروبار کی مجبوریوں کے باعث خود مجلس نبوی میں حاضر نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ حاضر صحابہ کرام سے وہاں کی گفتگو سنتے تھے اور باخبر ہو جاتے تھے۔ بعض صحابی باری مقرر کر لیتے تھے۔ ایک دن ایک جاتا اور دوسرے دن دوسرا جاتا۔ رسول اللہ ﷺ بھی اس بات کی تعلیم دیتے تاکہ کوئی شخص علم سے محروم نہ رہ جائے۔

حضرت عمر کی مثال موجود ہے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں میرا ایک انصاری پڑوسی تھا جو مدینہ کے بالائی علاقہ میں بنو امیہ بن زید کے قبیلہ کا تھا۔ ہم باری باری رسول ﷺ کی مجلس میں حاضری دیتے تھے۔ ایک دن وہ جاتا اور ایک دن میں جاتا تھا۔ جب میں مجلس میں حاضری دیتا تو اس دن کی وحی اور تمام دوسری باتوں کی اطلاع اسے دیتا تھا اور جب وہ حاضر ہوتا تھا تو وہ تمام معلومات مجھے بہم پہنچاتا تھا (۱۰۵)۔

۲۔ طالب علم کی ذہنی استعداد کے مطابق گفتگو کرنا:

رسول اللہ ﷺ لوگوں سے ان کی عقل و فہم کے مطابق گفتگو کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا لہجہ صاف ہوتا تھا۔ بولتے وقت ایک ایک لفظ سمجھ میں آجاتا تھا۔ عموماً آپ ﷺ ایک جملے کو تین مرتبہ دہراتے اور وعظ بھی مختصر ہوتا تھا۔ تاکہ طبیعت میں ملال پیدا نہ ہو۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ((حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون یکذب اللہ ورسولہ)) (۱۰۶) (لوگوں سے وہ باتیں بیان کرو جنہیں وہ جانتے ہیں کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے؟)۔

۳۔ صاف اور شُستہ انداز بیان:

آپ کا انداز بیان صاف اور شستہ ہوتا تھا۔ ہر بات کو اچھے طریقے سے پیش کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ

مختصر مگر جامع تقریر فرماتے تھے۔ آپ ﷺ ٹھہر ٹھہر کر تقریر فرماتے تاکہ سننے والے اس کو اچھی طرح سمجھ جائیں اہم چیز پر زور دینے کے لیے اس کو تین بار دہراتے۔

حدیث شریف میں ہے ((**اذا تكلّم بكلمة اعادها ثلثا حتّى تفهم عنه واذا اتى على قوم فسلّم عليهم ثلثا**))(۱۰۷) (حضرت انسؓ کہتے ہیں رسول اکرم ﷺ جب کوئی بات کہتے تو تین مرتبہ اس کا اعادہ فرماتے یہاں تک کہ لوگ اس کو اچھی طرح سمجھ لیتے اور جب آپ ﷺ کسی جماعت کے پاس سے گزرتے اور اس کو تین مرتبہ سلام کرتے)۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں: ((**ما كان رسول الله ﷺ ليسرد سردكم هذا ولكنه كان يتكلم بكلام بين فصل يحفظ من جلس اليه** "(۱۰۸) (رسول اللہ تمہاری طرح اپنی بات جلدی جلدی بیان نہیں کرتے تھے بلکہ وہ ایک بین اور مفصل کلام سے گفتگو کرتے تھے تاکہ جو آپ ﷺ کے پاس بیٹھا ہو اسے یاد کرلے)۔

طول کلام آپ کو پسند نہ تھا۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے میں وہ عربی ہوں جسے کلام میں اختصار دیا گیا ہے اور با معنی کلام سے نوازا کیا ہے۔ آپ کا سب سے طویل خطبہ "حجۃ الوداع" کا خطبہ ہے۔ مگر وہ بھی اپنی جگہ بے حد مختصر ہے۔

خود نبی پاک ﷺ فرماتے ہیں: ((**بعثت بجوامع الكلم ونصرت بالرّعب وبين انا نائم اوتيتُ بمفاتيح خزائن الأرض فوضعت فى يدي قال ابو هريرة فذهب رسول الله ﷺ وانتم تنتثلونها** "(۱۰۹) (مجھے جوامع الکلم عطا کرکے نبی بنایا گیا ہے اور میرے رعب کی وجہ سے مجھے فتح دی جاتی ہے میں سویا ہوا تھا مجھے زمین کے تمام خزانے عطا کیے گئے جنہیں میں نے اپنے ہاتھ میں رکھا۔ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ چلے گئے اور تم ان خزانوں کو نکال رہے ہو)۔

۴۔ تعلیم میں اعتدال:

آپ ﷺ تعلیم میں اعتدال کو پیش نظر رکھتے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ہر وقت تعلیم میں مشغول نہیں رکھتے تھے۔ آپ فطری انداز میں تعلیم دیتے تھے تاکہ طالب علم اکتا نہ جائیں اور

ان کی گھریلو زندگی میں فرق نہ پڑے۔

((کان عبدالله بن مسعود یذکر الناس فی کله خمیس وقال له رجل یا ابا عبدالرحمن لوددت انّك ذکّرتنا فی کلّ یوم قال اما انه یمنعنی من ذالك انّی اکره ان املّکم وانّی اتخوّلکم بالموعظة کما کان رسول الله ﷺ یتخوّلنا بها مخافة السآمة علینا))(۱۱۰) (عبداللہ بن مسعودؓ ہر جمعرات کو لوگوں کو وعظ کیا کرتے تھے (ایک روز) ایک شخص نے ان سے کہا اے عبدالرحمٰن میں چاہتا ہوں کہ آپ روزانہ ہم کو وعظ و نصیحت فرمایا کریں، عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ ایسا اس لیے نہیں کرتا کہ کہیں تم اکتا نہ جاؤ۔ میں نصیحت کے معاملہ میں تمہاری اس طرح خبر گیری کرتا ہوں جیسے کہ حضور اکرم ﷺ ہماری خبر گیری کرتے تھے اور ہمارے اکتا جانے کا خیال کرتے تھے)۔

۵۔ تعلیم کی اشاعت میں ترغیبات و ہدایات:

علم کا دائرہ بہت وسیع ہے اور یہ حیات کے تمام گوشوں پر حاوی ہے۔ اس لیے حضور ﷺ نے فرمایا وہ حضرات جو تعلیم و تعلم میں مشغول رہتے ہیں اگر کوئی شخص ان سے کوئی بات پوچھے اور جواب دینے والے کو اس کا علم ہو تو وہ اس کا جواب ضرور دے تاکہ سوال کرنے والا مطمئن ہو سکے۔ آپ ﷺ نے علم کو پوشیدہ رکھنے کی سخت ممانعت فرمائی۔

حدیث شریف میں ہے: ((قال رسول الله ﷺ من سئل عن علم علمه ثمّ کتمه ألجم یوم القیامة بلجام من نار))(۱۱۱) (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص سے علم کی کوئی بات پوچھی جائے جو اسے معلوم تھی مگر اس نے چھپایا تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی)۔

اس طرح حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: ((لیبلغ الشاهد الغائب فانه ربّ مبلّغ یبلغه اوعٰی له من سامع))(۱۱۲) (یعنی جو حاضر ہیں وہ غائب تک میری تعلیم پہنچا دے کیونکہ بعض اوقات جس کی طرف علم پہنچایا جاتا ہے وہ سننے والے سے زیادہ سمجھ دار ہوتا ہے)۔

ایک اور جگہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((افضلکم من تعلّم القرآن وعلّمه))(۱۱۳) (تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جو قرآن مجید سیکھتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے)۔

۶۔ تدریس میں ادب واحترام کا خیال:

آپ ﷺ کی تعلیم کا مقصد ادب واحترام سکھانا بھی ہے کیونکہ آپ ﷺ مزکی وحکیم بھی تھے۔

آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ((لا یقیم احدکم اخاہ من مجلسه ثمّ یجلس فیه))(۱۱۴)

(تم میں سے کوئی آدمی اپنے بھائی کو مجلس سے نہ اٹھائے کہ پھر خود اس جگہ پر بیٹھ جائے)۔

ایک اور جگہ پر فرمایا: ((لا یحلّ ان یفرّق بین اثنین الاّ باذنھما))(۱۱۵)(کسی آدمی کے لیے جائز نہیں کہ وہ مجلس میں دو آدمیوں کو علیحدہ کرکے خود بیٹھ جائے البتہ ان کی اجازت سے)۔

ایک اور حدیث میں ہے: ((انّ رجلا قصد وسط الحلقة فقال حذیفة ملعون لسان محمّد او لعن اللہ علی لسان محمّد من قصد وسط الحلقة "(۱۱۶)(ایک شخص حلقہ مجلس کے درمیان میں جا بیٹھا حضرت حذیفہؓ نے کہا اس شخص پر زبان محمد سے لعنت ہے یا اس پر اللہ نے زبان محمد سے لعنت فرمائی ہے جو مجلس کے بیچ میں آئے)(نمایاں ہونے کی خاطر)۔

۷۔ طالب علم کی تادیب کے بارے میں ہدایات:

آپ ﷺ نے دورانِ تعلیم بچوں کی سزا کے بارے میں فرمایا: ((انفق علی عیالك من طولك ولا ترفع عنھم عصاك ادباً واخفھم فی اللہ "(۱۱۷)(تم اپنی اولاد پر اپنی دولت میں سے خرچ کرو انہیں ادب سکھانے کے لیے چھڑی استعمال کرو مگر خدا کے لیے نرمی اختیار کرو)۔

آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے شدید ضرورت کے تحت سات سال کی عمر سے سزا دی جا سکتی ہے۔ مگر جسمانی سزا ایسی نہیں دینی چاہیے جو نشان چھوڑنے والی ہو۔ سخت قسم کے تھپڑ یا گھونسے نہیں لگانے چاہئیں)۔

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے چند نمونے :

آنحضرت ﷺ کی اعلی صفات میں سے کمال علم، عظیم حکمت، اعلیٰ اخلاق، شاگردوں کے ساتھ شفقت

و رحمت، ان کی تعلیم و تربیت کے لیے عمدہ اور فصیح اسالیب کا استعمال اور ان کی خبر گیری کے اوصاف اپنے کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔

۱۔ آنخضرت ﷺ کے طرزِ تعلیم کے متعلق حضرت انسؓ ذکر کرتے ہیں کہ میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں دس سال رہا اس عرصہ میں آنخضرت ﷺ نے کبھی ڈانٹ ڈپٹ نہیں فرمائی اور جو کام میں نے کیا اس پر کبھی یہ نہیں فرمایا کہ یہ کیوں کیا اور جو کام میں نے نہیں کیا اس پر کبھی یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام تم نے کیوں نہیں کیا (۱۱۸)۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ کا طرزِ تعلیم عموما سوال و جواب کی شکل میں ہوتا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت معاذؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے معاذ! تو جانتا ہے کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے اور بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے؟ حضرت معاذؓ نے جواب دیا کہ اللہ اور اسکا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: **((فان حق الله على العباد ان يعبدوه ولا يشركوا به شيئا وحق العباد على الله** ان لا يعذبهم **))** (۱۱۹) (اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ اللہ انہیں عذاب نہ دے)۔

رسول اللہ ﷺ حضرت معاذ کو یمن میں قاضی بنا کر بھیجنے لگے تو تعلیم بصورت سوال و جواب فرمائی، سوال کیا کہ تم کس طرح فیصلے کروگے، تو انہوں نے جواب دیا کہ کتاب اللہ کے مطابق، آپ نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ میں تمہیں وہ مسئلہ نہ ملے تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر سنت رسول ﷺ میں بھی تمہیں وہ مسئلہ نہ ملے تو انہوں نے کہا میں اجتہاد کروں گا۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **((الحمد لله الّذى وفق رسول رسول الله لما يرضى رسول الله))** (۱۲۰) (تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے رسول اللہ ﷺ کے نمائندہ کو اس بات کی توفیق دی جس کے ساتھ رسول اللہ راضی ہیں)۔

۳۔رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرام کو ایک نہایت ہی اہم مسئلہ کی تعلیم دینے کی خاطر سوال کیا کہ یہ کون سا شہر ہے؟ کون سا مہینہ ہے؟ اور کون سا دن ہے؟ صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ ہم نے خیال کیا کہ شاید رسول اللہ ﷺ شہر، مہینہ اور دن کے نام تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ تو ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے مکہ شریف، ذی الحجہ اور یوم النحر کا نام لیا اور فرمایا کہ جس طرح تمہارا یہ شہر اور یہ تمہارا دن حرمت اور عظمت والے ہیں۔ اسی طرح تمہاری جانیں اور تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں بھی حرمت اور عظمت رکھتی ہیں (۱۲۱)۔

۴۔ آنحضرت ﷺ کی جامع تعلیمات میں ہے ((**ليس منا من لم يرحم صغيرنا ويؤقر كبيرنا**)) (۱۲۲) (جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کی عزت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں)۔

رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم پر عمل کر لیا جائے تو دنیا میں ہر قسم کے فساد کی بیخ کنی ہو سکتی ہے۔

۵۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم یہ ہے: ((**واحب للناس ما تحب لنفسك**)) (۱۲۳) (تو لوگوں کے لیے وہی بات پسند کر جو تو اپنے لیے پسند کرتا ہے)۔

مثلاً ہر شخص چاہتا ہے کہ اگر وہ دوسرے کے پاس جائے تو دوسرا اس کے ساتھ عزت سے پیش آئے اور اس کا کام کر دے۔ اسی طرح جب دوسرا شخص آپ کے پاس آئے تو آپ کو بھی اس کے ساتھ یہی برتاؤ کرنا چاہیے۔

۶۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ((**من كان فى حاجة اخيه كان الله فى حاجته ومن فرّج عن مسلم كربة فرج الله عنه كربة من كربات يوم القيامة**)) (۱۲۴) (جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجتیں پوری کرتا ہے اور جو آدمی کسی مسلمان کی کوئی دنیاوی تکلیف دور کر دے تو اللہ تعالیٰ قیامت کی تکلیفوں میں سے اس تکلیف دور کرے گا)۔

۷۔ ہمسائے کے حقوق کے بارے میں فرمایا ((**لا يدخل الجنة من لايأمن جاره بوائقه**)) (۱۲۵) (وہ آدمی بہشت میں داخل نہیں ہوگا جس کے فتنوں سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہ رہے)۔

۸۔ یتیم کی خبر گیری کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ((**من مسح راس یتیم لم یمسحه الاالله کان له بکل شعرة مرت علیها یده حسنات**)) (۱۲۶) (جو شخص یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرتا ہے۔ اس کے سر کے جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ گزرتا ہے اتنی ہی نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں)۔

۹۔ نیکی اور گناہ کی پہچان کے لیے ارشاد فرمایا: ((**البر حسن الخلق والاثم ما حاك فی صدرك و کرهت ان یطلع علیه الناس**)) (۱۲۷) (نیکی تو حسن خلق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو ناپسند کرے کہ لوگ اس پر مطلع ہو جائیں)۔

رسول اللہ ﷺ کی چند تعلیمات بطور نمونہ عرض کی گئی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی نیابت میں کامل معلم وہی ہو سکتا ہے جو اسی طرز پر تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دے جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کا طرز عمل پوری دنیا کے لیے نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سرکار دو عالم ﷺ کی اتباع کی توفیق عطاء فرمائے (آمین)۔

حواشی و حوالہ جات

1. Dr. Abdul Haq, The Standard English Urdu Dictionary, (Anjuman Press Karachi, Third Edition 1981) P.340.

2. Thorndike, Comprehensive Dictionary (N.Y. 1958) P.263

3. Encyclopaedia of Dictionaries Shipleyo - Webstor.

4. J. Schacht The Encyclopedia of Islam, (E.J. Brill. Leiden Netherlands London, 1971) Ilm. vol:3, P.1133.

۵۔ الزبیدی المرتضٰی، اتحاف السادۃ المتقین شرح اسرار احیاء علوم الدین (ادارہ اسلامیات انار کلی، لاہور ص: ۱/ ۷۹

۶۔ ایضاً۔

۷۔ خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات (شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی، کراچی، اشاعت ۱۹۹۳، ص: ۴۲۱۔

۸۔ ایضاً، ص: ۴۲۳۔

۹۔ محمد نواز چودھری، مذاہب عالم (پولیمر پبلیکشنز، اردو بازار، لاہور ۲۰۰۶ء) ص ۱۷۳۔

۱۰۔ ایضاً، ص: ۱۷۷

۱۱۔ ایضاً، ۲۱۱۔

۱۲۔ لیوس مور، مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا (المطبعۃ العربیۃ، لاہور، ۲۰۰۵ء) ص ۸۴۔

۱۳۔ ابن خلدون، مقدمہ (دارالفکر، بیروت) ص: ۱/ ۴۴۴۔

۱۴۔ جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام (مکتبہ النہضہ، بغداد، الطبعۃ الاولی، ۱۹۷۱ء) ۲۴۹/۸۔

۱۵۔ سورۃ القلم: ۶۸/۱۔

۱۶۔ آلوسی، محمود، بلوغ الارب (مرکزی اردو بورڈ، ۳۶، جی گلبرگ، لاہور) ۱۸۵/۳۔

۱۷۔ جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، ۲۵۹/۸۔

۱۸۔ ابن منظور، لسان العرب (دارالکتب العلمیہ، بیروت، الطبعہ الاوّلی ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۳ء) ۳۵۳/۲۔

۱۹۔ سورۃ البروج: ۸۵/ ۲۱-۲۲۔

۲۰۔ جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، ۲۶۶/۸۔

۲۱۔ سورۃ الاعلیٰ: ۱۸/۸۷۔۱۹

۲۲۔ جواد علی، المفصل فی التاریخ قبل الاسلام، ۲۷۳/۸۔

۲۳۔ الجصاص، ابو بکر احمد بن علی الرازی، احکام القرآن (المطبعۃ البہیۃ، مصر، ۱۳۴۷ء) ۶/۱۔

۲۴۔ سورۃ العلق: ۱/۹۶-۵۔

۲۵۔ سورۃ القلم: ۴/۶۸۔

۲۶۔ سورۃ العلق: ۵/۹۶۔

۲۷۔ سورۃ التوبہ: ۱۲۲/۹۔

۲۸۔ سورۃ النحل: ۴۳/۱۶۔

۲۹۔ سورۃ الزمر: ۹/۳۹۔

۳۰۔ سورۃ فاطر: ۲۸/۳۵۔

۳۱۔ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، السنن (دارالسلام الریاض، الطبعہ الاوّلی/۱۹۹۹ء) ص۶۰۱، حدیث نمبر ۲۶۲۷ نمبر ۲۶۲۷۔

۳۲۔ خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، (دارالفکر، بیروت) ص: ۱۱۷، حدیث نمبر ۲۵۶۔

۳۳۔ دارمی، عبداللہ بن عبدالرحمٰن، السنن (دارالمحاسن للطباعۃ، ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء) ص: ۱/ ۸۲، حدیث نمبر ۳۴۷۔

۳۴۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید، السنن (دارالسلام الریاض ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء) ص: ۱/ ۳۴: ، حدیث نمبر ۲۲۰۔

۳۵۔ ابن عبدالبر، القرطبیؒ، جامع بیان العلم وفضلہ (دارالفکر، بیروت) ص: ۳۱/۱۔

۳۶۔ ابن ماجہ، السنن، ص: ۱/ ۳۴، حدیث نمبر ۲۲۴۔

۳۷۔ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضلہ، ص: ۱/ ۲۰۔

۳۸۔ سورۃ الجمعہ: ۲/۶۲۔

۳۹۔ سورۃ النحل: ۴۴/۱۶۔

۴۰۔ ابن ماجہ، السنن، ص: ۱/ ۳۵، حدیث نمبر ۲۲۹۔

۴۱۔ سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، (المکتبہ الاسلامیہ، تہران، ۱۳۷۷ھ) ۱۹۴/۳۔

۴۲۔ جصاص، ابوبکر احمد بن علی الرازی، احکام القرآن، ص: ۵۷۳/۳۔

۴۳۔ طرطوشی، سراج الملوک (المطبعۃ الازہریہ القاہرہ، ۱۳۱۹ ھ) ص: ۵۶۔

۴۴۔ مولانا معظم الحق، دور نبوی کا نظام حکومت (ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی، ۲۰۰۳ء) ص: ۳۳۳۔

۴۵۔ الھیثمی، نورالدین علی بن ابی کرم، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد (مؤسسہ المعارف، بیروت ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء ۱۳۰/۱۔

۴۶۔ ترمذی، السنن، ص۴۴۶، حدیث نمبر: ۱۹۱۶۔

۴۷۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح (دارالسلام الریاض، الطبعۃ الثانیہ، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء) ص ۲۲، حدیث نمبر ۹۷۔

۴۸۔ ایضاً، ص ۳۲، حدیث نمبر: ۱۰۱۔

۴۹۔ سورۃ الانعام: ۵۲/۶۔

۵۰۔ البیہقی، ابوبکر احمد بن حسین، السنن الکبریٰ (دارالفکر بیروت، ۱۹۹۶ء) ۲۴۰/۹۔

۵۱۔ الترمذی، السنن، ص۶۱۰، حدیث نمبر ۲۶۸۷۔

۵۲۔ جواد علی، المفصل فی التاریخ العرب قبل الاسلام، ۲۹۳/۸۔

۵۳۔ ابن حجر، الاصابہ فی تمیز الصحابہ (داراحیاء التراث العربی، بیروت، الطبعۃ الاولی، ۱۳۲۸ھ) ۱۲۹/۱۔

۵۴۔ سورۃ النحل: ۱۰۳/۱۶۔

۵۵۔ ابن حجر، الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، ۲۶۸/۲۔

۵۶۔ ابوداؤد، السجستانی، سلیمان بن الاشعث، المصاحف، (المطبعۃ الرحمانیہ مصر ۱۹۳۶ء) ص: ۳۰/۲۔

۵۷۔ الترمذی، السنن، ص ۶۰۳، حدیث نمبر ۲۶۵۷۔

۵۸۔ احمد بن حنبلؒ، المسند (دارالفکر بیروت) ص: ۴۷۱/۳؛ عہد نبوی کا نظام حکومت، ص: ۳۴۴

۵۹۔ سورۃ ابراہیم: ۵/۱۴۔

۶۰۔ سورۃ الحجرات: ۱۳/۴۹۔

۶۱۔ ترمذی، السنن، ص: ۴۵۸، حدیث نمبر1979۔

۶۲۔ ابن ماجہ، السنن، ص: ۳۹۱، حدیث نمبر ۲۷۱۹۔

۶۳ دارمی، السنن: ۲۴۷/۲، حدیث نمبر ۲۸۵۴۔

۶۴۔ احمد، المسند، ص: ۴ /۱۲۷ ۔

۶۵۔ مولانا معظم الحق، دور نبوی کا نظام حکومت، ص: ۳۹۴۔

۶۶۔ بخاریِ، الجامع الصحیح، ص۱۰۰۶، حدیث نمبر ۵۶۸۴۔

۶۷۔ سورۃ یونس: ۵/۱۰۔

۶۸۔ احمد، المسند، ۳۸۸/۴۔

۶۹۔ الترمذی، السنن، ص۶۱۰، حدیث نمبر ۲۶۸۷۔

۷۰۔ سورۃ المائدۃ: ۹۶/۵۔

۷۱۔ ابن ماجہ، السنن، ص: ۴۶۶، حدیث نمبر ۳۲۰۸۔

۷۲۔ ابو داؤد، السجستانی، سلیمان بن الاشعث، السنن، (دار السلام الریاض، الطبعۃ الاوّلی، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء ص: ۴۱۴ ، حدیث نمبر ۲۸۵۱۔

۷۳۔ ترمذی، السنن، ص: ۳۵۷، حدیث نمبر ۱۴۶۹۔

۷۴۔ دارمی، السنن (شرکۃ الطباعۃ الفنیۃ المتحدہ مدینہ منورہ، الحجاز) ص: ۱۸/۲، حدیث نمبر ۲۰۱۵۔

۷۵۔ سورۃ الانفال: ۸ /۶۰۔

۷۶۔ احمد، المسند، ۲۶/۴؛ مولانا معظم الحق، دور نبوی کا نظام حکومت، ص: ۳۹۸ ۔

۷۷۔ مولانا معظم الحق، دور نبوی کا نظام حکومت، ص: ۲۷۱۔

۷۸۔ ایضاً، ص۳۰۵۔

۷۹۔ سورۃ یوسف: ۱۷/۱۲۔

۸۰۔ احمد، المسند، ص: ۲۶۴/۶۔

۸۱۔ مولانا معظم الحق، دور نبوی کا نظام حکومت، ص۲۹۵۔

۸۲۔ ایضاً، ص۲۹۶۔

۸۳۔ قاضی اطہر مبارکپوری، خیر القرون کی درس گاہیں اور ان کا نظام تعلیم وتربیت (ادارۃ اسلامیات، لاہور) ص: ۱۱۔

۸۴۔ محمد عبدالمعبود، تاریخ مکہ المکرمہ (مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور) ص: ۱/ ۳۵۹۔

۸۵۔ قاضی اطہر مبارکپوری، خیر القرون کی درس گاہیں اور ان کا نظام تعلیم وتربیت، ص: ۳۷۔

۸۶۔ احمد، المسند، ص: ۲۹۱/۴۔

۸۷۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ (المکتبہ الفاروقیہ، ملتان ۱۹۷۷ء) ص: ۲۶۹/۱۔

۸۸۔ ابن الاثیر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ (داراحیاء التراث العربی، بیروت) ص: ۱۷۵/۳۔

۸۹۔ ابوداؤد، السنن، ص: ۴۹۵، حدیث نمبر ۲۴۱۶۔

۹۰۔ الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن (دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء) ۴۲/۲۔

۹۱۔ ابن حجر، العسقلانی، تہذیب التہذیب (دارالفکر، بیروت، الطبعۃ الاولی، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء) ص: ۱۶۴/۱

۹۲۔ صبیر احمد ناصر، پیغمبر آخر واعظم (فیروز سنز، لاہور) ص: ۴۱۷۔

۹۳۔ اکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی (اردو اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۷ئ) ص ۲۹۱۔

۹۴۔ ایضاً، خطبات بہاولپور (ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء) ص ۳۰۵۔

۹۵۔ الخطیب البغدادی، الفقیہ والمتفقہ (دارالکتب العلمیہ، بیروت، الطبعۃ الثانیہ، ۱۴۰۰ھ/) ص: ۱۲۳/۲۔

۹۶۔ بخاری، الجامع الصحیح (مکتبہ قدوسیہ اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۱ء) ص: ۴۸۹/۱۔

۹۷۔ قاضی، اطہر مبارکپوری، خیر القرون کی درس گاہیں، ص: ۹۰۔

۹۸۔ ابن حجر، العسقلانی، فتح الباری (دارالمعرفہ، بیروت) ص: ۲۴۲/۱۱۔

۹۹۔ سیوطی، جلال الدین، تفسیر جلالین (نور محمد، اصح المطابع، کراچی) ص: ۴۳/۱۔

۱۰۰۔ ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ص: ۵۵۸/۱۔

۱۰۱۔ الازہری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاء النبی ﷺ (ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور ۱۴۱۸ھ) ص: ۶۷۲/۴۔

۱۰۲۔ دارمی، السنن، ص: ۲۳۰/۱، حدیث نمبر ۱۲۵۶۔

۱۰۳۔ ابن الاثیر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ص: ۸۷/۴۔

۱۰۴۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ص: ۱۸۸/۴۔

۱۰۵۔ بخاری الجامع الصحیح، ص: ۲۰، حدیث نمبر ۸۹۔

۱۰۶۔ ایضاً، ص: ۲۷، حدیث نمبر ۱۲۷۔

۱۰۷۔ ایضاً، ص: ۲۲، حدیث نمبر ۹۵۔

۱۰۸۔ ترمذی، السنن، ص ۸۳۰، حدیث نمبر ۳۶۳۹۔

۱۰۹۔ نسائی، السنن (دارالسلام الریاض، الطبعۃ الاولی ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء) ص: ۴۲۳، حدیث نمبر ۳۰۸۹۔

۱۱۰۔ بخاری، الجامع الصحیح، ص: ۱۷، حدیث نمبر ۷۰۔

۱۱۱۔ الترمذی، السنن، ص: ۶۰۱، حدیث نمبر ۲۶۴۹۔

۱۱۲۔ ابن ماجہ، السنن، ص: ۳۶، حدیث نمبر ۲۳۳۔

۱۱۳۔ احمد، المسند، ص: ۱/ ۵۷۔

۱۱۴۔ الترمذی، السنن، ص: ۶۲۲، حدیث نمبر ۲۷۴۹۔

۱۱۵۔ ایضاً، ص: ۶۲۳، حدیث نمبر ۲۷۵۲۔

۱۱۶۔ ایضاً، ص ۶۲۳:، حدیث نمبر ۲۷۵۳۔

۱۱۷۔ احمد، المسند، ص: ۵/۲۳۸۔

۱۱۸۔ ابن الاثیر، اسد الغابہ فی معرفہ الصحابہ، ص: ۱/ ۱۲۸۔

۱۱۹۔ بخاری، الجامع الصحیح، ص: ۱۲۶۸، حدیث نمبر ۷۳۷۳۔

۱۲۰۔ ابوداؤد، السنن، ص: ۵۱۶، حدیث نمبر ۳۵۹۲۔

۱۲۱۔ الازہری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاء النبی ﷺ، ص: ۴/ ۷۷۰۔

۱۲۲۔ ترمذی، السنن، ص: ۷۴۴، حدیث نمبر ۱۹۱۹۔

۱۲۳۔ ایضاً، ص: ۵۲۸، حدیث نمبر ۲۳۰۵۔

۱۲۴۔ بخاری، الجامع الصحیح، ص: ۳۹۴، حدیث نمبر ۲۴۴۲۔

۱۲۵۔ مسلم، ابوالحسین مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح (دارالسلام الریاض، الطبعۃ الاولی، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء) ص: ۴۱، حدیث نمبر ۷۳۔

۱۲۶۔ احمد، المسند، ص: ۵/۲۵۰۔

۱۲۷۔ مسلم، الجامع الصحیح، ص: ۱۱۲۰، حدیث نمبر ۶۵۱۶۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عصر حاضر میں بین المذاہب ہم آہنگی کی ضرورت واہمیت

Significance and Importance of Interfaith Harmony in the contemporary world

ڈاکٹر نور حیات خان*

ABSTRACT

The enmity and differences among nations have risen along with the increasing distances among people. Therefore, the need of hour is to develop the spirit of harmony and understanding among the followers of revealed religions. The Messengers and Prophets were designated by Allah to promote and promulgate, justice, tolerance, love and harmony among His creations. Islam is a religion based on characteristics of peace, love, respect, tolerance, dignity and denial of extremism, which are in the contemporary world ideal for interaction among nations.

Islam teaches to respect all the religions and prophets to maintain and sustain the peace and harmony. The advanced technology of modern world and inventions demand intense responsibility to maintain and enhance the better human relations in Political, Social, Economic, Religious, and Cultural spheres of life.

The present article envisions all those dimensions, which are essential for interfaith harmony.

Keywords: Interfaith; Religious harmony; Universal Unity; Monism; Freedom of Faith; Universal Ethics; Cultural spheres.

ہم آہنگی کا مفہوم

ہم آہنگی میں کلمہ "ہم" (ضمیر جمع متکلم کا صیغہ ہے) سے مراد میں اور میرے ساتھی ہیں(۱) یہ حرف عطف ہے اور بطور سابقہ معنیٰ ہیں: شریک، ساتھی، شامل، ہم پایہ، ہم پلہ، رتبے میں ایک دوسرے کے برابر وغیرہ(۲)۔

---

* اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اور ” آہنگی“ موزونیت، ہم وزن، ہم رتبہ، ہم پلہ اور برابری وغیرہ کے معنی میں مستعمل ہو گا جیسا کہ سید احمد دہلوی رقمطراز ہے:

”ہم آہنگ۔ صفت۔ ہم قول، شریک الرائے، سُر یاراگ میں شریک، ہمسفر، ساتھی ہونا وغیرہ“(۳)

عربی میں اس کے لیے قریب قریب یہ الفاظ استعمال ہونگے:

”موافق، متفق، مساوی، مقارب، متحد وغیرہ۔ اردو میں ہم آہنگ ہونا، فارسی میں آہنگ شدن جبکہ انگریزی میں Coordinate, Harmonize: come into agreement,

Harmonious: concordant اور near

وغیرہ کے الفاظ استعمال ہونگے(۴)۔

پس لغوی اعتبار سے ”ہم آہنگ“ سے مراد ہے دو یا دو سے زیادہ اشیاء یا افراد کو باہم مربوط، متحد، موافق اور باہم دیگر ملانا اور یکجا کرنا(۵)۔ اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے عربی میں موزون اور قریب قریب یہ کلمات استعمال ہونگے: (اتحاد، السوية، السواء، اتفاق، القرب والتقريب) (۶)۔

اگر ہم آہنگی کے لیے لفظ ”اتحاد“ استعمال ہو تو معنی یہ ہونگے:

(اتحدالشيىء بالشيىء ،اتحد القوم اتحد الشيئان أوالأشياء:اى صارت شيئاً واحدا)(۷)

ایک شے دوسری شے سے متحد ہو گئی، قوم متحد ہو گئی، دو اشیاء یا زیادہ اشیاء متحد ہو گئیں یعنی گھل مل کر ایک ہو گئیں۔

اس معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوا کہ ان میں سے ہر چیز کی علیٰحدہ حیثیت ختم ہو گئی۔

السویۃ والسواء: اگر ہم آہنگی کے لئے یہ لفظ استعمال ہو تو یہ معنی ہوں گے :برابری اور عدل۔کہتے ہیں،السوية والسواء:اى العدل والنصف (۸) یعنی عدل اور نصف (کسی چیز کو دوبرابر حصوں میں تقسیم کرنا)اس معنی ومفہوم میں اللہ کا یہ قول مستعمل ہے۔﴿تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا وبینکم﴾ (۹)ایک کلمے کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے یعنی عدل پر مبنی ہے اور ہمارے لیے باہم برابر ہے۔

جیسا کہ معجم الوسیط میں ہے۔

:السواء:ای المثل والنظیر(۱۰) یعنی برابر وہم مثل جو Assimilate،Equal اور Alike کے معنی دیں گے۔(۱۱)

کہتے ہیں:ساوى الرجل قرنه وتساوى فى كذا (۱۲)فلان اپنے دوست کے برابر ہوا یعنی ہم مثل ہے وهذان سيان وهم اسواء (۱۳) یعنی یہ دونوں برابر اور وہ ملتے جلتے ہیں اور ہم آہنگ (Accordance)ہیں(۱۴)۔

اگر ہم آہنگی کے لیے لفظ "اتفاق" استعمال ہو تو یہ معنی ہونگے:اتفق الإثنان،اى تقاربا واتحدا وتوافقوا فى الأمر:اى تقاربوا (۱۵)۔دو متفق ہوگئے یعنی ایک دوسرے کے قریب ہوئے اور اسی طرح وہ متحد ہوگئے۔انہوں نے اس معاملے میں اتفاق کر لیا یعنی قریب ہوگئے۔

اگر ہم آہنگی کے لیے القرب والتقريب والتقارب کے الفاظ مستعمل ہوں تو معنی القرب: نقيض البعد والتقريب:اى التدنى إلى شيىء (۱۶) کے ہونگے۔:قریب بعید کی ضد اور تقریب کسی چیز کی قربت کے معنی میں ہے اور تقارب تباعد کی ضد ہے۔کہتے ہیں:قارب فلان فى الامر:اذا ترك الغلو وقصدالسداد۔وفى الحديث ((قاربوا وسددوا)) (۱۷) اى إقتصدوا فى الأمور كلها واتركوا الغلو فيها والتقصير(۱۸)۔

وہ فلاں معاملے میں قریب ہوا یعنی غلو اور شدت کو چھوڑ کر میانہ روی اختیار کی جیسا کہ حدیث شریف میں ہے ، قریب ہو جائو اور غلو و شدت پسندی کو چھوڑدو۔یعنی تمام معاملات میں میانہ روی اختیار کرو اور کمی بیشی چھوڑ دو۔

منجد میں کچھ اضافے کے ساتھ اس طرح بیان ہوا ہے :قارب فی الأمر:ترك الغلو وقصد السداد والصدق(۱۹)۔وہ اس معاملے مں قریب ہوا یعنی غلو چھوڑ کر میانہ روی اور سچائی اختیار کی۔

اس وسطیت کو ابن منظور نے یوں بیان کیا ہے "تقارب الشیئان: تدانیا،دین مقارب: وسط بین الجید والردی" (۲۰) ۔دو چیزیں قریب ہوئی یعنی نزدیکیت اختیار کی۔اور دین مقارب سے مراد دین وسط ہے جو دو انتہاوئوں کے درمیان ہو۔

پس ہم آہنگی کا مطلب یہ ہوا کہ دو یا دو سے زیادہ چیزوں کو ہم مشرب،ہم رکاب،ہم سفر،ہم سفیر بنانا،اعتدال اور برابری کی سطح پر لانا، قریب لانا،توافق پیدا کرنا اور میانہ روی کی روش پر ڈالنا اور انصاف پر قائم رکھنا۔

اور المذاہب سے مراد ادیان سماوی ہیں جس کی اساس اور بنیاد وحی الٰہی پر مبنی ہے بالفاظ دیگر یہ ادیان والہامی مذاہب اپنے مبدا اور مصدر کے لحاظ سے متحد و یکجا اور ہم آہنگ ہیں۔ان کی شریعتیں اور انبیاء قوموں کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے بھیجی گئ تھیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قدارْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهم الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴾ (۲۱)

ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔

اسی سورت میں اسی آیت کے بعد حضرت نوحؑ،ابراہیمؑ اور اشارتا دوسرے انبیاء کی بعثت اور ان کو کتابیں دیے جانے کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ان جیسی بہت سی آیات قرآنی سے اور خود تورات وانجیل اور

دوسری کتب سماوی سے یہ بات ثابت ہے کہ ادیان سماوی کا مبدأ و مصدر ایک ہی ہے جو وحی الٰہی ہے اور جس کے نازل کرنے والے ایک ہی الہ ورب اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے۔

پس بین المذاہب ہم آہنگی کا مطلب یہ ہوا کہ یہ الہامی مذاہب اپنے منبع ومصدر کے لحاظ سے ایک ہیں۔ ہم آہنگ وہم مثل ہیں۔ ان میں توافق پایا جاتا ہے۔ یہ برابری، عادلانہ اور منصفانہ قوانین پر مبنی ہیں اور غلو وشدت پسندی کے خلاف ہیں، میانہ روی کا تقاضا کرتے ہیں، ان کے اصول واہداف یکساں اور متحد ہیں اور ایک ہی چشمے سے پھوٹے (نکلے) ہیں جیسا کہ حضرت جعفر طیارؓ نے نجاشی (اصحمہ کے استفسار کے بعد تقریر کے دوران سورت مریم کی تلاوت کی تو نجاشی ابھی خاموش ہی تھا کہ اس کے درباریوں کی زبان سے بے ساختہ یہ کلمات نکل گئے: بخدا مسیحؑ کا کلام اور ان کلمات کا مصدر ایک ہی ہے اور نجاشی نے کہا "بے شک! موسیٰؑ اور آپ کے صاحب ﷺ ہر دو کی وحی ایک ہی مشکوٰۃ نور سے روشن ہوتی ہے" (۲۲)۔

جبکہ قرآن میں جگہ جگہ اس بات کو وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے کہ تمام انبیاء کی شریعتیں متحد المصدر رہیں۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَاوَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ (۲۳)۔

"اس نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا اور جسے (اے محمد ﷺ اب تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعے بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ"۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عقائد سماوی جو انبیاءؑ پر نازل کئے گئے تھے ایک ہی تھے جیسا کہ شریعتوں کے مبادی عامہ اور اصول اخلاق ایک ہی تھے پس جو کچھ موسیٰؑ لیکر آئے تھے وہی عیسیٰؑ اور محمد ﷺ لے کر آئے تھے۔ لہٰذا تمام انبیاءؑ عقائد اور عام تعامل (معاملات) کی اساسیات میں متحد ومشترک ہیں اگرچہ بعض تشریعات اور تفصیلی جزئیات کے اصول میں اختلاف تھا تاکہ حالات وزمانے کے اصول کے اعتبار سے مناسب وموزون ہوں۔

تمام انبیاءؑ اور رسول خاص اہداف کے ساتھ تشریف لائے تھے جو درج ذیل ہیں:

١۔اثبات وحدانية الله ووصفه بكل كمال يليق بذاته وتنزيه عن تصورات من النقائص والمعايب۔ (اثبات توحید وصفات جو اللہ کے لائق ہے اور ہر عیب و نقص سے پاک کرنا)

٢۔اثبات البعث والحساب وكل مراحل مابعد الموت۔

(زندگی بعد موت کے تمام مراحل اور حساب وعذاب کا اثبات)

٣۔وضع مبادیء الاخلاقية السليمة التی تنظم علاقة المخلوقين بعضهم لبعض(٢٤)۔

اور اخلاق سلیمہ کے مبادی وضع کرنا تاکہ مخلوق کا ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات کو منظم کیا جائے۔

ان حقائق کی طرف قرآن کریم کے بے شمار آیات میں اشارہ کیا گیا ہے مثلاً سورۃ الشوریٰ کی سابقہ آیت کے تحت امام الصاوی جلالین کی شرح میں لکھتے ہیں:

"ان انبیاءؑ کا اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ یہ اولوالعزم اور بزرگ انبیاء ہیں ،عظیم شریعتوں کے رہبر اور ہر ایک ان میں شریعت جدیدہ کے مالک ہیں جبکہ باقی انبیاء ورسل سابقہ شریعتوں کی تبلیغ پر مامور تھے اور یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ خیر الرسل حضرت محمد ﷺ کو مبعوث کیا گیا جس نے سابقہ تمام شریعتوں کے اصول اعتقادات اور اصول الاحکام کو جمع فرمایا"(٢٥)۔

ان مبادی اصولیہ کے متفق ہونے کی اہمیت کا اندازہ اس آیت سے لگائیے کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو ان پر ایمان لانے کی تاکید فرمائی ہے۔ارشاد ہے:

﴿قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ (٢٦)

اے نبی ﷺ ، کہو کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں ،اس تعلیم کو مانتے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی ہے ،ان تعلیمات کو بھی مانتے ہیں جو ابراہیمؑ اسماعیلؑ ،اسحاقؑ ،یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ پر نازل ہوئی تھیں اور ان ہدایات پر

بھی ایمان رکھتے ہیں جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی۔ ہم ان کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم تابع فرمان مسلم ہیں۔

یعنی اس بات کا اقرار اور اس پر ایمان کہ یہ کتب سماویہ منزل من اللہ تھیں اور اللہ کے چنیدہ اور بزرگ انبیاء اس کو لے کر آئے تھے اور ہم ہر گز ان کے درمیان فرق نہیں کرتے، اس اقرار کا نام "اسلام" اور اس کے اقرار کرنے والے کو "مسلم" کہا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے تمام ادیان سماوی متحد و مربوط ہیں اور باہم دیگر ہم آہنگ بھی۔

لیکن موجودہ دور اور شکل میں ادیان سماویہ کو یکجا ومتحد تو نہیں کیا جاسکتا (کیونکہ یہودیت ونصرانیت ہر دو الہامی مذاہب ان بنیادی اصولوں سے منحرف ہوگئے ہیں) تاہم ان کو قریب ضرور کیا جاسکتا ہے اور رواداری ،احترام بین الادیان تحمل اور تقارب وتفاہم کے لیے ماحول کو سازگار بنایا جاسکتا ہے ۔ لہٰذا اس مقالے میں "بین المذاہب ہم آہنگی" سے ہماری مراد تقارب، تفاہم اور بین المذاہب رواداری ہے جو مناسب وموزون بھی ہے۔

پس تقارب سے مراد یہ ہو گا کہ غلو وشدت کو چھوڑ کر میانہ روی اختیار کی جائے اور رواداری کو فروغ دیکر احترام انسانیت وادیان کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ بین المذاہب ہم آہنگی اور رواداری کے لیے قطعاً منافقت اور دورنگی کی ضرورت نہیں کہ ہر غلط ومتضاد قسم کے خیالات وافکار اور عقائد کو درست قرار دیا جائے۔ اس کی وجہ جو بھی ہو۔ حالانکہ یہ عین نفاق ہے۔

بلکہ رواداری کے معنی یہ ہیں کہ جن لوگوں کے عقائد وافکار ہمارے نزدیک غلط ہیں ان کو ہم برداشت کریں۔ ان کے جذبات کالحاظ کرکے ان پر ایسی نکتہ چینی نہ کریں جو ان کو رنج پہنچانے والی ہو (۲۷)۔

لہٰذا ایک شخص اپنی جگہ جو دین وعقیدہ صحیح سمجھ رہا ہو اس پر عمل کرے اور دوسروں کو اس کی طرف دعوت بھی دے لیکن کسی کو جبراً اپنے خیالات اور عقیدے پر مجبور کرنا، ان کو گالی دینا اور

برا بھلا کہنا درست نہیں اور نہ اس طرز عمل سے کسی کے خیالات اور عقیدے کو تبدیل کیا جاسکتا ہے اور نہ بزور ایسا ممکن ہے۔ خاص کر اسلام اس چیز اور طرز عمل کی اجازت نہیں دیتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَآاِكْرَاه فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ (۲۸)

دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے، صحیح بات غلط خیالات سے چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔

﴿ وَلَا تَسُبُّواالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوااللّٰه عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾(۲۹)

اے مسلمانو! یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انہیں گالیاں نہ دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے بڑھ کر جہالت کی بناء پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔

اگر چہ اہل کتاب کی بغض وعداوت کی باتیں ظاہر ہو چکی ہیں (۳۰) اور یہ آج سے نہیں من لدن نبی حضرت محمد ﷺ کی دور ہی سے ہورہاہے ، تاہم اس کے باوجود مسلمانوں کو رواداری ، تحمل ، برداشت، صبر واستقلال اور حسن اخلاق کی تعلیم و تلقین ہے۔ اسلئے کہ قائد ملت اسلامیہ حضرت محمد ﷺ کے اخلاق وسیرت ہمارے لیے نمونہ ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایاہے:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلىٰ خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ (۳۱)۔ اور بے شک تم اخلاق کے بڑے رتبے پر ہو۔

﴿لَقَدْكَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَة حَسَنَة﴾ (۳۲)۔ اور تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔

اور آپ ﷺ نے اچھے اخلاق سے مزین ہونے کی تلقین کی ہے فرمایا: تم میں سے حسین ترین شخصیت کا مالک وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں (۳۳)۔

حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا کی چمک دمک اور نیر نگی اس کے اختلاف اشیاء میں مضمر ہے لیکن اس کا مطلب ہر گز آج تک یہ نہیں لیا گیا کہ بعض اشیاء کو مٹا کر ایک کو باقی رہنے دیا جائے۔ اگر ایسا ہوا تو دنیا کی ساری رعنائیاں یکسر معدوم ہو جائیں گی بلکہ یہ ساری خوبصورتی اور جمال تو اس کی مرہون منت ہے۔

دنیائے کائنات میں اختلاف ناگزیر ہے اور مطلوب بھی کیونکہ ''تعرف الأشياء بأضدادها'' (۳۴) کا تقاضا ہے تاہم یہ اختلاف اس حد تک بڑھنے نہ پائے کہ ایک دوسرے کو معدوم کرنے پر تل جائے بلکہ اختلاف کے باوجود کارخانہ قدرت کو پیہم رواں دواں رہنا چاہیے لیکن حق حق ہے اور باطل باطل۔ کیونکہ حق ایک ایسی اکائی ہے جس کا تجزیہ (تقسیم) نہیں ہو سکتا۔ حق نہ ہو گا تو لازماً باطل ہو گا اور حق اور باطل دونوں میں اختلاط وامتزاج اور بقائے باہم محال ہے حکم اللہ کا چلے گا یا جاہلیت کا۔ اللہ کی شریعت کا سکہ رواں ہو گا یا پھر ہواء نفس کی عملداری ہو گی (۳۵)۔

بہر حال جہاں حق ملے، معلوم ہو جائے اس کی طرف رجوع کرنا لازم ہے اگرچہ دوسروں کو اس پر مجبور کرنا منشائے الٰہی نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴾ (۳۶)

''پھر کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مؤمن ہو جائیں''۔

عصر حاضر میں ہم آہنگی کیلئے چند بنیادی قدامات کی ضرورت

عصر حاضر میں امن وآشتی کی اس عالمی قریے (Global village) میں اشد ضرورت محسوس کی جارہی ہے اتنی کہ شائد کبھی خیال میں بھی نہ گزرا ہو کیونکہ دور جدید کی اس دنیا میں مہلک ترین ایٹمی ہتھیاروں کی کوئی کمی نہیں اور ذرا سی بے احتیاطی سے یہ عالمی قریہ ایک اور تباہ کن جنگ کا پیش خیمہ بن سکتی ہے جو اسے آناً فاناً بھسم کر دے۔ اس ہولناک تباہی سے بچنے کے لیے اور انسانی زندگی کی بقا کے لیے بین المذاہب ہم آہنگی اور افہام وتفہیم از بس ضروری ہے۔

بین المذاہب ہم آہنگی جو دنیائے عالم کے امن وسلامتی کے لیے ایک اہم وسیلہ بن سکتا ہے، اس کے لئے ہمیں چند ایک اقدامات کرنے ہو نگے:

انسانیت کی خیر خواہی: نہ صرف الہامی مذاہب بلکہ دنیا کے دیگر مذاہب کے ماننے والے بھی انسانیت کے لیے بھلائی اور خیر خواہی پر زور دیتے ہیں، اس کے لئے بنیادی اخلاقیات اپنانے اور اس سے پیش آنے کے سب آرزومند ہیں۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے فرمایا:

((خَيْرُالنَّاسِ مَنْ يَّنْفَعُ النَّاسَ))(۳۷) لوگوں میں سے بہتر وہ ہے جو انسانوں کو نفع پہنچاتا ہے۔

دنیائے انسانیت کے فوز وفلاح کے ضامن اور امن عالم کے علمبردار انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے اس خاص صفت سے متصف کر کے مبعوث فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَجَعَلْنَاهمْ اَئِمَّة يهدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ ﴾ (۳۸)۔

اور ہم نے ان کو امام بنادیا جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے اور ہم نے انہیں وحی کے ذریعے نیک کاموں کی ہدایت کی۔

گویا انبیاءؑ کی تبلیغ کا بنیادی نقطہ اور مقصد ایسے پاکیزہ عالمی معاشرے کی تشکیل ہے جو خیر وفلاح کے جذبوں سے عبارت ہو، جس میں بدی اور تخریب کاری کا کہیں شائبہ نہ ہو اور انسانیت کی فوز وفلاح اور پاکیزہ نشوونما کے راستے سنورتے ہوں(۳۹)۔

انسانیت کی سب سے بڑی خیر خواہی اس کے لئے ابدی سعادت مندی کی تلاش ہے اور اسلام پوری انسانیت کا بہی خواہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلدِّيْنُ النَّصِيْحة))(۴۰) دین خیر خواہی ہے، یہ جملہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ دہرایا ہے۔

اسلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کو تمام انسانیت کے لیے بہی خواہی کا داعی بنا کر بھیجا ہے، فرمایا: ﴿ ياايُّهاالنَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلِ اللّٰه اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ﴾ (۴۱)۔

اے انسانو! میں تم سب کی طرف اس خدا کا پیغمبر ہوں جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سب انسانوں کی طرف اس لئے مبعوث فرمایاہے تا کہ سب اس سے بلاکسی تفریق کے مستفید ہو سکیں کیونکہ آپ ﷺ سب کے لیے رحمۃ العالمین ہے ،فرمایا: ﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ (۴۲) اے نبی ﷺ!ہم نے تو تم کو دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

یہ وہ خیر خواہی ہے جو دنیاو آخرت کی سعادت مندی کی زندگی عطا کرتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً ﴾ (۴۳)۔

”اے پروردگار!ہمیں دنیامیں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی،اورآگ کے عذاب سے ہمیں بچا“۔

ڈاکٹر خالد علوی (مرحوم)اس فیاضی و خیر خواہی نبوی کے سلسلے میں رقمطراز ہے:

”آپ ﷺ کی طبعی فیاضی،انفرادی معاملات کے علاوہ ریاست کی تنظیم پر اثراندازی تھی۔معاشرتی فلاح اور اجتماعی بہبود کی پالیسیوں میں آپ ﷺ کی طبعی فیاضی کا بڑادخل ہے خلق خدا کے لیے یوں تو انبیاء سے بڑھ کر کوئی خیر خواہ نہیں ہوتااور ان کی دعوت کا بنیادی پتھر ہی خیر خواہی ہے لیکن آپ ﷺ کی توجہ سے یہ خیر خواہی اسلامی ریاست کی فلاحی پالیسی کا اہم جزو قرار پائی“(۴۴) ۔

اس عظیم اور بڑی کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام عالم کے لیے نذیر بنا کر بھیجا،ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ﴾ (۴۵) ۔

نہایت متبرک ہے وہ (اللہ) جس نے یہ فرقان اپنے بندے پر نازل کیا تاکہ سارے جہان والوں کے لیے خبر دار کر دینے والا ہو۔

اور آپ ﷺ پر نازل کردہ کتاب کو عالم انسانیت کے لیے رشد وہدایت کا ذریعہ بنایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّآاَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ﴾ (۴۶)۔

"اے نبی ﷺ، ہم نے سب انسانوں کے لیے یہ کتاب برحق تم پر نازل کردی ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے ابدی کامیابی سے ہمکنار ہونے کے لیے اس کتاب کلید سے کسی کو محروم نہیں رکھا اور اس فرقان حمید سے استفادہ کا موقع سب کو یکساں دیدیا ہے کہ جو چاہے اس سے کسب فیض کرے اور آپ ﷺ کو اپنا رہبر اور ہدایت کا ذریعہ بنائے اور جو اس کو نہ مانے اس پر کوئی جبر واکراہ کو روا نہیں رکھا بالفاظ دیگر سب انسانوں (تمام مذاہب کے پیروکاروں) کو مکمل مذہبی آزادی نہ صرف دی ہے بلکہ ان کو اپنے مذہبی شعائر کے مطابق زندگی گزارنے اور اپنانے کی خود مختاری بھی دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَااِکْرَاہ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ﴾ (۴۷) دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں، صحیح بات غلط خیالات سے چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے ۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کا یہ اعتقادی اور اخلاقی و عملی نظام کسی پر زبردستی نہیں ٹھونسا جاسکتا۔ یہ ایسی چیز ہی نہیں ہے جو کسی کے سر جبراً منڈھی جاسکے (۴۸)۔ یہی فہم وسوچ تھی جس کی بناء پر خلیفہ راشد عمر فاروقؓ اپنے غلام اسبق کو جو نصرانی تھا اسلام پیش کرتے وہ انکار کرتا۔ آپ کہہ دیتے ، خیر تیری مرضی، اسلام جبر سے روکتا ہے (۴۹)۔ لیکن جب آپؓ کی شہادت ہوئی تو بعد میں اپنی خوشی اور آزادی کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوا (۵۰)۔ ﴿ لَااِکْرَاہ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ﴾

دین کے پیغام کے واضح ہونے اور سمجھانے کے بعد کسی کو ایمان کے لیے مجبور کرنا منشائے الٰہی نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ اَفَاَنْتَ تُکْرِہُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴾ (۵۱)۔

اگر تیرے رب کی مشیت یہ ہوتی (کہ زمین میں سب مومن وفرمان بردار ہی ہوں) تو سارے اہل زمین ایمان لے آئے ہوتے۔ پھر کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہو جائیں ۔

اس آیت کے تحت صاحبِ تفہیم القرآن رقمطراز ہے:

"یہاں جو کچھ کہنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ لوگو! حجت اور دلیل سے جو ہدایت وضلالت کا فرق کھول کر رکھ دینے اور راہ راست صاف صاف دکھادینے کا حق تھا وہ تو ہمارے نبی نے پورا پورا ادا کر دیا ہے۔ اب اگر تم خود راست رو بننا نہیں چاہتے اور تمہارا سیدھی راہ پر آنا صرف اسی پر موقوف ہے کہ کوئی تمہیں زبر دستی راہ راست پر لائے تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ نبی کے سپرد یہ کام نہیں کیا گیا ہے۔ ایسا جبری ایمان اگر اللہ کو منظور ہوتا تو اس کے لیے اسے نبی بھیجنے کی ضرورت ہی کیا تھی، یہ کام تو وہ خود جب چاہتا، کر سکتا تھا"

(۵۲)۔

یہ اسلامی خیر خواہی کا علم ہے کہ وہ اپنا اصلاحی پروگرام سب کے سامنے پیش کرتا ہے لیکن کسی سے جبراً منوانے اور ٹھونسنے کی کوشش نہیں کرتا اور اس بات پر تاریخ عالم گواہ ہے۔

احترام عقیدہ ومذہب وبانیان مذاہب اور امن وسلامتی:

دین اسلام میں توحید الوہیت کو ہر قسم کے نفسی اور آفاقی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے تاہم جو اس کے باوجود تسلیم نہ کریں اور باطل خدائوں کا عقیدہ رکھیں، اسلام ان کے ان باطل خدائوں کو برے القاب اور گالی دینے سے باز رکھتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَاتَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰه فَيَسُبُّوا اللّٰه عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ (۵۳)

اور (اے مسلمانو!) یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انہیں گالیاں نہ دو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بناء پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔

امام بیضاویؒ اس آیت کے تحت رقمطراز ہے:

"فيه دليل علىٰ ان الطاعة اذا ادت الىٰ معصية راجحة وجب تركها فانهايؤدى الى الشر شر"(۵۴)۔

یعنی آیت مذکورہ سے یہ دلیل (قاعدہ) مستنبط ہے کہ اطاعت جب معصیت واضحہ کا سبب بن رہا ہو تو اس کا ترک کرنا واجب (لازم) ہے کیونکہ جو چیز کسی شر کا سبب بن رہا ہو وہ شر ہوتا ہے۔

مفتی محمد شفیعؒ کے بقول: "ہر وہ کام جو خود کرنا جائز نہیں اس کا سبب اور ذریعہ بننا بھی جائز نہیں" (۵۵)۔

گالی گلوچ اور بدزبانی اسلامی اخلاقیات کے منافی ہے۔ نبی ﷺ اس سے روکتے تھے۔ بے شمار احادیث میں اس کی شناعت اور برائی بیان ہوئی ہے لیکن ممکن تھا کہ امت کے افراد سے کہیں مناظرہ وبحث وتمحیص میں کہیں تجاوز ہو جائے تو اسلئے امت مسلمہ کو ہدایت کی گئی کہ کسی کے باطل خدا کیوں نہ ہوں ان کو گالی دینا مناسب نہیں۔ اس سے پرہیز لازم ہے۔

اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ اسلام بین المذاہب ہم آہنگی اور رواداری کو انتہائی اہمیت دیتا ہے اور مختلف ادیان اور ان کے بانیان مذاہب کو احترام کی نظر سے دیکھتا ہے اور بین المذاہب ہم آہنگی اور رواداری اسی صورت میں ہوگی جب مذہبی آزادی ہو اور رواداری کا مظاہرہ ہو اور بانیان مذاہب کا احترام ہو کیونکہ زور زبردستی سے کسی کے خیال وفکر اور عقیدے کو تبدیل کرنا ممکن نہیں۔ لیکن ایسا کرنے سے بجز اس کے کہ انسانوں کا خون ٹپکے اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا اور امن وسلامتی تباہ ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں داعی کو دعوت کے سلسلے میں حکمت اختیار کرنے کا درس دیا گیا ہے، اور اسی کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

﴿ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ ﴾ (۵۶)۔

اے نبی ﷺ! اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ۔

کیونکہ کوئی کسی کا ذمہ دار اور داروغہ نہیں بنایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَسْتَ عَلَیْہِمْ بِمُصَیْطِرٍ ﴾ (۵۷)۔ اے نبی ﷺ! تم ان پر جبر کرنے والے نہیں ہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْہا وَمَااَنْتَ عَلَیْہِمْ بِوَکِیْلٍ ﴾ (۵۸)۔

جو بھٹکے گا اس کے بھٹکنے کا وبال اسی پر ہوگا، تم ان کے ذمہ دار نہیں ہو۔

یہ دین اسلام کا وہ تاریخی کارنامہ ہے جس سے مذہبی انتہاپسندی کا خاتمہ ہوا ہے، مذہبی آزادی ملی اور رواداری کا اصول وضع ہوا ہے۔ اور بین الاقوامی امن وسلامتی کے لیے ناگزیر ہے کہ احترام عقیدہ ،مذہبی آزادی اور رواداری ہو۔ مذاہب اور بانیان مذاہب کے احترام کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ بالفاظ دیگر عصر حاضر میں انتہاپسندانہ اور دہشت گردی کے رجحانات وعزائم کی وجہ عدم احترام مذاہب و بانیان مذاہب ہے۔

مثلاً اگر کوئی پیغمبر خدا حضرت موسیٰ ؑ یا حضرت عیسیٰ ؑ کو گالی دے، ان کے حق اور شان میں گستاخی کرے تو ان کے پیروکاروں میں لا محالہ اشتعال پیدا ہوگا، کسی میں پیدا ہوگا یا نہیں لیکن ایک مسلمان اس کو برداشت نہیں کرے گا اور ماحول کشیدہ ہوگا اور خون خرابے کا باعث ہوگا کیونکہ احترام انبیاء ؑ خاص کر ایک مسلمان کے عقیدے کا ایک لازمی حصہ وجزو ہے چہ جائیکہ حضرت محمد ﷺ کو کوئی گالی دے یا برے القاب سے یاد کرے یا شان میں گستاخی کرے۔

لہٰذا بین المذاہب ہم آہنگی جو امن عالم کے لیے ضروری ہے اس وقت پیدا ہوگی جب ہم دوسروں کے مذہب وعقیدہ اور راہنماؤں کی عزت واحترام کریں گے۔

اسلام امن وسلامتی کو ہر قیمت پر قائم رکھتا ہے اور اسے مقدم رکھتا ہے خواہ جنگ کے حالات کیوں نہ ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ (۵۹)"اور اے نبی ﷺ! اگر دشمن صلح وسلامتی کی طرف مائل ہو تو تم بھی اس کے لیے آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو"۔

اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کو فساد ناپسند ہے اور اس سے روکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَاتَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾ (۶۰)۔"اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو"۔

اور فرمایا: ﴿ وَلَاتُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِها ﴾ (۶۱)۔

اور زمین میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہو۔

یعنی سینکڑوں اور ہزاروں برس میں اللہ کے پیغمبروں اور نوع انسانی کے مصلحین کی کوششوں سے انسانی اخلاق اور تمدن میں جو اصلاحات ہوئی ہیں ان میں اپنے غلط کاریوں سے خرابی برپا نہ کرو(٦٢) بلکہ صلح وآشتی اور امن وسلامتی کی طرف ہاتھ بڑھائو کیونکہ اس میں خیر وبھلائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ﴾ (٦٣)۔ اور صلح بہر حال بہتر ہے۔

بایں طور مؤمن اور مسلم امن وسلامتی کا پیغمبر ہوتا ہے اور آپ ﷺ نے مؤمن اور مسلم کی تعریف بھی یہی کی ہے۔ فرماتے ہیں: ''مؤمن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان اور مال امن میں پاتے ہیں اور مسلم وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے محفوظ ہوں''(٦٤) ۔

چونکہ اسلام ایک دعوتی دین ہے اور دعوتی عمل صرف پرامن حالات میں انجام دیا جاسکتا ہے اور جہاں تنائو اور ٹکرائو کا ماحول ہو گا وہاں دعوت وتبلیغ کا کام کرنا ممکن نہیں ہوتا، اس لئے اسلام چاہتا ہے کہ ہر قیمت پر انسانوں کے درمیان امن قائم رہے حتیٰ کہ امن کے قیام کے لیے اگر اسلام کو یک طرفہ قربانی دینا پڑے تو یک طرفہ قربانی دیکر انہیں امن قائم کرنا چاہئے(٦٥)۔

تاریخ گواہ ہے اور دنیا کے سامنے یہ حقیقت واضح ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ امن وصلح اور سلامتی کو اہمیت وترجیح دی ہے خواہ یہ موقع حلف الفضول (٦٦) کا ہو، یا تنصیب حجر اسود (٦٧) کا، میثاق مدینہ (٦٨) ہو یا صلح حدیبیہ (٦٩) کا، خطرناک دشمن بنو قریظہ (٧٠) کا ہو یا جانی دشمنوں کے ساتھ حالت جنگ فتح مکہ (٧١) کا، یا پھر معاہدہ اہل نجران (٧٢) کا مرحلہ ہو۔ آپ ﷺ نے دیگر مذاہب اور اقوام کے ساتھ ہمیشہ رحم دلی اور محبت کا رویہ رکھا اور اس کی تلقین فرمائی۔ اور یقیناً یہی محبت اور ہمدردی کے رویے انسانوں کی قربت اور ان کی آپس میں ہم آہنگی میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں (٧٣)۔

آج کی دنیا کا المیہ یہ ہے کہ ہم اس امن واخوت کے پروگرام سے دور ہوتے جارہے ہیں، جس مادی ترقی نے ہمیں

اس سے اخلاقی لحاظ سے دور کر دیا اور اس کا ساتھ نہیں دے پاتے، ایک شاعر نے اس کے بارے میں کیا خوب کہا ہے:

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا　　　اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا(۷۴)۔

☆ **تیز ترین میڈیا اور بین المذاہب ہم آہنگی**

اس جدید دور اور Global village میں ذمہ دارانہ رویہ اپنانے کی ضرورت ہے کیونکہ روز روز دنیائے عالم کی مختلف اطراف میں نئے نئے واقعات اور حادثات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ اگر دنیا کے بڑے، ذمہ دار اور اہم شخصیات اور مذہبی سکالر و لیڈر ذمہ داری کا احساس کریں اور ایسے واقعات کو اس تیز ترین میڈیا کے ذریعے مثبت انداز میں پیش کرا کے دنیائے انسانیت کی بہتر راہنمائی کا فریضہ ادا کریں تو بہت سے مشتعل ذہنوں کو ٹھنڈا کیا جا سکتا ہے اور امن و سلامتی اور آشتی کو پروان چڑھا سکتے ہیں ورنہ خدانہ خواستہ چہل پہل سے آراستہ دنیائے عالم(Global village) کو آگ لگنے میں دیر نہیں لگے گی۔

خبروں اور واقعات کو احساس ذمہ داری کے ساتھ پیش کرنا چاہئے ورنہ ساری خرابی اور تباہی کے ذمہ دار یہی بڑی اور ذمہ دار شخصیات ہونگی۔ اس سلسلے میں اسلام نے ایسے واقعات اور خبروں میں چھان پھٹک کی تاکید کی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يأيها الَّذِيْنَ أمنوا إن جاء كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فتبينوا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًابِجَهالَة فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْن ﴾ (۷۵)۔

اے ایمان والو! اگر کوئی غیر معتمد شخص تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو۔

فقیہ اور مفسر امام ابو بکر جصاص اس مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”مقتضى الاية يجاب التثبت فى خبر فاسق والنهى عن الاقدام على قبوله والعمل به الا بعد التبين والعلم بصحة خبره “(۷۶)۔

اس آیت کا مقتضیٰ (تقاضا) یہ ہے کہ فاسق کی دی ہوئی خبر کی چھان بین کرنا واجب ہے اور تحقیق و تفتیش کے بغیر نیز اس کے مدلول کی صحت کا علم حاصل کیے بغیر اس خبر کو قبول کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی ممانعت ہے۔

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے:((کَفیٰ بِالْمَرْئِ کَذِبًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَاسَمِعَ)) (۷۷)

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ جو سنے اس کو آگے بیان کر دے۔

وفی روایۃ ابی ادوٗد: ((کَفیٰ بِالْمَرْئِ اِثْمًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَاسَمِعَ))(۷۸)

ایک آدمی کے گناہ کے لیے کافی ہے جو کچھ سنے اسے (بلا تحقیق) آگے پھیلائے۔

لہٰذا اگر میڈیا پر بین المذاہب ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے صحیح اور مثبت کردار ادا کیا جائے تو دوریاں قربت میں، عداوت دوستی اور محبت میں، اور دل آزاری کو رواداری میں بدلا جاسکتا ہے، اور سلگتے ہوئے انگاروں پر ابر رحمت برسایا جاسکتا ہے، ورنہ بصورت دیگر آگ بھڑکانے میں آتشین ہتھیاروں کی موجودگی میں دیر نہیں لگے گی۔

علوم جدیدہ اور بین المذاہب ہم آہنگی

علوم جدیدہ کو مذاہب عالم کی قربت کا ذریعہ بنایا جاسکتا ہے اگر ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اس کے ذریعے ذہنوں اور رویوں کے اندر مثبت تبدیلی لا کر راہنمائی انسانیت کا فریضہ ادا کر دیا جائے تو بعید نہیں کہ مذاہب عالم کے پیروکاروں کے اندر انس و محبت، پیار اور بھائی چارے کی فضا تخلیق کر دی جائے اور اس طرح امن عالم کو یقینی بنانا آسان ہو جائے گا کیونکہ مذہب ایک قانون ساز قوت ہے اگر علوم جدیدہ اور مذہب میں ہم آہنگی پیدا کر دی جائے تو اس کے ذریعے مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے اندر ٹکراؤ اور تناؤ کی کیفیت کو دور کر دیا جائیگا اور اسی طرح انسانوں کو ضابطہ و قانون کے دائرے میں لا کر امن و سلامتی اور آشتی کو پروان چڑھایا جائیگا کیونکہ تفاہم اور تعاون کے ماحول سے امن و سلامتی بر آمد ہوتی ہے

انسانوں کے ساتھ بہترین بھلائی امن کا ماحول فراہم کرتی ہے جبکہ اس قسم کی بھلائی پر سب ادیان ومذاہب زور دیتے ہیں مثلاً قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَان﴾ (۷۹)

"جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو"۔

مفسر محمد کرم شاہ الازہریؒ رقمطراز ہے کہ:

"زندگی کا ایک زریں اصول سکھایا جارہا ہے کہ تمہارے آپس کے تعلقات کی بنیاد اور اقوام عالم سے تمہارے تعلقات کی اساس یہ ہونی چاہیے کہ ہر نیکی اور بھلائی کے کام میں انہیں تمہاری اعانت اور تعاون حاصل ہو اور ہر برائی اور گناہ کی تحریک میں تم ان سے الگ رہو۔ قرآن کا ہر حکم دلنواز، اس کی ہر آیت انسانیت پرور اور اس کا ہر فرمان گمراہوں کے لیے روشنی کا مینار ہے لیکن ان کی برکات کا ظہور تو تب ہو جب ان کو عملی جامہ پہنایا جائے"(۸۰)

امام ابن کثیر کا خیال ہے:

"چونکہ کفار نے اس وقت مسلمانوں کو کعبہ کی زیارت سے روک دیا تھا اور حج تک سے مسلمان محروم کر دیئے گئے تھے، اسلئے مسلمانوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جن کافر قبیلوں کے راستے اسلامی مقبوضات کے قریب سے گزرتے ہیں، ان کو ہم بھی حج سے روک دیں اور زمانہ حج میں ان کے قافلوں پر چھاپے مارنے شروع کریں، مگر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر انہیں اس خیال سے باز رکھا"(۸۱)

اسی طرح کتاب مقدس (بائبل) کا بیان ہے:

"آؤ، ان باتوں کی جستجو میں رہیں جو امن اور باہمی ترقی کا باعث ہوتی ہیں"(۸۲)

اس دنیا میں ہم کو صرف اپنی ذات تک محدود نہیں رہنا چاہئے بلکہ دوسروں کی خاطر بھی جینا اور سوچنا چاہئے اس کتاب مذکورہ میں وارد ہے:

''اصل میں ہم سب سے کوئی بھی صرف اپنے واسطے نہیں جیتا اور نہ ہی کوئی صرف اپنے واسطے مرتا ہے اگر ہم جیتے ہیں تو خدا کی خاطر جیتے ہیں اور اگر مرتے ہیں تو خداوند کی خاطر مرتے ہیں چنانچہ خواہ ہم جئیں یا مریں ہم خداوند ہی کے ہیں''(۸۳) ۔

اسی تناظر میں اگر ہم خدا کی مخلوق کو علمی فائدہ پہنچا کر اس گلوبل ویلج کے بہترین اور مفید شہری بنا کر دنیا کو امن وسلامتی مہیا کریں تو اس سے بہتر اور کیا بھلائی ہو سکتی ہے جو سب دنیا والوں کے حق میں بہتر اور فائدہ مند ہے۔

خود غرضی اور تنگ نظری کسی طرح قابل ستائش نہیں بلکہ دنیا والوں کے حق میں نقصان دہ ہے۔اس سلسلے میں کتاب مقدس (بائبل) رقمطراز ہے:

''جو خود غرض ہیں اور سچائی ترک کر کے بدی کی پیروی کرتے ہیں ان پر قہر اور غضب نازل ہو گا، ہر انسان جو بدی کرتا ہے، مصیبت اور تنگی آئے گی پہلے یہودی پھر غیر یہودی پر، لیکن ہر اس شخص کو جو نیکی کرتا ہے ،جلال، عزت اور اطمینان ملے گا، پہلے یہودی کو پھر غیر یہودی کو، کیونکہ خدا کسی کی طرفداری نہیں کرتا (۸۴) ۔

اور یہی پیغام قرآن کی سابقہ آیت (وتعاونوا علی البر والتقویٰ) کی ہے ۔کفر، ظلم وزیادتی اور جہالت ونادانی بستیوں کے لیے باعث ہلاکت ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَضَرَبَ اللّٰه مَثَلًا قَرْيَة كَانَتْ اٰمِنَة مُّطْمَئِنَّة يَّاْتِيْها رِزْقُها رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰه فَاَذَاقَها اللّٰه لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْن ﴾ (۸۵) ۔

اللہ ایک بستی کی مثال دیتا ہے وہ امن واطمینان کی زندگی بسر کر رہی تھی اور ہر طرف سے اس کو بفراغت رزق بہم پہنچ رہا تھا کہ اس نے اللہ کی نعمتوں کا کفران شروع کر دیا تب اللہ نے اس کے باشندوں کو ان کے کرتوتوں کا یہ مزہ چکھایا کہ بھوک اور خوف کی مصیبتیں ان پر چھا گئیں۔

امام ابن کثیرؒ کہتے ہیں: اس سے مراد اہل مکہ ہیں (۸۶)۔

عصر حاضر میں بین المذاہب ہم آہنگی کی ضرورت واہمیت

بین المذاہب ہم آہنگی اور سیاسی ضرورت

دنیائے عالم کے ملل واقوام مشترکہ سیاسی مفادات رکھتے ہیں، ان مفادات اور سہولیات کے حصول کے لیے بین المذاہب ہم آہنگی اور رواداری بہت ضروری ہے کیوکہ بین المللی معاہدات اور بین الاقوامی امن وسلامتی کا تحفظ اسی میں ہے۔

اس غرض کے لیے اسلام معاہدات کی کس قدر تاکید کرتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهدِ اِنَّ الْعَهدَ كَانَ مَسْئُوْلًا﴾ (۸۷)

اور عہد کی پابندی کرو بے شک عہد کے بارے میں تم کو جوابدہی کرنی ہوگی۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

(لَادِيْنَ لِمَنْ لاَّعَهدَ لَه')(۸۸) اور جو وعدے کو وفا نہیں کرتا اس کا دین قابل قبول نہیں۔

اس سلسلے میں آپ ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن ارقمؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"دیکھنا، خبردار! جن لوگوں سے امن کا عہد کر لیا گیا ہے ان پر ہرگز ظلم نہ ہونے پائے۔ دیکھو، ان کی برداشت اور تحمل سے زیادہ ان پر بار نہ ڈالا جائے اور ان کی رضامندی کے بغیر ان کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔ پھر فرمایا: جو ایسا کریگا ((اَنَاحَجِيْجُة' يَوْمَ لْقِيَامَة)) میں قیامت کے دن اس کے خلاف دعویٰ کروں گا اور اس سے لڑونگا" (۸۹)۔

معاہدات کی پاسداری کے سلسلے میں ایک اور جاندار مثال یہ ہے کہ ابھی آپ ﷺ نے قریش مکہ سے شرائط طے کی ہیں لیکن ضابطہ تحریر میں نہیں لایا گیا، اسی اثناء میں ابو جندلؓ مسلمان ہو کر زنجیریں گھسیٹتے ہوئے نمودار ہوئے قریش نے کہا: ابو جندلؓ کو واپس کیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری بات ٹھیک ہے۔ ابو جندلؓ چلا کر کہہ رہے ہیں مسلمانو! کیا مجھے دین کے دشمنوں کے حوالے کر رہے

ہو۔اس دل گداز کیفیت میں آپ ﷺ نے فرمایا:ابوجندلؓ!آپ کی بات ٹھیک ہے لیکن (لانغدر بھم)ہم عہد شکنی نہیں کرسکتے۔ابوجندل!صبر کیجیے،اللہ سے اجر کی امید رکھیے۔اللہ آپ کیلئے اور آپ جیسے دوسرے کمزوروں کے لیے مخرج نکالے گا"(۹۰)۔

اس طریقے سے جن لوگوں سے معاہدہ صلح ہو جائے،ان کی جان ومال کی حفاظت اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے اس لئے معاہد کو قتل کرنے کی آپ ﷺ نے شدید الفاظ میں وعید فرمائی ہے فرمایا:

((مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ)) (۹۱) جو کوئی معاہد کو قتل کر دیتا ہے وہ جنت کی ہوا نہیں پائے گا۔

معاہدات کی اہمیت کے بارے میں اسلام اور رواداری کا مصنف رقمطراز ہے:

"جس مذہب میں عہد وعقد کی اتنی اہمیت ہو کہ وہ اپنی کتاب تشریع میں اس کے ایفاء کا ذکر کرے اور اس پر زور دے وہ کسی قیمت پر اسے توگوارا کرہی نہیں سکتا کہ مسلمان آپس میں تو پس عہد کریں لیکن غیر مسلموں سے جب معاملہ پڑے تو بدعہدی پر اتر آئیں۔جس مذہب کا خدا رب المسلمین نہ بلکہ رب العالمین ہو وہ اسے کیونکر گوارا کرسکتاہے کہ اس کے ماننے والے معاملات ومعاہدات میں اس کے بندوں کے درمیان مسلم اور غیر مسلم کی تفریق کریں۔سچائی بہر حال سچائی ہے خواہ اس کا تعلق مسلم سے ہو یا غیر مسلم سے"(۹۲)۔

امن وسلامتی اور سیاسی مفادات کے حصول کی خاطر آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی بنیادیں رکھ کر غیر اقوام وملل سے معاہدات کیے۔اس سے آپ ﷺ کا مقصود یہ تھا کہ ساری انسانیت امن وسلامتی کی سعادتوں اور برکتوں سے بہرہ ور ہو جائے اور خاص کر تینوں یہودی قبائل ،بنو قینقاع،بنو قریظہ اور بنو نضیر کے ساتھ ایک معاہدہ امن طے کیا جس میں انہیں دین ومذہب اور جان ومال کی مطلق آزادی دی گئی(۹۳)۔

بھارت کے ممتاز سیاسی راہنما مسٹر ایم این رائے (۹۴) رقمطراز ہے:

"اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے دنیا کو جمہوریت کا وہ تخیل عطا کیا جس سے ساری دنیا نے بہت کچھ فائدہ اٹھایا۔ اسلام سے پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا کہ جمہوریت کیا چیز ہے یہ داعیٔ اسلام کا احسان ہے کہ انہوں نے جمہوری نظام لانے کے بعد مظلوموں کو حکمرانوں کے مظالم سے نجات دلائی اور شہنشاہیت کے اس طلسم کو تھوڑا جسے دنیا کا کوئی مذہب توڑنے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا" (۹۵)۔

ایک اور یورپی سکالر اس بات کی گواہی یوں دیتا ہے: "محمد ﷺ کا دین جہاں پہنچا وہاں حقیقی جمہوری حکومتوں کا قیام معرض وجود میں آیا" (۹۶)۔

ایم این رائے کہتے ہیں:

"امن کو قائم کرنے کے لیے بغاوتوں کو ختم کرنا شرط اولین ہے۔ حضرت محمد ﷺ کے اصولوں نے اگر عرب میں امن قائم کیا تو اسلامی افواج نے وہی نعمت ان لوگوں کو بخشی جو سمر قند سے ہسپانیہ تک اسلامی حاکمیت کے مطیع تھے۔ جونہی کوئی ملک عربوں کے قبضے میں آیا، صنعت و حرفت اور تجارت کے فروغ کے باعث اہل ملک کی اقتصادی زندگی بہت جلد بہتر ہو گئی" (۹۷)۔

برٹرینڈ رسل (Bertrand Russell) رقمطراز ہے:

"عیسائیت اور اس کے علمبرداروں نے ہمیشہ اسلام اور حضرت محمد ﷺ کے خلاف باطل پروپیگنڈا جاری رکھا ہے جبکہ تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ محمد ﷺ ایک عظیم انسان اور فقید المثال مذہبی رہنما تھے۔ وہ ایک ایسے دین کے بانی تھے جو بردباری، مساوات اور انصاف کی بنیادوں پر کھڑا ہے" (۹۸)۔

آپ ﷺ کی پوری زندگی، دوسری قوموں سے آپ ﷺ کے معاہدات امن و سلامتی، آپ ﷺ کے خلفاء کی سیرت اور تاریخ گواہ ہے کہ اسلام رواداری، امن و سلامتی، آزادی اور انصاف و عدل کا دین ہے اور یہی آج کل کی ضرورت بھی ہے۔

ان اصول وروایات اور عقیدہ ومذہب کو اگر دنیائے عالم کے لوگ اپنالیں تو عالم انسانیت کی بقا اور سلامتی کو ممکن بنایا جاسکتا ہے ورنہ موجودہ روش اہل دنیا کو مٹانے کا سبب ہو گا کیونکہ ہر قسم کی ہلاکت خیزی اپنے عروج پر ہے۔

☆بین المذاہب ہم آہنگی، اقتصادی و تجارتی ضرورت

دنیائے عالم کے فاصلے سمٹ کر باہم قریب ہوگئے ہیں اور ملل واقوام اور سلطنتوں کے اس عالمی قریے میں ایک دوسرے کے قریب ہونا ناگزیز اور ضروری ہے۔ اس سے انسانوں کے اقتصادی اور تجارتی ضروریات وابستہ ہیں، کوئی بھی ملک تنہا، اپنی ضرورت کو پوری کرنے کا متحمل نہیں ہے اور کاروباری، تجارتی اور صنعتی ضروریات کو پوری کرنے کیلئے اشتراک وتعاون کی ضرورت ہے جو بین المذاہب ہم آہنگی کے بغیر ممکن نظر نہیں آتا۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کی زندگی اور نمونہ عمل ہمارے لئے بہترین مثال ہے۔

یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ اس حالت میں دنیا سے تشریف لے گئے ہیں جبکہ آپ ﷺ کازرہ ایک یہودی کے پاس غذائی (کھجور) ضرورت کے تحت مرہون تھی(۹۹)۔

آپ ﷺ نے امن وامان، رواداری، اور اپنے دشمنوں (مخلوق خدا) سے پیار ومحبت اور بھائی چارے کے لیے غذائی ناکہ بندی نہیں کی۔ ثمامہ بن اثال نے مکہ والوں کے ساتھ ایسا کیا تو ان کی شکایت پر آپ ﷺ نے اسے اس سے باز رکھا(۱۰۰)۔

حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کا مشہور واقعہ ہے۔ اسلامی حکومت کی طرف سے تجارتی محصول (چونگی) کے وصول کرنے کی سرحدی علاقوں پر جب تنظیم ہوئی۔ فرات کی آبی راہ پر بھی چوکی قائم ہوئی ،ایک مرتبہ ایک عیسائی تاجر اسی راہ سے اپنا تجارتی مال لیکر گزر رہا تھا۔ زیاد بن حدیر، جو اس چوکی کے نگران تھے انہوں نے محصول وصول کر لیا۔ کچھ دن بعد پھر یہ عیسائی تاجر کاروبار سے فارغ ہو کر اسی راہ سے واپس ہو رہا تھا۔ زیاد بن حدیر نے اس کے مال کا پھر جائزہ لینا چاہا۔ عیسائی سوداگر نے کہا:

”میں ایک دفعہ محصول ادا کر چکا ہوں کیا آپ مجھ سے دوبارہ محصول وصول کرنا چاہتے ہیں“۔

زیاد نے کہا: "ہاں آپ جب یہاں سے گزر رہے ہیں تو محصول دیناپڑے گا"۔

دونوں میں بات بڑھ گئی۔عیسائی سوداگر نے اپناسامان اپنے ساتھیوں کے حوالہ کیااور خود عمر فاروقؓ سے ملنے کے لیے مکہ مکرمہ کا سفر کیا۔اس لیے کہ ان دنوں حضرت عمر فاروقؓ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تھے۔عیسائی سوداگر نے حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے اپنی درخواست پیش کی۔آپؓ نے اس کے جواب میں صرف ایک لفظ ارشاد فرمایا:(کفیت)۔مقصد یہ تھا کہ آپ نے جو کوشش کی یہ بہت ہے ۔عیسائی تاجر اس مختصر لفظ کے سننے سے مطمئن نہ ہوااور اپنے طور پر مایوسی کے عالم میں لوٹا۔وہ دل میں طے کر چکا تھا کہ محصول ادا کرناپڑے گا۔لیکن یہی تاجر کہتا ہے کہ "جب میں فرات کی چوکی پر پہنچاتو مجھے حیرت ہوئی کہ (کتاب عمر قد سبق الیہ) زیاد بن حدیر کے پاس حضرت عمر فاروقؓ کا فرمان پہنچ چکا تھا"۔

اس فرمان میں حضرت عمر فاروقؓ نے زیاد بن حدیر کو حکم دیا تھا کہ جب ایک دفعہ آپ اس تاجر کے تجارتی مال کا محصول وصول کر چکے ہیں تو دوبارہ آپ کو اس سے محصول لینے کا حق نہیں۔عیسائی تاجر کہتا ہے کہ جب زیاد نے عمر فاروقؓ کا خط دکھایا تو میں بے چین ہو گیااور اسی وقت زیاد کو مخاطب کر کے میں نے اعلان کر دیا:

انی اشھد اللہ انی بریء من النصرانیۃ وانی علیٰ دین الرجل الذی کتب الیک ھٰذا الکتاب (۱۰۱)

"میں اللہ جل شانہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ عیسائی مذہب سے میں کنارہ کش ہوتا ہوں اور اب اس شخص کے دین پر موجود ہوں جس نے تمہارے نام یہ مراسلہ بھیجا ہے"۔

بین المذاہب ہم آہنگی معاشرتی اور تہذیبی ضرورت

اسلام ایک اجتماعیت پسند دین ہے جو ایک دعوت اور تحریک بھی ہے جو دوسروں کا اشتراک وتعاون چاہتا ہے اور یہی اختلاط، معاشرت اور تعاون وتفاہم انسانیت کی شرف ومجد بھی ہے۔یہی وجہ ہے کہ نہ صرف اسلام میں اہل کتاب کا ذبیحہ حلال کیا گیا ہے بلکہ ان کی عورتوں سے نکاح بھی مباح قرار دیا گیا ہے۔

اسلام دوسرے ادیان و مذاہب والوں سے لین دین اور تجارت و معاشرت اور تہذیبی سلوک وتعامل سے منع نہیں کرتا جیسے ان کی بیمار پرسی، دعوتوں کو قبول کرنا، ان کی عبادتگاہوں کا احترام، مذہبی شخصیات کی توقیر، ان سے ہدایا و تحائف کا تبادلہ اور پڑوسیوں کے حقوق کی ادائیگی وغیرہ۔ ان کی زبانوں کا سیکھنا انہی تہذیبی ضرورتوں کے پیش نظر جائز و مباح اور مستحسن ہے، ہنر مند افراد کا تبادلہ انہی معاشرتی ضرورتوں کا حصہ ہے، آفات و حوادث میں باہم مدد کرنا اور تعاون کا ہاتھ بڑھانا اسی تہذیبی ضرورت و ہم آہنگی اور بین المذاہب ہم آہنگی کے لوازمات میں سے ہیں اور پیغمبر اسلام اور امن و سلامتی کے منارئہ نور نے خود اس کی تعلیم و ترغیب دی ہے۔ نہ صرف اپنے جانی دشمنوں اہل مکہ سے قحط سالی دور کرنے کی دعا کی (۱۰۲) بلکہ عملی طور پر ان کی مدد بھی کی (۱۰۳)۔

یہ سب کچھ بین المذاہب ہم آہنگی، رواداری اور امن و سلامتی کے لیے بنیادی اقدامات، بہترین سنگ میل اور نشانات راہ بھی ہیں۔ ان جیسے زندہ اور عملی اقدامات و روایات سے نہ صرف اس Global Village کو پر امن بقائے باہمی اور ہمدردی و خیر خواہی کا گہوارہ بنایا جاسکتا ہے بلکہ حقوق انسانی کی پاسداری کا بہترین وسیلہ بھی ہے۔

علاوہ ازیں بین الاقوامی تہذیبی و معاشرتی تعلقات کی استواری میں مدد و تعاون، مساوات انسانی اور عالمی عدل وانصاف کے قیام کا سبب، مکالمہ بین المذاہب اور بین المللی آفات و حوادث میں دست تعاون بڑھانے کا ذریعہ بھی ہے۔

یہ وہ تمام اقدامات ہیں جس سے بین المذاہب ہم آہنگی کو پروان چڑھایا جاسکے گا جو بین الاقوامی امن و سلامتی اور آشتی کے لیے بہترین پیش خیمہ ثابت ہوگا (ان شاءاللہ)۔

حواشی و حوالہ جات

1 ۔ وارث سرہندی، ایم اے، علمی اردو لغت (جامع) /1591، علمی کتب خانہ لاہور، ۱۹۸۳۔

2۔ شان الحق، فرہنگ تلفظ /۹۷۳، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۵ئ۔

3۔ دہلوی، سید احمد، فرہنگ آصفیہ ۴/ ۲۶۷ مکتبہ حسن سہیل لمیٹڈ اردو بازار لاہور، ۱۹۷۴۔

John Shakespear, Urdu-English and English-Urdu Dictionary, P:-4

1869,Sang-e-Meel Publidations,Urdu Bazar,Lahor.

5۔ نقوی، سید علی رضا، ڈاکٹر، فرہنگ (جامع) /۱۱۸۱، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد، ۱۹۹۴ء

6۔ قاسمی، وحید الزمان، کیرانوی، قاموس الوحید / ۸۲۲-۸۲۰، ادارہ اسلامیات لاہور کراچی، ۲۰۰۱ء

7۔ مجموعہ علماء، المعجم الوسیط، ۲ /۱۰۲۷ط، دار الدعوۃ، استانبول ترکیا، ۱۹۸۹ء۔

☆بلیلاوی، عبد الحفیظ، ابو الفضل، مصباح اللغات / ۹۳۳، ایچ۔ایم سعید کمپنی، کراچی ۱۹۸۱ء۔

8۔ ابن منظور، محمد بن مکرم، الافریقی، لسان العرب ۱۴/ ۴۱۲، دار الصادر، بیروت، لبنان، سن اشاعت ندارد۔

9۔ سورۃ آل عمران / ۶۴۔

10۔ معجم الوسیط ۱/ ۴۶۸۔

11۔ فرہنگ جامع / ۲۳۵۔

12۔ ایضاً/ ۴۰۹۔

13۔ لسان العرب ۱۴/ ۴۱۱، قاموس الوحید / ۸۲۹۔

14۔ فرہنگ جامع / ۱۸۶۹۔

15۔ معجم الوسیط ۲/۱۰۵۹۔

16۔ جواھر القاموس ۳/۲۹۱۵، لسان العرب ۱/٦٦٦۔

17 ۔ مسلم، ح:۲۵۷۴۔

18۔ جواھر القاموس ۲/۳۱۴-۳۱۰، معجم الوسیط ۲/۷۲۹۔

19۔ لوئیس معلوف الیسوعی، منجد فی اللغۃ /٦١٧، ناشر: دارالمشرق، بیروت، لبنان، ۱۹۷۸ء۔

20۔ لسان العرب ۱/٦٦٦۔

21۔ الحدید/۲۵۔

22۔ محمد حسین ہیکل، حیات محمد ﷺ /۲۰۰، علم و عرفان پبلشرز لاہور، ۱۹۹۹ء (مترجم: ابو یحیٰی، امام خان)

23۔ الشوریٰ/۱۳۔

24۔ الشنوانی، محمد محمد احمد، ڈاکٹر، الیہودیۃ بین القرآن الکریم والدراسات المعاصرہ /۲۸، مقالہ پوسٹ ڈاکٹریٹ، جامعہ ازہر الشریف، سن طباعت ندارد۔

25۔ الصاوی، الشیخ احمد، المالکی، حاشیہ تفسیر جلالین ۴/۳۴، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، سن طباعت ندارد۔

26۔ آل عمران/۸۴۔

27۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید تفہیم القرآن ۱۱۴/ ۱تا۱۱٦، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۲۰۰۴، ۲۰۰۵۔

28۔ البقرہ۲۵٦/۔

29۔ الانعام/۱۰۹۔

30۔ قَدۡبَدَتِ الۡبَغۡضَاۤءُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ وَمَا تُخۡفِيۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَكۡبَرُ(آل عمران/۱۱۸)ان کے دل کا بغض منہ سے نکلا ہے اور جو کچھ سینوں میں چھپاتے ہیں وہ اس سے بھی شدید تر ہے۔

31۔القلم/۴

32۔الاحزاب/۲۱،الممتحنہ/۶۔

33۔اِنَّ خِيَارَكُمۡ اَحَاسِنُكُمۡ اَخۡلَاقًا۔بخاری،ح:۶۰۳۵۔

34۔ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔

35۔سید قطب شہید،جادہ ومنزل/۳۶۵،اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور،۱۹۸۲ء۔

36۔یونس/۹۹۔

37۔کنزالعمال ۱۶/۱۲۸،مؤسسۃ الرسالۃ ۱۹۸۵ء۔

38۔انبیاء/۳۷۔

39۔بخاری،طاہر رضا،ڈاکٹر،مقالات سیرت/۳۰،۲۰۰۶ء۔

40۔بخاری،باب/۴۲،ح:۴۹۴۴۔مسلم،ح:۱۹۶۔

41۔الاعراف/۱۵۸۔

42۔الانبیاء/۱۰۷۔

43۔البقرۃ/۲۰۱۔اور نبی ﷺ اپنی دعائوں میں یہی دعا اللھم اتنا سے شروع کرتے تھے جیسا کہ مسلم شریف میں ہے(مسلم،ح:۶۸۴۰)

44۔انسان کامل/۲۸۶۔

45۔الفرقان/۱۔

46۔الزمر/۴۱۔

47۔البقرۃ/۲۵۶۔

48۔ تفہیم القرآن ۱/۱۹۶۔

49۔ تفسیر ابن کثیر ۱/۹(پارہ ۳)نور محمد اصح المطابع وکارخانہ تجارت کتب، آرام باغ کراچی، سن طباعت ندارد۔

50۔ابن سعد، محمد، الطبقات الکبریٰ ۳/۱۷۵، دارالصادر بیروت ۱۹۸۰ء۔

51۔یونس/۹۹۔

52۔ تفہیم القرآن ۲/۳۱۴-۳۱۳۔

53۔الانعام/۱۰۹۔

54۔بیضاوی، عبداللہ بن عمر بن محمد الشیرازی، الامام، ناصر الدین، ابی سعید، انوار التنزیل واسرار التاویل، المعروف بتفسیر البیضاوی/۱۸۷، دار فراس للنشر والتوزیع، سن طباعت ندارد۔

55۔معارف القرآن ۳/۴۱۷، تفہیم القرآن ۱/۵۷۱، ضیاء القرآن ۱/۵۹۰۔

56۔النحل/۱۲۵۔

57۔الغاشیۃ/۲۲۔

58۔الزمر/۴۱۔

59۔الانفال/۶۱۔

60۔البقرہ/۶۰۔

61۔الاعراف/۶۶۔

62۔ سید مودودی، ترجمہ قرآن مجید مع مختصر حواشی /۲۹۶۔

63۔ النساء /۱۲۸۔

64۔ ترمذی، ح:۲۶۲۷۔ مسلم، ح:۱۶۳-۱۶۱۔ بخاری، ح:۱۰۔

65۔ وحید الزمان خان، دین انسانیت اسلام کا فکری اور عملی اور تاریخی مطالعہ /۳۱۸-۳۱۴، فضلی سنز کراچی۔

66۔ حلف الفضول: زمانہ جاہلیت میں یہ وہ اخلاقی اور امن وسلامتی کا معاہدہ تھا اس معاہدے میں آپ ﷺ بنفس نفیس شامل تھے ۔ اور آپ ﷺ کو اس قدر پسند تھا کہ زمانہ اسلام میں آپ ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس معاہدہ کے بدلے مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو بھی میں نہ لیتا اور آج اس قسم کا کوئی معاہدہ ہو تو میں شرکت کے لیے تیار ہوں۔
(مستدرک حاکم ۲/ ۲۲۰، ابن الجوزی، وقاص /۱۳۷، ۱۳۸، سہیلی ۱/ ۹۲، ابن
ہشام ۱/ ۸۶، ابن
بیب، محبر /۱۶۷، محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، پیغمبر اسلام /۶۶-۶۴)
67۔ مستدرک حاکم ۱/ ۴۵۸، تاریخ اسلام، شاہ معین الدین احمد ندوی ۱/ ۳۵، ابن
ہشام ۱/ ۲۱۹، مختصر سیرت الرسول / ۵۲، الرحیق المختوم / ۹۲ ۔

68۔ **میثاق مدینہ**: یہ دنیا کا وہ پہلا ۵۲ دفعات پر مشتمل دستور ہے جو تحریری شکل میں محفوظ ہے جس سے مدینہ کی حدود میں رہنے والے دیگر مذاہب کے باشندوں کے سیاسی، معاشرتی، قانونی اور مذہبی حقوق کا تحفظ کیا گیا تھا۔ ابن ہشام ۱/ ۵۵۴، عہد نبوی کی حکمرانی /۶/۷، پیغمبر اسلام / ۲۰۴، الرحیق المختوم / ۲۶۸، تاریخ اسلام ندوی / ۴۹ ۔

69۔ **صلح حدیبیہ**: یہ امن وآشتی اور صلح وسلامتی کا وہ تاریخی معاہدہ تھا جو آپ ﷺ نے اپنے عزیز ترین ساتھیوں کی ناخوشی کے باوجود اپنے برسر پیکار جانی دشمنوں (اہل مکہ) سے طے

کیا تھا۔ دشمنوں کی یک طرفہ بہت سی شرائط کو مان کر بہر صورت امن وامان کا پھریرا بلند کیا تھا جسے قرآن مجید نے فتح مبین سے موسوم کیا تھا۔ (تفصیلات کے لیے دیکھئے: سیرت ابن ہشام ۲/۳۷ ۳، مختصر سیرت الرسول /۷۹ ۴، الرحیق المختوم / ۲۷ ۴، فتح الباری ۷/ ۴۳۹، پیغمبر امن / ۹۵، تاریخ اسلام ندوی ۱/ ۹۵، پیارے نبی ﷺ کے معاہدات / ۹۳)۔

70۔ قریظہ کا مطلب ہے کیکر کی چھال۔ اس بناء پر معروف سکالر محمد حمید اللہ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ شائد یہ قبیلہ کھالیں رنگنے، جوتے بنانے والوں اور کھالوں کی تجارت کرنے والوں پر مشتمل تھا۔ یہ یہود کا وہ قبیلہ تھا جو نبی ﷺ کے ساتھ دفاع مدینہ کے معاہدے میں شریک تھا، کئی دفعہ نبی ﷺ کو شہید کرنے اور سازشوں میں شریک رہے لیکن آپ ﷺ نے چشم پوشی کی آخر کار جنگ احزاب میں ناکامی کے بعد آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ کیا لیکن معذرت اور صلح کے بجائے انہوں نے آپ ﷺ کو گالیاں دیں بالآخر تنگ آکر انہوں نے سعد بن معاذؓ کو اپنا حکَم وثالث مقرر کر دیا جس نے تورات کے مطابق ان کا فیصلہ کر دیا۔

(ندوی، تاریخ اسلام ۱/ ۶۴، پیغمبر اسلام / ۲۰۲، انسان کامل /۶۷، خالد علوی۔ ابن ہشام ۳، ۴/ ۲۴۴۔

71۔ **فتح مکہ**: ۸ ہجری میں پیش آیا۔ آپ ﷺ کو جس سرزمین سے ہجرت پر مجبور کیا گیا تھا آج فاتحانہ انداز وحیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے جانثار صحابہ پر ظلم وستم ڈھانے والے جانی دشمن سرنگوں ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ بے بسی اور ندامت کے انداز میں بولے: تو شریف بھائی اور شریف بھائی کا بیٹا ہے۔ آپ ﷺ نے جواباً فرمایا: آج تم پر کوئی گرفت نہیں جائو تم آزاد ہو۔ یہ ہے پیغمبر امن وسلامتی کی شان کریمی وعفو درگزر اور رواداری وہمدردی۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے: ابن ہشام ۴/ ۵۵، انسان کامل /۷۹، سید انسانیت / ۱۷۰۔

72۔**وفد نجران:** آپ ﷺ نے اہل نجران کے عیسائیوں سے جو معاہدہ امن وسلامتی طے فرمایا تھا اس کے مطابق اس کی عبارت کچھ یوں ہے: نجران کے سلسلے میں، حاضر اور غیر حاضر تمام افراد کو ان کے اہل خانہ کو، عبادت گاہوں کو، تھوڑی یا بہت جو چیزیں بھی ان کے قبضہ میں ہیں سب کے سلسلے میں، اللہ کی نگہبانی اور محمد نبی ﷺ اللہ کے رسول کی ذمہ داری حاصل ہوئی۔ کوئی مذہبی اسقف اور راہب اپنے منصب سے نہیں ہٹایا جائیگا۔ وہ اپنے مذہبی عہدہ دار خود متعین کریں گے ،ان کی عبادت گاہیں مسلمانوں کی عبادت گاہوں کی طرح قابل احترام ہیں"۔ اس معاہدے کو دیکھ کر سر میور جیسا متعصب شخص بھی آپ ﷺ کی رواداری، فراخ دلی اور بقائے باہمی کی پالیسی کی تعریف وتوصیف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ کہتا ہے: "پیغمبر نے بشپوں، پادریوں اور راہبوں کو یہ تحریر دی کہ ان کے گرجائوں اور خانقاہوں میں ہر چھوٹی بڑی جیسی چیز تھی ویسی ہی برقرار رہے گی ۔خدا کے رسول نے یہ عہد کیا کہ کوئی بشپ اپنے عہدے سے اور نہ کوئی راہب اپنی خانقاہ سے اور نہ کوئی پادری اپنے منصب سے برطرف کیا جائے گا، اور نہ ان کے اختیارات، حقوق اور معمول میں کسی قسم کا تغیر کیا جائیگا، جب وہ امن و صلح اور سچائی کے ساتھ رہیں، ان پر جبر وتعدی نہ کی جائے، نہ وہ کسی پر جبر وتعدی کریں"۔

تفصیلات کے لیے دیکھئے: ابویوسف، کتاب الخراج /۷۸، ابوعبید، کتاب الاموال /۲۴۵، طبقات بن سعد ا /۲/۱۷۲، شبلی، سیرت النبی ا /۲۹۸، پیارے نبی کے معاہدات /۱۶۸، نجات اللہ صدیقی ،اسلام کا نظام محاصل /۲۷۲، مکتبہ چراغ راہ، کراچی ۱۹۶۶ء ،

life of Mohammad P:158 بحوالہ (باغپتی، متین طارق، اسلام اور رواداری /۵۸)۔

73۔ محمد عامر طاسین، ڈاکٹر، مقالات سیرت /۸۳، ۲۰۰۸ء ۔

74۔ اشرفی، محمد طاہر محمود، حافظ، رواداری، سیرت طیبہ کی روشنی میں /۳۵، عمر پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۰ء

75۔ الحجرات /۶۔

76۔الجصاص، احمد بن علی، امام ابو بکر الرازی، احکام القرآن /۸/ ۲۷، داراحیاء التراث العربی ،بیروت لبنان، ۱۹۹۲ئ۔ احمد عبد الرحمان البنا، فتح الربانی لترتیب مسند الشیبانی ۱۷، ۱۸/ ۲۸۳۔

77۔ مسلم، ح:۷۔

78۔ابوداؤد، ح:۴۹۹۲۔

79۔المائدہ/۲۔

80۔ضیاء القرآن ۱/ ۷ ۴۳، ۴۳۸۔

81۔ تفسیر ابن کثیر ۱/ ۳۸، پارہ:۶، تفہیم القرآن مختصر حواشی/ ۱۹۶۔

82۔رومیوں:۱۴:۲۰۔

83۔ایضاً:۹-۱۴:۸۔

84۔رومیوں:۱۱-۲:۹۔

85۔النحل/ ۱۱۲۔

86۔ تفسیر ابن کثیر، آیت مذکور، السعدی، عبد الرحمان بن ناصر، تیسیر الکریم الرحمٰن فی تفسیر کلام المنان/ ۴۰۲، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۹۹۶ء۔

87۔الاسراء/ ۳۴۔

88۔ بیہقی، شعب الایمان ۴/ ۷۸، ح:۴۳۵۴، مکتبہ دارالباز، مکہ مکرمہ ۱۹۹۰ء۔

89۔الا من ظلم معاھدا او انتقصہ اوکلفہ فوق طاقتہ او اخذ منہ شیئا بغیر طیب نفس فانا حجیجہ یوم القیامۃ۔ سنن ابی دائود ۳/ ۱۳۶، ح:۳۰۵۶، ابودائود سلیمان بن الاشعث السجستانی ،الناشر: دارالکتاب العربی، بیروت، عدد الاجزاء:۴۔ احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ ابو بکر البیہقی، سنن البیہقی الکبریٰ، ح:۱۸۵۱۱، الناشر: مکتبہ دارالباز، مکۃ المکرمۃ، ۱۹۹۴ء۔

90۔ سیرت ابن ہشام ۳/ ۳۳۳-۳۳۲۔

91۔ بخاری، ح:۶۹۱۴۔

92۔ رئیس احمد جعفری، اسلام اور رواداری/ ۱۹۹۵، ۱۸۰ ء ۔

93۔ سیرت ابن ہشام ۱/ ۵۶۱-۵۵۴، عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی/ ۶۷، الرحیق المختوم/ ۲۵۶، پیغمبر امن/ ۹۱۔

94۔ رائے ۱۹ ویں صدی کے آخر میں گزرا ہے جو بنگال کے ایک غریب خاندان کا چشم وچراغ تھا، وہ لینن کا ہمعصر اور تحریک آزادئ ہند کا پرجوش کارکن تھا، موصوف کی مشہور کتاب "اسلام کا تاریخی کارنامہ" ہے (کتاب مذکور/ ۳)۔

95۔ رواداری (بحوالہ: دین ودنیا، دہلی ۱۹۵۶ ء)/ ۴۵۔

96۔ ایضاً بحوالہ Christianity ,Islam and the negro race۔

97۔ ایم این رائے، اسلام کا تاریخی کارنامہ/ ۲۶، ۲۷، (ترجمہ: علی امام، ایم اے) ناشر: ہندوستانی لٹریچر کمپنی فلیمنگ روڈ لاہور، سن طباعت ندارد۔

98۔ رواداری/ ۴۴، (بحوالہ Whay I am not christian)

99۔ بخاری، ح:۲۵۰۹، ۲۵۱۳۔

100۔ سیرت ابن ہشام ۴/ ۲۸۸۔ (اس کا قصہ ابن ہشام میں بالاختصار یہ ہے کہ صحابہ کے ایک سریہ نے ثمامہ بن اثال کو گرفتار کرکے آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کے ساتھ اچھابرتائو رکھا اور آخر کار رہا کردیا۔ اس نے بقیع میں جاکر غسل کیا اور اسلام قبول کرلیا۔ اس کے بعد عازم عمرہ ہوا اور تلبیہ پڑھتے ہوئے حرم مکی میں وارد ہوا تو قریش نے اس سے زیادتی کرتے ہوئے قتل کرنا چاہا لیکن پھر اپنے یمامہ سے گندم کی درآمد گی کا خیال آیا اور چھوڑ

دیا۔اس سلسلے میں ثمامہ نے کہا:اس کے بعد تمہارے اس شہر میں یمامہ سے گندم درآمد نہیں ہو گا۔ آپؐ نے گندم کی ترسیل روک دی۔غذائی کمی کے سبب قحط وافلاس پیدا ہوا تو قریش نے آپ ﷺ کو شکایت کرکے لکھا:انک تامر بصلہ الرحم وانک قطعت ارحامنا،وقد قتلت الاباء بالسیف ،والابناء بالجوع،فلتب رسول اللہ الیہ یخلی بینھم وبین الحمل ۔بہر حال آپ ﷺ کے ارشاد پر ثمامہ نے گندم کی ترسیل جاری کر دی۔دیکھئے ابن ہشام ۲/۲۸۸)حالانکہ یہ وہ جانی دشمن تھے جنہوں نے آپ ﷺ کو مع اپنے ساتھیوں شعب ابی طالب میں تین برس تک محصور رکھااور غلے کا ایک دانہ پہنچنے کے بھی روادار نہ تھے(سیرت النبی ﷺ، شبلی ۱/۴۴۵۔

102۔فکر و نظر/۴۲،۴۱۔بحوالہ کتاب الخراج/۲۱۔

103۔ابن ہشام ،سیرت النبی/۳۰۰۔قصہ مختصر یہ کہ جب قریش کے ظلم وستم نے نبی رحمت ﷺ کو انتہائی پریشان کیا تو دعائے نبوی کی استجابت سے ابر رحمت کا سایہ ان کے سر سے اٹھایا گیااور مکہ میں سخت قحط پڑا کہ لوگ ہڈی اور مردار کھانے لگے۔ابوسفیان نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ محمد ﷺ! تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے خدا سے دعا کرو کہ مصیبت دور ہو۔ آپ ﷺ نے بلا عذر فوراً دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور خدا نے اس مصیبت سے ان کو نجات دی(بخاری،ح:۴۸۲۱،سیرت النبی، شبلی ۱/۴۴۵۔

104 ۔رحمۃ للعالمین ۱/۲۶۵۔(جب اہل مکہ قحط کا شکار ہوئے تو آپ ﷺ نے مدینے سے پانچ سو درہم بھیجے اور قاصد کو حکم دیا کہ یہ درہم ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ کو دے دیئے جائیں تاکہ وہ انہیں مکہ مکرمہ کے تاجروں میں بانٹ دیں۔حمید اللہ ڈاکٹر،مقالات سیرت /۲۰۰۸،۵۵۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

الأداء المأمور به و تطبيقاته الفقهية

Payment of dues and performance of Duties in Shari’ah and its implementations

الدكتورعطاء الله فيضي*

ABSTRACT

In the Islamic Law i.e. Quran and Sunnah the above mentioned topic has been discussed clearly and repeatedly to avoid any ambiguity in dealings in our daily life and agreements made between two parties or governments national or international levels.

After intensive study I discussed and elaborated the said issue referring to the Qura’nic verses and sayings of the Prophet (SAW). The matter is of great importance; hence the Muslims Jurists have also given their valuable opinions in accordance with the Islamic Law which have been incorporated also to solve the issue.

If we act upon these verdicts, we will be able to select the best among ourselves and form an ideal government and will discharge our duties honestly, and eventually our every act will show our responsibility to perform our duties and to give due share to the right person.

Keywords:: Duties, performance, Shari’ah, Jurists, performances

الحمد لله كما يحب ويرضى، والصلاة والسلام على نبيه المجتبى ، وعلى آله الطيبين والطاهرين ، وأصحابه الغر الميامين.أما بعد: فإن النصوص الشرعية من القرآن والسنة التى أمرت الناس بأداء الأمانات إلي أهلها كثيرة ؛ فقد قال الله عزوجل في محكم تنزيله: ﴿ إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها ﴾(١) وقال ﷺ: (أد الأمانة إلى من ائتمنك)(٢).

* الأستاذ المشارك بقسم الدرسات الإسلامية، الجامعة الوطنية للغات الحديثة إسلام آباد

وإن التحذير عن المساس بالأمانة ثابت، فقد عد الخيانة فيها خصلة من خصال المنافق، ففى الحديث النبوى الشريف ما نصه: (آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب وإذا وعد أخلف ، وإذا اؤتمن خان)[٣].

ولكن هل المقصود بأداء الأمانات هو أداء الودائع فحسب، أم النصوص تعم وتشمل الصلاة والزكاة وسائر العبادات والمعاملات؟ وهل الأداء المأمور به يعنى به الواجب فقط أم يتناول غيره من النوافل؟

وهل الأداء المأمور به يشمل المؤقت (وهو ما حدد له الشارع وقتا معينا) وغير المؤقت، أم أنه يختص بالمأمور به المؤقت فقط؟

والإجابة الدقيقة لهذه الأسئلة تقتضى بيان الأداء المأمور به شرعا ، بيانا شاملا ومتعمقا، لذا حاولت تناول هذا الموضوع بالبحث والدراسة العلمية المؤصلة ، وذلك لما تحظى به هذا الموضوع من الأهمية البالغة في الشريعة الغراء لارتباطه الوثيق بالفرائض التى حدد الشارع لأدائها مواقيت معينة كفريضة الصوم والصلاة اللتين لاتخفى على أحد من أهل العلم مكانتهما العظمى ومنزلتهما العليا في الشريعة الإسلامية.

ولأن هذا الموضع يتعلق بما يواجهه المسلم في حياته اليومية من المعاملات ولأن القصد من خلق الإنسان هو عبادة الله عزوجل قال تعالى: ﴿وما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون﴾[٤]. ومن ثم فإن المؤمن يسعى دائما لأن يأتى بعبادة وفق ما أمره الله تعالى، وهذا لا يتيسر إلا عن طريق معرفة الأداء المأمور به شرعا وتطبيقاته الفقهية.

ومع ذلك كله لم أجد أحدا(حسب علمي) من الباحثين كتب فيه بشكل مستقل بحيث يجمع شتات كلام العلماء على الرغم من كثرة استعمال (الأداء) في كتب

أهل العلم؛ لذا كان لابد من توافر الكتابات في هذا الموضوع، واستنهاض الهمم القادرة على الإجابات الدقيقة لتلك التساؤلات.

ومن ثم رأيت أن أبين بقدر المستطاع هذا الموضوع وأكشف غوامضه ، وذلك من خلال : مقدمة ومبحثين وخاتمة.

المقدمة: فيها بيان أهمية الموضوع

المبحث الأول: مفهوم الأداء ومدى إطلاقه على العبادات غير المؤقتة

المبحث الثانى: أقسام الأداء وتطبيقاته

الخاتمة: وتشتمل على أبرز النتائج

المبحث الأول: مفهوم الأداء ومدى إطلاقه على العبادات غير المؤقتة الأداء لغة **:**

يقال: أدى دينه تأديةً إذا قضاه، والاسم : الأداء [٥] وأدى الامانة ، أو الدين تأدية، إذا أو صلهما إلى أهلهما، والاسم: الأداء[٦]

قال الراغب: **"** والأداء دفع الحق، وتوفيته . إعطاؤه. كأداء الخراج، والجزية، ورد الأمانة، قال تعالى : ﴿ فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَه،﴾[٧] ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّواالْاَمٰنٰتِ اِلَى اَهْلِهَا ﴾[٨] وقال : ﴿ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ﴾[٩].

الأداءاصطلاحا: اختلف الأصوليون في تعريف الأداء اصطلاحاً تبعا لإختلافهم في جريان الأداء في المؤقتات وغيرها، وشموله لفعل الواجب وغيره من النوافل، وبالنظر في تلك التعريفات نستطيع أن نقول: إن للأ صوليين في تعريف الأداء مسلكين : (أ) مسلك الشافعية ومن وافقهم (ب) مسلك الحنفية

أ. مسلك الشافيعة ومن وافقهم في تعريف الأداء:

لم تتحد عبارات أصحاب هذا المسلك في وضع تعريف للأداء، والسبب في ذلك يرجع إلى أن بعض هذه التعريفات تفيد أن الأداء يشمل الواجب والمندوب، والبعض الأخر يجعل الأداء في الواجب دون المندوب.

أما التعريفات التي تشمل الواجب والمندوب فهي كما يلي

الأداء عند الإمام الشيرازي: "هوعبارة عن فعل العبادة في وقتها المعين شرعاً . قال في اللمع: إذا أمر بأمر عبادة في وقت معين، ففعلها في ذلك الوقت سمي أداء على سبيل الحقيقة " (١٠).

تعريف ابن قدامة: الأداء عنده عبارة عن "الإتيان بالعبادة" التي هي أعم من الصوم والصلاة واجبا كان أو مندوبا في وقتها المعين لها. جاء في الروضة بعد ما عرف الإعادة بأنها فعل العبادة مرة أخري في الوقت المقدر لها شرعا: "والأداء فعلها في وقتها" (١١) اي فعل العبادة المتقدم ذكرها في تعريف الإعادة.

وهذا التعريف كما نرى يلتقي مع تعريف الشيرازي في التعبير بلفظ العبادة التي تناول الواجب و المندوب.

تعريف ابن الحاجب: قال **"** والأداء ما فعل في وقته المقدر له شرعا اولا**"** (١٢).

هذا، وقد وافق ابن الحاجب في هذا التعريف كل من ابن اللحام وابن النجار الحنبلي حيث عرفاه بقولهما: والأداء ما فعل في وقته المقدر له أولا شرعا (١٣) كما يشبهه تعريف الخبازي حيث قال: **"** الأداء ما فعل أولاً في وقته المقدرله شرعا**"**(١٤) لكنه صرح بخلاف غيره بتعلق **"** أولاً **"**ب**"** ما فعل"

وعرف القرافي الأداء بأنه : "ايقاع العبادة في وقتها المعين لها شرعاً لمصلحة اشتمل عليها الوقت" [١٥]

تعريف البيضاوي: الأداء عنده عبارة عن فعل العبادة في وقتها المقدر لها شرعاً، بحيث لم تسبق بفعل مشتمل على نوع من الخلل،قال (رحمه الله): "والعبادة أن وقعت في وقتها المعين ولم تسبق بإداء مختل فأداء"[١٦]

تعريف زكريا الأنصاري: ذكر للأداء تعريفين: قال في احدهما: أنه الأصح وهو أن الأداء "فعل العبادة، أو ركعة في وقتها، وهو زمن مقدر لها شرعاً " [١٧]

تعريف ابن السبكي: قال: "والأداء فعل بعض وقيل:كل ما دخل وقته قبل خروجه"[١٨]

هذا ، وهذه التعريفات كلها كما نرى تفيد جريان الأداء في الواجب والمندوب المؤقت وأما التعريفات التي تجعل الأداء في الواجب ، فمنها :

تعريف الغزالي: "الأداء عنده عبارة عن الإتيان بالواجب في وقته مضيقا كان أو موسعاً ، قال: "اعلم أن الواجب إذا أدى في وقته سمى أداء "[١٩] .

فقد سمى الإتيان بالواجب في وقته المعين أداء ، و وافقه الإمام الرازي حيث قال: "فالو اجب إذا أدى في وقت سمى أداء" [٢٠].

المقارنة بين هذه التعريفات

١. إن بعض هذه التعريفات، كتعريف أبي ادريس القرافي، والإمام البيضاوي، وزكريا الأنصاري ، وابن السبكي، والأسنوي، وابن اللحام وابن النجار الفتوحي. عامة تدل على شمول الأداء للواجب، والمندوب. بخلاف الغزالي حيث جعله في الواجب

دون المندوب، وتبعه في ذلك الإمام الرازي كما وافقه ابن عبد الشكور من الحنفية.

٢. إن كلا من الشيرازي ، وابن قدامة، والقرافي، وزكريا الانصاري، وابن السبكي والغزالي، والرازي، ومن وافقهم اكتفوا في تعريفهم بايقاع العبادة، أو الواجب في الوقت المعين من غير زيادة لفظ "أولاً" لذلك اعترض عليهم بصلاة الظهر،على سبيل المثال، إذا فاتت عن الشخص بنوم أو نسيان، ثم أتى بها عند التذكر، وكذا قضاء صوم رمضان ، خلافاً لتعريف ابن الحاجب، والأسنوي، وابن اللحام، وابن النجار، ومن وافقهم الذين قيدوا الوقت المعين شرعا بكونه" أولاً" خلاصا من الإعتراضات .

٣. إن الغزالي والرازي لم يقيدا الوقت في تعريف الأداء بكونه مقدراً من الشرع، فمفهوم تعريفهما أنه إذا لم يؤت بالفعل في الوقت المعين يصير قضاء، فيعترض عليهما حينئذ بالأمر المطلق على القول بأنه يفيد الفور، إذا لم يأت به المأمور في أول الوقت فانه لا يسمي قضاء عند الشافعية ومن وافقهم، بخلاف تعريف ابن قدامة، وابن الحاجب، والقرافي، والبيضاوي، وزكريا الأنصاري، ومن وافقهم حيث قيدوا الوقت بكونه مقدراً أو معينا من الشرع، فلا يرد عليهم ما ذكر .

٤. إن أبا زكريا الأنصاري، وابن السبكي صرحا في تعريفهما على اعتبار فعل بعض العبادة في الوقت المعين من الأداء، بخلاف غيرهم.

ب. مسلك الحنفية في تعريف الأداء:

عرف الحنفية الأداء بتعريفات متعددة، وهي كما يأتي :

تعريف نظام الدين الشاشي:

قال: "الأداء" عبارة عن تسليم عين الواجب إلى مستحقه"[٢١].

وقال **أبو زيد الدبوسي**: " إن الأداء اسم لفعل تسليم ما طلب من العمل بعينه"[٢٢].

وعرف **فخرالإسلام البزدوي** الأداء بقوله:" اسم لتسليم نفس الواجب بالأمر "[٢٣].

وقال **السرخسي** : الأداء " تسليم عين الواجب بسببه إلى مستحقه" [٢٤].

وقد تابعه في تعريفه **حسام الدين الأخسيكثي**، و**جلال الدين الخبازي**، حيث قالا: "... أداء وهو تسليم عين الواجب بسببه إلى مستحقه"[٢٥].

وعرفه **النسفي** بقوله: " هو تسليم عين الواجب بالأمر". [٢٦]

وقال **صدر الشريعة** : " الأداء تسليم عين الثابت بالأمر". [٢٧]

وعرفه **ابن الهمام** بقوله : " الأداء فعل الواجب في وقته المقيد به شرعاً العمر وغيره" [٢٨]

وهذه التعريفات كلها يشمل المؤقتات في أوقاتها كأداء الصلاة والصوم وغير المؤقتات كما أن جميع تعريفات الحنفية تدل علي أن الأداء عباره عن اخراج ما طلب من العمل واجبا كان أو مندوبا أو الواجب فقط من العدم إلى الوجود إلى مستحق ذلك المطلوب أو الواجب، اذ أن من لم يذكر القيد الأخير أي: قيد " إلى مستحقه" استغني عنه بذكر " تسليم" أو " الأمر"، لأن التسليم ينبي عن تحصيل السلامة وهو في الأداء يتحقق إذا سلمه إلى مستحقه ، أو لأن الأمر ورد بتسليم

عين الواجب إلى مستحقه دون الغير، قال تعالى : (إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰى اَهْلِهَا)(٢٩).

المقارنة بين تعريفات الحنفية

بعد البحث والنظر اتضح أن التعريفات الواردة للأداء من قبل الحنفية يمكن تقسيمها إلى مجموعتين :

المجموعة الأولى تعرف الأداء بانه : تسليم الواجب. مؤقتا كان أو غير مؤقت إلى مستحقه، وهذا ما ذهب إليه نظام الدين الشاشي، وفخر الإسلام البزدوي، والسرخسي، والأخسيكتي، والخبازي، وأبوبكر السمرقندي، والنسفي، وابن الهمام في تعريف الأداء.

المجموعة الثانية تعرف الأداء بما يشمل الواجب والمندوب موقتاً كان أو غير مؤقت فتقول : إن الأداء عباره عن تسليم عين الواجب أو المندوب إلى مستحقه، وإليه ذهب أبو زيد الدبوسي، وصدر الشريعة في تعريف الأداء والسبب في ذلك هوأن الأداء وصف للمأمور به، فمن جعل الأمر حقيقة في الندب وقال: ان مقتضي الأمر الندب، عرفه بما طلب من العمل بعينه فيدخل فيه النفل، ومن خصص الأمر بالوجوب قال : الأداء هو تسليم عين الواجب بالأمر.

الموازنة بين تعريفات أصحاب المسلكين

بالمقارنة بين تعريفات اصحاب المسلكين اتضح لنا ما يأتي:

١. إن تعريفات الحنفية كلها قائلة بشمول الأداء للمؤقتات في أوقتها وغير المؤقتات؛ كأداء الأمانات، والنذورات المطلقة والكفارات بخلاف تعريفات الشافعية؛ لأنها لا تعم ما ليس بمؤقت و وافقهم ابن عبدالشكور من الحنفية.

٢. إن معظم تعريفات الحنفية للأداء تشمل العبادات والمعاملات ، أي حقوق الله وحقوق العباد؛ إذ أنهم يجرون الأداء في جميعها ، بخلاف الشافعية، فإنهم يقولون

بالأداء في العبادات المؤقتة ، لذلك خصصوا التعريف بها فقط.

يلتقي تعريف بعض الحنفية كأبي زيد الدبوسي وصدر الشريعة مع تعريفات كثير من الشافعية كأبي اسحاق الشيرازي ، والبيضاوي، وزكريا الأنصاري، وابن السبكي، ومن اختار منهجهم كابن الحاجب ، وابن قدامة ، والقرافي في شمول الأداء للواجب والمندوب.

٣. كما يلتقي تعريف بعض الشافعية للأداء ، كالغزالي والرازي، مع تعريفات كثير من الحنفية كفخر الإسلام البزدوي والسرخسي ، والأخسيكثي ، والخبازي، وأبي بكر السمرقندي، والنسفي ، في عدم شمول التعريف المندوب.

التعريف المختار :بالنظر والتأمل في التعريفات السابقة يبدو لي – والله أعلم– أن أولاها بالإعتبار هو تعريف أبي زيد الدبوسي؛ لأن المندوب مأمور به مطلوب من المأمور فعله فهو ثابت بالأمر ، فلابد من شمول التعريف له، وتعريف الدبوسي يشمله، ولأن الأداء يجري في غير المؤقتات أيضاً، والتعريف يتناولها ، بخلاف تعريفات الشافعية ومن نهج منهجهم فإنها لا تشمل غيرالمؤقت .

مدى اطلاق الأداء على العبادات غير المؤقتة:

لا خلاف بين العلماء في أن لفظ الأداء بحسب اللغة يطلق على الإتيان بالمأمورات المؤقتة وغيرها؛ كأداء الديون والخراج والجزية والأمانة.

أما بحسب الإصطلاح الشرعي فقد اختلف الأصوليون في ذلك:

أ) قال الحنفية: إن الأداء قسم من أقسام المأمور به ، سواء كان مؤقتا أو غير

مؤقت.

فقد جاء في مرآة الأصول: ".. وعندنا هما "الأداء والقضاء" من أقسام المأمور به مؤقتاً كان الأمر أو غيره ، ولهذا لم يعتبر في التعريف أي:تعريف الأداء، التقييد بالوقت"(٣٠).

وقد أيد هؤلاء مذهبهم بما يلي :

١. قول الله عز وجل : ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰى اَهْلِهَا﴾ (٣١)

وجه الدلالة هو أن الآية نزلت في تسليم عين مفتاح الكعبة ، وهو غير مؤقت. قال الفخر الرازي:"روي أن رسو الله ﷺ لما دخل مكة يوم الفتح أغلق عثمان بن طلحة بن عبدالدار ، وكان سادن الكعبة ، باب الكعبة وصعد السطح، وأبى أن يدفع المفتاح إليه.

وقال: لو علمت أنه رسول الله لم أ منعه ، فلوي علي بن أبي طالب يده وأخذه منه وفتح ودخل رسو ل الله ﷺ، وصلي ركعتين، فلما خرج سأله العباس أن يعطيه المفتاح ويجمع له السقاية والسدانة، فنزلت هذه الآية ، فأمر علياً أ ن يرده إلى عثمان ، ويعتذر إليه، فقال عثمان لعلي : أكرهت، وآذيت ثم جئت ترفق ، فقال: لقد أنزل الله في شأ نك قرآناً، وقرأ عليه الآية، فقال عثمان: أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله فهبط جبريل عليه السلام وأخبر الرسول ﷺ أن السدانة في أولاد عثمان أبداً " (٣٢).

قال القرطبي: " والصلاة والزكاة، وسائر العبادات أمانة الله تعالى، وروي هذا المعنى مرفوعاً من حديث ابن مسعود ، قال: القتل في سبيل الله يكفر الذنوب كلها، أوقال: كل شيء إلا الأمانة ، والأمانة في الصلاة ، والأمانة في الصوم،

والأمانة في الحديث وأشد ذلك الودائع"(٣٣)

وأجاب الزركشي عن الإستدلال بهذه الآية بقوله :"ولأصحابنا أن هذا المعنى اللغوي والكلام في الإصطلاحي".(٣٤)

٢. قوله عليه السلام : "أدوا عمن تمونون" (٣٥) وقوله : "أدوا عن كل حر وعبد نصف صاع" (٣٦) فقد سمي إخراج صدقة الفطر أداء وهي من غير المؤقتة.

ولا يخفى عليك رأي ابن الهمام من الحنفية الذي اعتبر صدقة الفطر من العبادة المؤقتة بيوم العيد.

٣. العرف : فقد ثبت عرفاً تسمية غير المؤقت بوقت مقدر بالأداء ، يقال: أدى زكاة ماله، وأدى طعام الكفارة ، وليس لهما وقت مقدر شرعاً.(٣٧)

ب) ذهبت الشافعية:- ومن معهم إلى أن الأداء يختص بالعبادات المعين وقتها شرعاً ، ولذلك قيدوا تعريف الأداء بالوقت كما مر.(٣٨)

قال سعد الدين التفتازاني:"...وأما بحسب اصطلاح الفقهاء فعند أصحاب الشافعي رضي الله عنه يختصان (أي الأداء والقضاء) بالعبادات المؤقتة ولا يتصور الأداء إلا فيما يتصور فيه القضاء.(٣٩)

وقال تقي الدين السبكي : "إن المأمور به تارة يعين الآمر وقته كالصلوات الخمس وتوابعها ، وصيام رمضان ، وزكاة الفطر ، فإن جميع ذلك قصد فيه زمان معين، وتارة يطلب الفعل من غير تعرض للزمان، وإن كان الأمر يدل علي الزمان بالإلتزام، ومن ضرورة الفعل وقوعه في زمان ولكنه ليس مقصوداً للشارع، ولا مأموراً به قصداً ، فالقسم الأول يسمى موقتاً، والقسم الثاني يسمي غير موقت ...والقسم الأول قصد فيه الفعل والزمان ، إما لمصلحة اقتضت تعيين الزمان، وإما تعبداً محضاً

، والقسم الثاني ليس فيه إلا قصد الفعل ، فالقسم الثاني لا يوصف فعله بأداء ولا قضاء ، لأنهما فرعا الوقت ، ولا وقت له. "(٤٠) ،وصرح" أن الأداء والقضاء يدخلان في المؤقتة فقط" (٤١).

والذي أميل اليه هو رأي الحنفية وذلك لأن الآية سمت تسليم عين مفتاح الكعبة لنزولها فيه أداء، والأصل حمل الألفاظ الواردة في الكتاب والسنة مما فيه استعمال شرعي على العرف الشرعي دون اللغوي. وإذا كان الأمر كذلك، فأداء المؤقتات كالصلاة وصوم رمضان يكون في وقتها المقدر لها شرعا، وأما غير المؤقتات كسجود التلاوة، وأداء الزكاة فيكون أداؤها في العمر ، فإذا أتى بها في أي من أوقات العمر يكون مؤديا لها، لأن جميع العمر فيه بمثابة الوقت فيما هو مؤقت.

قال فخر الإسلام البزدوي:" والأداء في العبادات يكون في المؤقتة في الوقت وفي غير المؤقتة أبداً". (٤٢)

هذا على مذهب عامة الحنفية القائلين بأن الأمر المطلق لا يوجب الفور، بل يفيد المهلة والتأخير ظاهر، إذ مقتضي إفادته المهلة والتأخير هو أن يكون الإتيان بالأمور به في أي وقت من أوقات العمر إتيانا له أداء (٤٣)

المبحث الثاني: أقسام الأداء وتطبيقاته

إن الحنفية يعممون الأداء في المعاملات كما هو في العبادات(٤٤). وسنتعرض في هذا المبحث لجميع أقسام الأداء التي ذكرها الحنفية في كتبهم ، مع بيان جريانها في حقوق الله وحقوق العباد.

أقسام الأداء:

لم تتحد عبارات الأصوليين من الحنفية في أقسام الأداء، فبعضهم يقسمون الأداء إلى نوعين: كامل، وقاصر. يقول الشاشي: "... ثم الأداء نوعان : كامل، وقاصر".(٤٥)

والبعض الأخر يجعلون الأداء على ثلاثه أنواع : كامل ، وقاصر، وشبيه بالقضاء.

قال السرخسي : "... وهو(الأداء) أنواع ثلاثة: كامل ، وقاصر، وأداء يشبه القضاء حكما "(٤٦).

وقال النسفي: والأداء أنواع : كامل، وقاصر، وما هو شبيه بالقضاء"(٤٧).

وذكر صدر الشريعة أن "الأداء إما كامل.. أو قاصر .. أو شبيه بالقضاء ".(٤٨)

كما ورد عن ابن الهمام قوله : " قسم الحنفية الأداء المعين في المعاملات إلى كامل، وقاصر... وما في معنى القضاء".(٤٩)

وبالبحث والتأمل يظهر أن الأداء ينقسم إلى أداء محض، وغير محض (أي شبيه بالقضاء). والأداء المحض ينقسم إلى كامل، وقاصر. وبذلك تصير أقسام الأداء ثلاثة وهي :

ا) أداء محض كامل

ب) أداء محض قاصر

ج) أداء غيرمحض (أداء شبيه بالقضاء)

وكل قسم من هذه الأقسام يجري في حقوق الله تعالى وفي حقوق العباد، فتصير الاقسام بهذا الاعتبار ستة :

١. أداء محض كامل في حقوق الله تعالى
٢. أداء محض كامل في حقوق العباد
٣. أداء محض قاصر في حقوق الله تعالى
٤. أداء محض قاصر في حقوق الله تعالى
٥. أداء غير محض(شبيه بالقضاء) في حقوق الله تعالى
٦. أداء غير محض (شبيه بالقضاء) في حقوق العباد

وعلى هذا فمن نوع الأداء إلى كامل وقاصر التفت إلى مطلق الأداء،ولم يلتفت إلى كونه محضاً أو غير محض،فكأنه رأى أن ما هو شبيه بالقضاء لا يخلو من أن يكون كاملاً،أو قاصراً،ولا يخرج عنهما.

ومن قال إن أقسامه ثلاثة فإنه ميز المتركب من المتمحض، فجعل الشبيه بالقضاء قسيماً للكامل والقاصر اللذين هما- حينئذ- فرعان للأداء المحض لا لمطلق الأداء، وإلا لكان الأداء محصوراً بين الكامل والقاصر ، ولم يصح كون الشبيه مقابلاً لهما، ولذلك نري ابن نجيم يحسب تعبير النسفي عن كون الأداء بمعناه الأعم إما كاملاً أو قاصراً، أو شبيها بالقضاء، غير دقيق.

بل يرجح تعبير البزدوي في هذا الشأن[٥٠] فيقول : "... وبهذا عرفت أن الكامل والقاصر قسمان للأداء المحض لا لمطلق الأداء كما فعل المصنف ، لأنهما لو كانا قسمين لمطلق الأداء لكان حاصراً بين النفي والاثبات، فيلزم أن يكون

الشبيه بالقضاء قسماً منهما، وقد جعله قسيماً لهما، ولو قال المصنف:الأداء إما محض وهو: كامل،أو قاصر وإما شبيه بالقضاء لكان أظهر كما لا يخفى.[٥١]

وفيما يلي بيان لكل قسم من أاقسام الأداء مع المثال :

أ. الأداء المحض الكامل:

الأداء المحض هو: ما كان خالصاً ولم يكن فيه شبهة القضاء[٥٢].

ففي شرح المنار: "ويعني بالأداء المحض مالا يكون فيه شبه بالقضاء بوجه من الوجوه لا من حيث تغير الوقت، ولا من حيث التزامه"[٥٣] ومعنى قوله: " ولا من حيث التزامه" أي : " لا من حيث أنه التزم الأداء على جهة وأدى على جهة أخرى"[٥٤]

والكامل منه هو: ما أداه الإنسان على الوجه الذي أمر به .

قال السرخسي: " فالكامل هو الأداء المشروع بصفته كما أمر"[٥٥]

والأداء المحض الكامل : يجري في حقوق الله تعالى، وحقوق العباد، مثال الأداء المحض الكامل في حق الله تعالى كالصلاة بالجماعة.

قال الأصوليون من الحنفية : إن الصلاة المشروع فيها الجماعة، كالصلوات الخمس وغيرها مما شرعت فيها الجماعة إذا أديت كلها في وقتها المقدر شرعاً بالجماعة، كان الأداء كاملاً، لأن هذه الصلاة استوفت جميع حقوقها من الواجبات، والسنن المؤكدة وتوفر فيها كل ما كان ينبيء عنه الأداء من شدة الرعاية ، والإستقصاء[٥٦].

وقد اختلف العلماء في حكم الجماعة في الصلوات الخمس، وأقوال العلماء فيها كالآتي :

أ) ذكر الكاساني في البدائع عن عامة مشايخ الحنفية القول بوجوب الجماعة، وقال ابن نجيم في البحر: إنه الراجح عند أهل المذهب، لكن المشهور في معظم كتب الحنفية المعتمدة هو التعبير بالسنة المؤكدة، ففي الهداية: الجماعة سنة مؤكدة، لقوله عليه الصلاة و السلام: " الجماعة سنة من سنن الهدى لا يتخلف عنها إلا منافق".[٥٧]

وهو تعبير القدوري، وكنز الدقائق والإختيار، ونور الإيضاح.[٥٨]

ولعل الخلاف بينهم لفظي، وذلك بأن يقال: ان من ذكر أنها سنة مؤكدة قصد بها الواجب، بقرينة استدلالهم بالأخبار الواردة بالوعيد الشديد لتارك الجماعة، ولأن السنة إذا كانت مؤكدة تكون بمعنى الواجب وفي قوتها خصوصا فيما يعتبر من شعائر الإسلام .

أو قصد كونها ثابتة بالسنة، قال ابن الهمام في شرحه تعليقاً علي قول صاحب الهداية السابق: " لا يطابق دليله الذي ذكره الدعوى، إذ مقتضاه الوجوب إلا لعذر، إلا أن يريد ثبوتها بالسنة ".

وقال الكاساني بعد تصريحه أن الكرخي ذكر أنها سنة : " وليس هذا اختلافا في الحقيقة بل من حيث العبارة لأن السنة المؤكدة والواجب سواء خصوصا ما كان من شعائر الإسلام. ألا ترى أن الكرخي سماها سنة ثم فسرها بالواجب فقال: الجماعة سنة لا يرخص لأحد التأخير عنها إلا لعذر، وهو تفسير الواجب عند العامة ."

وفي البحر الرائق نقلا عن المجتبى :" والظاهر أنهم أرادوا بالتأكيد الوجوب، لإستدلالهم بالأخبار الواردة بالوعيد الشديد بترك الجماعة ".

وإلى القول بأنها سنة مؤكدة ذهبت المالكية ومن معهم(٥٩).

ب) ذهبت الشافعية في الأصح إلى أنها فرض كفاية(٦٠).

ج) وقالت الحنابلة ومن معهم : انها واجبة وجوب عين(٦١) أي على الرجال الأحرار القادرين دون المقضيات من الخمس وغير الخمس كالكسوف ، وإليه مال البخاري حيث عنون بقوله : " باب وجوب صلاة الجماعة" ويعنى به الواجب عينا، لأن ما أورده من أثر الحسن رضي الله عنه وهو: " إن منعته أمه شفقة عليه لم يطعها" يوضح مقصوده، ويعين احتمال الوجوب عينا في حديث الباب(٦٢).

الأدلة :استدل عامة مشايخ الحنفية بالكتاب والسنة وتوارث الأمة :
أما الكتاب :فيقول الله عز وجل: ﴿ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴾ (٦٣) وجه الإستدلال هو: أن الآية أمرت بالركوع مع الراكعين، وذا يكون بالمشاركة معهم في الركوع، فتكون الآية آمرة بالجماعة، والأمر المطلق يفيد الوجوب.

أما السنة :فبقول الرسول ﷺ:"لقد هممت أن آمر رجلا يصلي بالناس فأنصرف إلى أقوام تخلفوا عن الصلاة فأحرق عليهم بيوتهم"(٦٤). وكل وعيد هذا شأنه لا يكون إلا بترك الواجب.

أما الإستدلال بالتوارث: فهو أن الأمة منذ عهد النبي ﷺ إلى يومنا هذا واظبت على الجماعة وصدر منهم الإنكار على تاركها، والمواظبة إذا كانت هذا شأنها فهي دليل على الوجوب(٦٥). أما القائلون بأنها فرض عين فقد اضافوا إلى تلك الأدلة– من الآية والحديث المتقدم– ما يلي :

١. قوله سبحانه وتعالى: ﴿ وَإذا كُنْتَ فِيْهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلاةَ فَلتقُم طَائِفَة مِنْهُمْ مَعَك ﴾[٦٦].

وجه الإستدلال هو: أن الامر يفيد الوجوب، فقد أمر بالجماعة في حالة الخوف ففي غيرها أولى.

٢. ما رواه أبو هريرة رضي الله عنه: " أن رجلا أعمى قال: يا رسول الله، ليس لي قائد يقودني إلى المسجد، فسال النبي ﷺ أن يرخص له فيصلي في بيته، فرخص له، فلما ولى دعاه فقال:هل تسمع النداء؟ فقال نعم. قال: فأجب" [٦٧].

٣ . كما عضدوا مذهبهم بقول ابن مسعود رضي الله عنه: " لقد رأيتنا وما يتخلف عنها إلا منافق معلوم النفاق، ولقد كان الرجل يؤتى به يهادى بين الرجلين حتى يقام في الصف"[٦٨].

وقد أجيب عن هذه الأدلة بأجوبة منها:

أولاً: أن حديث أبي هريرة الذي ذكر فيه الهم بالتحريق ورد في قوم منافقين كانوا يتخلفون عن الجماعة، لا يصلون فرادى، والدليل علي هذا سياق الحديث ، وما ورد في قول ابن مسعود: "لقد رأتينا وما يتخلف عنها إلا منافق."

جاء في المنتقى :"...والأصح في هذا-والله أ علم- أن الذين كانوا يتخلفون عن الصلاة قوم من المنافقين ممن كان لايعتقد فرض الصلاة، ويعلم من حاله الإستخفاف بها، والتضييع لها، يبين ذلك أنه لابد أن يكون هؤلاء المتخلفون موسومين عنده بذلك. إما لتكرر فعلهم، أو الوحي، أو لغير ذلك؛لأنه لا يجوز أن يهم ذلك إلا فيمن يعتقد فيه الإستخفاف والتضييع ولذلك أعلم ضمن حالهم أنهم أشد مسارعة ... وقد روى عن أبي هريرة قال قال النبي ﷺ: (ليس صلاة أثقل على

المنافقين من الفجر والعشاء ولو يعلمون ما فيهما لأتوهما ولو حبواً ولقد هممت أن آمر المؤذن فيقيم ثم آمر رجلا يؤم الناس، ثم آخذ شعلا من نار فأحرق على من لا يخرج إلى الصلاة بعد)[٦٩] ، فبين أن ذلك للمنافقين؛ لأنهم هم المذكورون في الخبر بتأخرهم عن صلاة العشاء ، ويؤكد هذا ما روي عن عبدالله بن مسعود أنه قال:"وما يتخلف عنها إلا منافق معلوم نفاقه"[٧٠]. وقد صوب ابن حجر العسقلاني كون الحديث واردا في المنافقين لكنه قال: إن المراد بالنفاق نفاق المعصية لا الكفر.

ولئن سلم كونه واردا في نفاق الكفر، فلا يسلم حينئذ دلالته على عدم الوجوب ؛ إذ الحديث يبين أن ترك الجماعة من خواص المنافقين. وقد نهينا عن التشبه بهم.

والقول بأن الحديث ورد في المنافقين والمراد به نفاق المعصية هو رأي العيني[٧١]. ثانيا . أنه عليه الصلاة والسلام هم بتحريقهم ولم يحرقهم ، فعدم القيام به يدل على أنه ليس بواجب عينا.

أجاب ابن دقيق العيد بأن الترك لا يدل علي عدم الوجوب ، فالنبي ﷺ هم بتحريقهم، ولو قام به لجاز ، لأنه لا يعزم إلا بما يجوز فعله لو فعله[٧٢].

ثالثا. أن الحديث لا يثبت كون الجماعة فرض عين ؛ إذ لو كانت فرض عين لما صرح"...ثم أخالف إلى رجال فأحرق عليهم بيوتهم" لأنه يفضي إلى تخلف رسول الله ﷺ عن الجماعة فيكون معصية.

والجواب :أن ترك الجماعة حال الحريق لا يستلزم تركها مطلقاً؛ لأنه يمكن أن يأتي بها في جماعة آخرين قبل التحريق أو بعده[٧٣].

وقالوا بالنسبة لما ورد فيه الأمر بالجماعة من الأدلة الأخي: أنه مصروف عن

الوجوب بحديث:"صلاة الجماعة خير من صلاة الفذ..." إذ المفاضلة تقتضي الجواز(٧٤).

دليل من قال إنها سنة مؤكدة:

استدل هؤلاء بقوله ﷺ: "صلاة الجماعة تفضل على صلاة الفذ بسبع وعشرين درجة" وفي رواية: "بخمس وعشرين "(٧٥) قال الصنعاني : "ولا منافاة، فان مفهوم العدد غير مراد ، فرواية الخمس والعشرين داخلة تحت رواية السبع والعشرين . أو أنه ﷺ أخبر بالأقل عددا أولا، ثم أخبر بالأكثر ، وأنه زيادة تفضل الله بها"(٧٦).

وجه دلالة الحديث علي أن الجماعة سنة مؤكدة، وليست بشرط ولا فرض هو: أنه يحث علي الجماعة، ويجعلها وسيلة لإحراز الفضيلة أكثر من صلاة الفذ ، فيشتركان في الفضيلة، إلا أن الصلاة بالجماعة تفوق فضيلتها على الصلاة فرادى، وهذا علامة من علائم السنن.

قال الباجي: "ووجه الدليل منه معنيان : أحدهما : أنه جعل صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ ، ولو لم تكن صلاة الفذ، مجزئة لما وصفت بأن صلاة الجماعة تفضلها؛لأنه لا يصح أن يفاضل بين صلاة الجماعة ما ليس بصلاة.

والثاني: أنه حد ذلك بسبع وعشرين درجة فلو لم تكن لصلاة الفذ درجة من الفضيلة لما جاز أن يقال: إن صلاة الجماعة تزيد عليها سبعاً وعشرين درجة، ولا أكثر ولا أقل؛ لأنه إذا لم يكن لصلاة الفذ مقدار من الفضيلة ، فلا يصح أن تتقدر الزيادة عليها بدرجات معدودة مضافة اليها "(٧٧).

دليل من قال إنها فرض كفاية:

أولا: ما روي عن النبي ﷺ أنه قال: " ما من ثلاثه في قرية ولا بدو لا تقام فيهم الجماعة إلا استحوذ عليهم الشيطان، فعليك بالجماعة فإنما يأكل الذئب من الغنم القاصية". (٧٨)

وكأنهم يقولون: إن الغرض من كونها فرضا هو إظهار الشعائر، وهو يحصل إذا كان كفائيا، فلا يقال: إنها فرض عين لحديث "صلاة الجماعة خير..... "

ثانيا: حديث مالك بن الحويرث قال: أتينا رسول الله ﷺ ونحن شببة متقاربون، فأقمنا عنده عشرين ليلة، وكان رسول الله ﷺ رحيما رفيقا ، فظن أنا اشتقنا أهلنا فسألنا عمن تركنا من أهلنا؟ فأخبرناه فقال: " ارجعوا أهليكم، فأقيموا فيهم، وعلموهم، ومروهم، فإذا حضرت الصلاة، فليؤذن لكم أحدكم، ثم ليؤمكم أكبركم". (٧٩)

هذا، والظاهر هو أن قول الحنابلة القول بوجوبها عينا من غير أن تكون شرطا هو الذي تعضده الأدلة ؛ إذ لو كانت سنة لم يهدد الرسول ﷺ تاركها بهذا العذاب الشديد (التحريق).

ولو كانت فرض كفاية لاكتفي فيها بمن كانوا معه عليه الصلاة السلام. و لأنها لو كانت سنة أو فرض كفاية لما احتيج إليها في صلاة الخوف التي فيها أعمال لا تجوز في حال الأمن.

ولأن الحديث الذي استدل به على السنية يدل علي كونها غير شرط للصحة، لإقتضائها صحة صلاة المنفرد، المستوعبة للفضيلة، وهذا لا ينفيه أصحاب هذا القول، فقد جاء في الإقناع وشرحه للبهوتي :" وحيث تقرر أنها ليست شرطا

للخمس، فإنها تصح من منفرد، ولو لغير عذر. وفي صلاته أي المنفرد فضل مع الإثم، لأنه يلزم من ثبوت النسبة بينهما بجزء معلوم ثبوت الأجر فيهما. وإلا فلا نسبة ولا تقدير... "(٨٠).

اما مثال الأداء المحض الكامل في حق العبد فهو كرد عين المغصوب.

لقد وضعت الشريعة الاسلامية طرقا لكسب الأموال بحيث راعت فيها ما يكفل للإنسان معيشته، كما نهت عن أخذ مال الغير، أو الإستيلاء عليه بوسائل خبيثة،لا تتفق مع مراميها السامية وتجلب المفاسد للفرد والمجتمع، ومن هذه الطرق المحرمة التي لايجوز كسب الأموال بواسطتها الغصب، فهو عدوان وظلم باعتباره أخذ لمال الغير بغير حق ولا وجه مشروع .

قال الله تعالى: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ﴾ (٨١).

وقال: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰي ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ﴾ (٨٢). وقال رسول الله ﷺ: "سباب المسلم أخاه فسوق، وقتاله كفر، حرمة ماله كحرمة دمه"(٨٣). كما قال ﷺ في خطبته :"ألا ان دمائكم وأعراضكم وأموالكم حرام عليكم كحرمة يومكم هذا، في شهركم هذا، في بلدكم هذا"(٨٤).

فلو عصى الانسان ربه وغصب عينا ما، لزمه ردها، لأن الواجب الأصلي في الغصب هو رد عين المغصوب إلى مالكه(٨٥).

قال الكاساني: " أما حكم الغصب فله في الأصل حكمان: أحدهما: يرجع إلى الاخرة. والثاني: يرجع إلى الدنيا. أما الذي يرجع إلى الاخرة فهو الاثم واستحقاق المؤاخذة إذا فعله عن علم، لأنه معصية وارتكاب المعصية علي سبيل التعمد سبب

لاستحقاق المؤاخذة، وقد روي عنه صلى الله عليه وسلم أنه قال: "من غصب شبرا من أرض طوقه الله من سبع أرضين يوم القيامة"(٨٦). وان فعله لا عن علم بأن ظن أنه ملكه فلا مؤاخذة عليه.. وأما الذي يرجع إلى الدنيا فأنواع:بعضها يرجع إلى حال قيام المغصوب، وبعضها يرجع إلى حال هلاكه، وأما الذي يرجع إلى حال قيامه فهو وجوب رد المغصوب علي الغاصب". (٨٧)

وقال أبو إسحاق الشيرازي: " فان كان المغصوب باقيا لزمه رده لما روي عبد الله بن السائب بن يزيد عن أبيه عن جده أن النبي (ﷺ) قال: " لا يأخذ أحدكم متاع أخيه لا عبا، أو جاداً ، فإذا أخذ أحدكم عصا أخيه فليردها..."(٨٨).

أيضا قال ﷺ: "على اليد ما أخذت حتي تودي" (٨٩).

وقال : " من وجد عين ماله فهو أحق به"(٩٠).

فالأدلة تدل علي وجوب الرد علي الآخذ، فان دفع الغاصب عين ما غصبه إلى مالكه، فقد أداه أداء كاملا كما قال الحنفية- لأنه رد عين ما وجب عليه رده علي الصفة التي كان عليها(٩١).

ما يتفرع علي كونه أداء محضا كاملا:

قال السرخسي:"ويتفرع عليه ما لو باع الغاصب المغصوب من المغصوب منه، أو وهبه له، أو سلمه، فإنه يكون أداء العين المستحق بسببه أي بسبب الموجب للاستحقاق ويلغو ما صرح به"(٩٢).

هذا، والأداء المحض الكامل كما يكون برد عين المستحق حقيقة كما مثل فقد يكون بأداء المستحق بسببه حكما أي شرعاً بأن يكون الشرع قد جعله عين المستحق لغرض ما، وذلك كبدل الصرف والمسلم فيه " إذ كل منهما دين ثابت في الذمة وهو وصف لا يحتمل التسليم، إلا أن الشرع جعل المؤدى عين ذلك

الواجب في الذمة حكما، لئلا يلزم الاستبدال في بدل الصرف والمسلم فيه قبل القبض وهو حرام، ولئلا يلزم امتناع الجبر علي التسليم والقبضِ اذ لو كان غير حقه لم يجبر عليه، لانه استبدال، والاستبدال موقوف علي التراضي، فعرفنا أنه عين ما وجب حكما"(٩٣).

ب) الأداء المحض القاصر :

و هو: ما أداه الانسان مع نقصان في صفته بأن يأتي به علي وجه لا يستوعب الاوصاف التي شرعت فيه من الواجبات وما في معناه كالسنن المؤكدة(٩٤).

قال نظام الدين الشاشي: " أما الأداء القاصر فهو تسليم عين الواجب مع النقصان في صفته"(٩٥) .

وقال السرخسي:"... والقاصر بأن يتمكن نقصان في صفته"(٩٦).

وقال ابن أمير الحاج:" هو ما ليس بمستجمع لجميع الاوصاف المشروعة فيه"(٩٧). ولنضرب له مثالا في حقوق الله تعالى، وآخر في حقو ق العباد.

أما في حقوق الله تعالى فالصلاة منفرداً:

الصلاة إذا أديت كلها بالانفراد، أو بعضها الأول كما في المسبوق تعتبر أداء قاصراً.

أما المنفرد الخالص فانه أدى جميع الصلاة في الوقت بغير الجماعة، وهو مأمور بأدائها مع الجماعة، لانها وصف مرغوب فيها شرعا فيما شرعت فيها الجماعة من الصلوات، فكان عدم الجماعة سبب النقصان في صفة الصلاة، لذا كان الأداء قاصراً.

وقد أورد عبد العزيز البخاري في شرح الحسامي اعتراضا علي كون أداء الصلاة منفردا قاصرا ثم أجاب عليه فقال :

" فان قيل ينبغي أن يكون أداء المنفرد كاملا لا ناقصا، لانه هو الواجب بالأمر،

والجماعة لم يجب بالامر بل هي سنة، فيكون الأداء بالجماعة اكمل منه، لا أن تركه يوجب النقصان، كمن أمر بأداء درهم زيفة إذا أداه يكون كاملا منه، لأنه هو الواجب بالامر ولو أدى درهماً جيداً يكون أكمل منه لا أن يكون الأداء الأول ناقصا، فكذا ههنا.

قلت : الجماعة سنة مؤكدة وهي في حكم الواجب فكانت داخلة في الأمر الذي يثبت بمثله الواجب، فكان تركها موجبا للنقصان كترك الفاتحة وترك ضم السورة إليها ."

أما المسبوق وهو: من فاته بعض الصلاة الاول أي الركعة الاولي مثلا مع الامام فانما جعل أداوه قاصراً ، وقد أدى بعض الصلاة بالجماعة دون البعض الاول لان المركب من الكامل والقاصر قاصر، الا أن قصوره من بعض الوجوه لانه مؤد للفعل في وقته بحيث وجدت صفة الجماعة فيما أدركها مع الامام بخلاف صلاة المنفرد فانها قاصرة من كل الوجوه . ففي كشف الاسرار:".. فكان أي المسبوق فيه مودياً أداء قاصراً، أو فعله أداءً قاصراً، ولكن فعله في القصور دون فعل المنفرد من وجهين: أحدهما: أن صفة الجماعة موجودة ههنا في البعض بخلاف المنفرد والثاني: أنه وان كان منفرداً فيما سبق به حتي لزمه القراءة وسجود السهو لو سها فيه، لكنه مقتد فيه باعتبار التحريمةِ لانه أدركها مع الامام وهي شيء واحد، ولهذا لا يصح اقتداء الغير به، فكان الذي صلي بغير امام منفرداً في الكل أداءً وتحريمة، والمسبوق منفرداً في البعض أداء لا تحريمة، فكان قصوره دون الاول بدرجتين ."

وأما تسمية الشرع لصلاته بالقضاء حيث قال ﷺ:" وما فاتكم فاقضوا"[٩٨] فإنما هو من باب المجاز، لما فيه من اسقاط الواجب، أو سماه الشرع قاضياً باعتبار حال الامام ونحن نجعله مودياً باعتبار حاله[٩٩].

ما يتفرع علي كون المسبوق كالمنفرد: إذا كان المسبوق مودياً أداء قاصراً

كالمنفرد، فحكمه حكم المنفرد يجب عليه القراءة فيما يقضيه بعد فراغ الامام، والسجدة بالسهو، ويتغير فرضه بالاقامة، وغير ذلك من احكام المنفرد(١٠٠).

فقد جاء في تنوير الابصار وشرحه الدر المختار"... وهو منفرد حتى يثني ويتعوذ ويقرأ وان قرأ مع الامام، لعدم الاعتداد بها فيما يقضيه" (١٠١)

وقال ابن عابدين في حكمه:"... إذا قضى ما فاته يقرأ ويسجد إذا سها فيه، ويتغير فرضه لو كان مسافراً، ويتابع امامه قبل قضاء ما فاته" (١٠٢).

أما مثال الأداء المحض القاصر في حقوق العباد فهو:

تسليم المبيع مشغولا بالجناية:

إذا سلم البائع المبيع إلى المشتري مشغولا بالجناية أبيح بها مثلاً دمه بأن كان المبيع عبدا ، فتعدى في يد البائع علي نفس متعمداً بحيث وجب به قتله، أو ارتد عن دينه الحنيف، فان هذا التسليم يطلق عليه بأنه أداء قاصر .

أما كونه أداء، فلانه سلمه عين ما ورد عليه العقد، وأما كونه قاصراً، فلانه سلمه علي خلاف الوصف الذي اقتضاه العقد، اذ الواجب هو تسليم ما وجب بالعقد من المبيع(١٠٣)

ما يتفرع علي كونه أداء قاصرا:

يتفرع علي كونه أداء: أن المبيع لو هلك بعد التسليم في يد المشتري بريء البائع، لان المشتري وصل إلى عين حقه الذي ورد عليه العقد.

ويتفرع علي كونه قاصراً: أن المبيع لو هلك بالسبب الذي وجد عند البائع- وذلك بأن يقتص مثلاً من العبد في يد المشتري- انتقض القبض، ورجع المشتري علي البائع بجميع الثمن(١٠٤) ، وهذا رأي أبي حنيفة(١٠٥) وذهبت إليه الشافعية(١٠٦).

وقال أبو يوسف ومحمد : يرجع المشتري علي البائع بنقصان العيب، بأن يقوم

المبيع حلال الدم وحرام الدم، فيرجع بما يثبت من التفاوت بينهما(١٠٧) وإليه ذهبت الحنابلة(١٠٨).

الأدلة:

قال أبو حنيفة: إن قتل العبد بالقصاص بمنزلة الاستحقاق، ولو استحق المبيع كله يرجع المشتري بكل الثمن فكذا ههنا . وبيان ذلك: أن القصاص يضاف إلى ما وجد عند البائع من السبب الموجب له، لان هذا السبب هو الذي أدى إلى قتله، فصار كما لو قتل العبد المغصوب عند مالكه بسبب وجد عند الغاصب، حيث يرجع المالک بقيمة العبد كلها علي الغاصب، والجامع هو وجود القصاص المضاف في كل منهما إلى سبب الوجوب السابق، وإذا كان الأمر كذلک ينقض القبض من الاصل، ويصير كأنه لم يوجد كما في الاستحقاق(١٠٩).

ولقد صورالسرخسي دليل أبي حنيفة رحمه الله بقوله : " وأبو حنيفة يقول: زالت يد المشتري عن المبيع لسبب كانت الإ زالة مستحقة في يد البائع، فيرجع بالثمن كما لو استحقه مالک، أو مرتهن، أو صاحب دين . وهذا لأن الإزالة لما كانت مستحقة قبل قبض المشتري ينتقض بها قبض المشتري من الاصل، فكأنه لم يقبضه وإنما قلنا ذلك ، لأن القتل بسبب الردة مستحق لا يجوز تركه، وبسبب القصاص مستحق في حق من عليه إلا أن ينشيء من هو له عفواً باختياره"(١١٠).

أما أبو يوسف ومحمد رحمهما الله فقالا: ان المبيع مال متقوم وحل الدم عيب فيه وليس باستحقاق، فينفذ العقد، ويرجع المشتري علي البائع بحصة العيب من الثمن كمن اشتري شيئا معيباً وقبضه، ثم تعذر عليه الرد، فانه يرجع بقسط العيب من الثمن.

وبيان ذلك : أن محل البيع هو مالية العبد. والموجود عند البائع هو سبب قتل

العبد وهو لا ينافي المالية، ولذلک يصح تصرف المشتري فيه ولو طلب ولي القصاص عدم شراء المشتري له لم يسمع كلامه، لان ما يستحقه هو القصاص الذي محله النفس ويتعلق بآدمية العبد لا بماليته، والبيع والشراء يتعلقان بماليته، فيصح العقد، ولا ينتقض بالقصاص، نعم، المالية تتلف باستيفاء القتل، ولكن الاستيفاء فعل أحدثه المستوفي باختياره بعد دخول المبيع في ضمان المشتري، فلا ينتقض به قبضه، وصار كما لو اشتري جارية حاملاً فما تت في يد المشتري من الولادة، حيث ان المشتري يرجع حينئذ بالتفاوت الموجود بين قيمتها حاملاً وغير حامل(١١١).

جاء في المبسوط : " قال أبو يوسف ومحمد رحمهما الله : يقوم حلال الدم وحرام الدم، فيرجع بتفاوت ما بين القيمتين من الثمن، لأن العبد بعد ما حل دمه مال متقوم، وحل الدم عيب فيه، ومن اشتري شيأمعيباً، وتعذر عليه رده بعد ما قبضه رجع بحصة العيب من الثمن، كما لو كان زانياً فجلد عند المشتري ومات، وبيان الوصف أن بيع حلال الدم صحيح، وبالقبض ينتقل إلى ضمان المشتري، بدليل أنه لو مات كان الثمن متقرراً علي المشتري ، ولو تصرف فيه المشتري نفذ تصرفه فيه، فعرفنا أن حل الدم عيب فيه، يوضحه أن البيع يرد علي محل غير مستحق بسبب حل الدم، فالمستحق به النفس، وانما يملک بالبيع المالية"(١١٢).

هذا : والذي يظهر لي هو أن القول الأولى بالاعتبار هو قول أبي حنيفه، ومن وافقه، لأن علة العلة تقوم مقام العلة في الحكم، فاستحقاق النفس بسبب القتل الكائن عند البائع وإن كان لا يستحق به المالية التي ورد عليها البيع، لكن بالقتل تتلف المالية في هذا المحل، لاستلزامه انعدام المالية، لأنها لا تنفصل عن النفس المستحقة، وكل ما لا يمكن فصله عن الشيء بحال من الأحوال يكون كانه هو، فتصير المالية كأنها المستحقة. فكان القتل في معنى علة العلة وهي تقوم مقام العلة

في الحكم. وإنما تقرر جميع الثمن علي عهدة المشتري إذا مات في يده، لأن استحقاق النفس في حكم الاستيفاء، وبموته وعدم القصاص لم يتم هذا الاستحقاق، فكان الضمان في عهدة المشتري.

وأما مسألة المرأة الحامل إذا ماتت في يد المشتري: فرأي الامام أبي حنيفة فيها كرأيه ههنا، وهو الرجوع بجميع الثمن[١١٣].

ج) الأداء المحض (شبيه بالقضاء)

هو ما كان فيه شبه بالقضاء، بأن يلتزم الانسان الأداء علي جهة، ويأتي به علي جهة أخري تشبهه بالقضاء.

قال ملا جيون في شرح المنار:"ويعنى بالشبيه بالقضاء مافيه شبه به من حيث التزامه".[١١٤]

وهذا القسم أيضاً له أمثلة في حقوق الله تعالى، وفي حقوق العباد. وفيما يلي مثال له من كل نوع :

ففي حقوق الله كفعل اللاحق فقط :

اللاحق هو: من أدرك أول الصلا ة مع الامام لكن فاته الباقي، لحدث أو نوم وغيرهما من الأعذار ، فالصلاة الباقية التي يبنيها علي ما مضى من الصلاة بعد الوضوء، وفراغ الامام أداء، باعتبار بقاء الوقت. وشبيه بالقضاء؛لأن اللاحق يأتي بمثل مافاته مما التزمه مع الامام من المتابعة بتكبيرة الاحرام لا بعينه؛ لعدم وجوده وراء الامام حقيقة، وما انعقد له احرامه هو أ ن يأتي بها وهو خلف الامام حقيقة، الا أنه اعتبر اللاحق شرعاً مقتدياً كأنه خلاف الامام حقيقة ؛ لأنه عزم الأداء من الامام بالاقتداء ففاتته المتابعة بعذر عارض .

وإ نما سمي أداء شبيهاً بالقضاء دون العكس؛لأن الأداء كان باعتبار أصل الفعل

وهو الصلاة الذي وجد في الحالتين ، والقضاء باعتبار وصفه- الجماعة- والوصف تبع للأصل .

وأما الجواب عما إذا قيل: ان الجمع بين المتنافيين غير جائز ، فكيف جمعتم بينهما في فعل واحد ؟ أي : في فعل اللاحق . فهو أن الجهتين ههنا مختلفتان فيصح الجمع بينهما وعدم الجمع فيما إذا اتحدت الجهتان.(١١٥)

ما يتفرع علي كون فعل اللاحق أداء شبيهاً بالقضاء:

يتفرع علي كونه أداء عدم وجوب القرا ئة عليه، وعدم لزوم سجدة السهو في قضاء ما تبقي من الصلاة ؛ لأنه اعتبر خلاف الامام حكماً،و يتفرع علكونه شبيهاٍ بالقضاء عدم تغير فرضه فيما إذا نوى الاقامة بعد الحدث الذي طرأه، أو ذهب للوضوء فدخل وطنه ولم يقطع صلاته بالكلام ،و قد فرغ الامام من الصلاة – لأنه بمنزلة القاضي قضاء محضاً ، والقضاء المحض لا يغيره مغير ، بل تبقي العبادة علي ما كانت عليها ، فكذلك ما في معناه .

ففي الدر المختار : "وحكم اللاحق كمؤتم فلا يأتي بقراءة ولا سهو، ولا يتغير فرضه بنية الاقامة". (١١٦)

وفي البحرالرائق:"... ومن حكمه أنه مقتد حكماً فيما يقضي؛ ولهذا لا يقرأ، ولا يلزمه سجود بسهوه، وإذا تبدل اجتهاده في القبلة تبطل صلاته،ولو سبقه الحدث ، وهو مسافر فدخل مصره للوضوء بعد فراغ الامام لا ينقلب أربعاً ، وكذا لو نوى الاقامة بعد فراغ الامام ، وقد جعلوا فعله في الأصول أداء شبيهاً بالقضاء؛فلهذا لا يتغير فرضه بنية الاقامة، لأنها لا تؤثر في القضاء"(١١٧) .

وجاء مثل هذا في شرح فتح القدير.(١١٨)

هذا، وما ذكرناه من مسألة اللاحق . أعني جواز البناء لمن سبقه الحدث .(١١٩)

هو مذهب الحنفية ومذهب للشافعي في القديم(١٢٠) ، وهو رواية عن أحمد.

وقال الشافعي في الجديد: تبطل صلاته فعليه الاستئناف، وهو الصحيح عند الحنابلة(١٢١) ، كما ذهب إليه مالك لكنه قال بجواز البناء في الرعاف لوذهب لغسل الدم.

ففي البدائع:"اختلف في الحدث السابق ، وهو الذي سبقه من غير قصد: وهو ما يخرج من بدنه من بول ، أو غائط ، أو ريح، أو رعاف ، أودم سائل ،أو دمل به بغير صنعه ، قال أصحابنا: لا تفسد الصلاة فيجوز البناء استحسانا".(١٢٢)

وفي المهذب:"وإن سبقه الحدث ففيه قولان: قال في الجديد : تبطل صلاته ... وقال في القديم: لا تبطل صلاته بل ينصرف و يتوضأ ويبني علي صلاته...".(١٢٣) وفي المغني:"فأما الذي سبقه الحدث فتبطل صلاته ويلزمه استئنافها. قال أحمد يعجبني أن يتوصأ و يستقبل ، هذا قول الحسن، وعطاء ، والنخعي، ومكحول، وعن أحمد أن يتوضأ و يبني، روي ذلك عن ابن عمر وابن عباس...والصحيح الأول ..."(١٢٤).

وفي المدونة:"قال: وقال مالك: ينصرف من الرعاف في الصلاة إذا سال منها، أوقطر قليلاً كان أو كثيراً ، فيغسله عنه ثم يبني علي صلاته، قال: وان كان غير قاطر ، ولا سائل فليفلته بأصابعه ولا شيء عليه".(١٢٥)

الأدلة :استدل الحنفية القائلون بالجواز. بالاستحسان المؤيد بالنص وإجماع الصحابة.

أما النص فهو: حديث عائشة ـ رضي الله تعالى عنها ـ عن النبي ﷺ أنه قال:"من قاء أو رعف في صلاته انصرف وتوضأ وبنى علي صلاتة مالم

يتكلم". (١٢٦)

وأما إجماع الصحابة: فهو أن البناء قد ثبت عنهم قولاً وفعلاً.

أما القول فهو أن الثابت عن أبي بكر، وعمر، وعثمان، وعلي، و ابن عباس، وابن عمر، وابن مسعود، وأنس بن مالك، وسلمان الفارسي، ـ رضي الله عنهم ـ هو: القول بجواز البناء لمن سبقه الحدث. (١٢٧)

أما الفعل فهو: ماروي أن أبابكر الصديق سبقه الحدث في الصلاة فتوضأ وبنى علي صلاته، وعمر سبقه الحدث فتوضأ وبنى، وعلي كان يصلي خلف عثمان ـ رضي الله عنهم ـ فرعف فانصرف و توضأ و بنى علي صلاته. (١٢٨)

وأما من قال بالمنع فمن حجتهم ما يأتي :

١. روى علي بن طلق قال: قال رسول الله ﷺ: "إذا فسا أحدكم في صلاتة فلينصرف فليتوضأ و ليعد صلاته". (١٢٩)

٢. ماروي عن علي بن أبي طالب أن رسول الله ﷺ كان قائماً يصلي بهم فانصرف ثم جاء ورأسه يقطر، فقال : "إني قمت بكم ثم ذكرت أني كنت جنباً ولم أغتسل فانصرفت فاغتسلت ، فمن أصابه منكم مثل الذي أصابني أو أصابه في بطنه زر فلينصرف، فليغتسل أو ليتوضأ، وليستقبل صلاته". (١٣٠)

٣. القياس، وهو: أن الطهارة في الصلاة شرط من شروطها ، وقد فقدها في أثناء الصلاة فلا تبقى معها التحريمة ـ كما في الابتداء ـ فتبطل الصلاة كما في الحدث العمد.

ولأن المشي إلى الوضوء و العود منه ـ الذي لا يكون إلا بعد مرور زمن مديد ـ مناف للصلاة. (١٣١)

أما الأداء الشبيه بالقضاء في حقوق العباد فهو: كتسليم العبد المشترى بعد جعله مهراً : إذا جعل الزوج عبداً معيناً مملوكاً للغير مهراً لامرأته ، ثم اشتراه وسلمه لها، فإن الحنفية يعتبرون هذا أداء شبيهاً بالقضاء . أما كونه أداء : فلأن الزوج يسلمها عين ماوجب عليه بالتسمية المعتد بها؛ اذ أنها تسمية صحيحة ، لذلك يجب عليه قيمة العبد عند فقده والا لزم مهر المثل.

وأما كونه شبيهاً بالقضاء فلأن العبد صار بالشراء ملكا للزوج قبل التسليم ، فكان الشراء سبباً لانتقال ملكية العبد من المالك الأصلي إلى الزوج المشتري و انتقال الملكية و تبدلها يقتضي تبدل العين حكماً ؛ بدليل قوله ﷺ: "هو صدقة عليها ولنا هدية"(١٣٢) حيث جعل النبي ﷺ تبدل الملك سبباً لا ختلاف العين، فلما صارت العين مختلفة حكماً كان تسليمها لها بعد الشراء غير ما وجب عليه تسليمه بالعقد حكماً ، فكان من هذا الوجه شبيهاً بالقضاء.

ما يتفرع على أنه أداء شبيه بالقضاء : يتفرع علي كونه أداء : أن المرأة تجبر علي قبوله: لأنه عين ما وجب على الزوج بالتسمية.

ويتفرع علي شبهه بالقضاء : صحة تصرف الزوج فيه . قبل التسليم لها . بالعتق والبيع وغيرهما من التصرفات؛ لكونها صادفت محلها ، إذ أن العبد غير المسمى حكماً.(١٣٣)

الخاتمة :

الحمدلله الذى يسر لي إتمام هذا البحث وجمع شتاته ، ولم أطرافه. وقد ظهر لي **من** خلاله النتائج التالية:

- إن التعريفات الواردة للأداء بعضها تجعل الأداء في الواجب ، وبعضها الآخر يعمم الأداء للمندوب أيضا.
- إن التعريف المختار للأداء هو أنه : "اسم لفعل تسليم ما طلب من الفعل بعينه".
- إن وصف الأداء يشمل المندوب كما يشمل الواجب.
- إن الأداء عند الحنفية قسم من أقسام المأمور به- مؤقتا كان الأمر أو غير موقت بخلاف أصحاب الشافعى ومن معهم حيث إنهم يقولون: إن الأداء يختص بالموقتة، ولا يتصور عندهم الأداء إلا فيما يتصور فيه القضاء.
- إن الحنفية يعممون ألأداء في المعاملات كما هو في العبادات.
- إن للأداء أقساما ثلاثة:١: أداء مخض كامل ٢:أداء محض قاصر ٣ : أداء غير محض وكل قسم من هذه الأقسام يجرى في حقوق الله تعالى وفي حقوق العباد فتصير جميع أقسام الأداء بهذا الاعتبار ستة
- إن الجماعة في الصلاة واجب عينى وليست بشرط لصحتها.
- إن أداء الصلوات الخمس بالجماعة عند الحنفية . ومن وافقهم . واجب وليس بسنة مؤكدة كما يتبادر من ظاهر عبارات بعض كتب فقه الحنفية.

الهوامش

١. سورة النساء ، الآية ٥٨

٢. جزء من حديث رواه أبو داود في كتاب البيوع والإجارات ، باب في الرجل يأخذ حقه من تحت يده (٣/ ٥٠٨) ؛ والترمذى في كتاب البيوع ، باب رقم ٣٨ (٥٦٤/٣) وقال:"هذا حديث حسن غريب" ؛ والدارمي في كتاب البيوع ، باب في أداء الأمانة واجتناب الخيانة ٢٦٤/٢

٣. رواه البخارى في صحيحه ، كتاب الإيمان ، باب علامات المنافق ١٩/١، ومسلم في كتاب الإيمان باب خصال المنافق جـ ١ ص ٤٦ — ٤٧

٤. سورة الذاريات، آية ٥٦

٥. انظر : الصحاح للجوهري، باب الواء والياء، فصل الألف ٦٦٢٢/٦

٦. انظر : المصباح المنير ٩/١، لسان العرب باب الواو والياء من المعتل ، فصل الهمزة مادة أدا (٦٢/٤١)

٧. سورة البقرة : آية ٢٨٣

٨. سورة النساء : آية ٥٨

٩. سورة البقرة : ١٧٨

١٠. نزهة المشتاق ، ص٨٥

١١. روضة الناظر ، ص٣١

١٢. مختصر المنتهى ٢٣٢/١

١٣. مختصر ابن اللحام ، ص ٥٩، شرح الكوكب المنير ٣٦٥/١

١٤. فصول البدائع ١٨٢/١

١٥. شرح تنقيح الفصول ، ص ٧٢

١٦. منهاج الوصول (مع نهاية السؤال) ٤٦/١

١٧. لب الأصول (مع غاية الوصول)، ص١٦

١٨. جمع الجوامع (مع حاشية البناني)١٠٨/١

١٩. المستصفى ١/٩٥

٢٠. المحصول، ج ١ ، ق ١ ، ص١٤٨

٢١. أصول الشاشي، ص٤١

٢٢. تقويم الأدلة ، ١/ ١٩٨

٢٣. كنز الوصول إلي معرفة الأصول (بها مش كشف الأسرار لعبد العزيز البخاري) ١٣٤/١

٢٤. أصو ل السر خسي ٤٤/١

٢٥. راجع: المنتخب للحسامي (مع غاية التحقيق) ٨٨/١، المغني للخبازي ص٥٢

٢٦. المنار(مع فتح الغفار) ٩٤/١

٢٧. التوضيح (بهامش التلويح) ١٦٠/١

٢٨. التحرير (مع تيسير التحرير) ٢/ ١٩٨

٢٩. سورة النساء ، آية ٥٨

٣٠. المطبوع بهامش حاشية الأزميري ٢٥٠/١، و انظر : شرح التلويح على التوضيح ١٦٠/١، المصباح المنير ٩/١ ، المفردات في غريب القرآن ، كتاب الألف ، ص١٤

٣١. سورة النساء ، آية ٥٨

٣٢. التفسير الكبير١٣٨/١٠

٣٣. الجامع لأحكام القرآن٢٥٦/٥

٣٤. البحر المحيط ٣٦٠/١

٣٥. جاء في نيل الأوطار (٢٥١/٤) بلفظ : "أدوا صدقة الفطر عمن تمونون"

٣٦. جزءمن حديث رواه الدار قطنيفي كتاب زكاة الفطر١٤٧/٢،و رواه الطحاوي في شرح معاني لآثار،كتاب الزكاة ، باب مقدار صدقة الفطر٤٥/٢

٣٧. انظر: كشف الأسرار للبخاري١٣٦/١

٣٨. انظر: مناهج العقول ٦٤/١، شرح الجلال المحلي على جمع الجوامع (مع حاشية البناني)١٠٩/١-١١٠ ، حاشية السيد الشريف على شرح العضد ٢٣٤/١

٣٩. شرح التلويح على التو ضيح ١/١٦٠، هذا ، والجمعة من العبادة الموقتة التي لا يتصور فيها القضاء ، وتوصف بالأداء ، فهي مشتثناة. انظر: الاشباء والنظائر للسيوطي، ص١٩٦

٤٠. انظر: الإبهاج شرح المنهاج ١/٧٥-٧٦

٤١. انظر: المصدر نفسه ١/٧٩

٤٢. كنز الوصول الى معرفة الأصول ١/١٤٦

٤٣. انظر:كشف الأسرار للبخاري ١/ ١٤٦، أصول السرخسي ١/٤٨،كشف الأسرار شرح المصنف على المنار ١/٥٢

٤٤. انظر: التقرير والتحبير٢/١٢٧

٤٥. أصول الشاشي، ص ٤١

٤٦. أصول السرخسي ١/٤٨

٤٧. المنار (مع فتح الغفار) ١/٤٣-٤٤

٤٨. التنقيح والتوضيح (بها مش التلويح) ١/١٦٦

٤٩. التحرير (مع التقرير والتحبير) ٢/١٢٧

٥٠. قال البزدوي: " الأداء ثلاثة أنواع: أداء كامل محض، وأداء قاصر محض ، وما هو شبيه بالقضاء"

٥١. فتح الغفار ١/٤٣-٤٤

٥٢. انظر: المصدر نفسه ١/٤٣، شرح التلويح ١/١٦٦

٥٣. نور الأنوار لملا جيون، ص ٣٦

٥٤. قمر الأقمار على نو رالأنوار، ص٣٦

٥٥. أصول السرخسي ١/ ٤٨

٥٦. كشف الاسرار للبخاري٤/١٣٤-١٣٥

٥٧. الهداية (مع شرح فتح القدير) ١/ -٣٤٥٣٤٤، وما ذكره من الحديث قال فيه الزيلعي: "غريب بهذا اللفظ" نصب الراية ٢/٢١، وقال ابن حجر: "لم أره مرفوعاً، الدراية في تخريج أحاديث الهداية

١/ ١٦٦وقال العيني: "هذا من قول ابن مسعود– رضي الله عنه– ورفعه الي النبي صلى الله عليه وسلم غير صحيح"، البناية شرح الهداية ٣٠٦/٢

٥٨. انظر: مختصر القدوري، ص ١٠، كنز الدقائق للنسفي (بها مش البحر الرائق) ١/ ٣٦٥، الاختيار للموصلي ١/ ٥٧، نور الايضاح (بهامش مراقي الفلاح) ص ٥٥

٥٩. انظر: بدائع الصنائع ١٥٥/١، الهداية وشرحها فتح القدير لابن الهمام ٤٤٣/١، البحر الرائق ٣٦٥/١، الخرشي على مختصر خليل ١٦/٢، الشرح الصغير ١/ ٤٢٤، سبل السلام للصنعاني ١٩/٢

٦٠. انظر: مغني المحتاج للشربيني ١/ ٢٢٩، المهذب وشرحه المجموع للنووي ٨٥/٤،٨٨

٦١. انظر: كشاف القناع للبهوتي ١/ ٤٥٤ ، شرح منتهي الارادات ١/ ٢٤٤، نيل الاوطار للشوكاني ٥١/٣

٦٢. قال ابن حجر– عند قول الامام البخاري: باب وجوب صلاة– الجماعة– : "هكذا بت الحكم في هذه المسألة وكان ذلك لقوة دليلها عنده. لكن اطلق الوجوب وهو أعم من كونه وجوب عين، او كفاية إلا أن الأثر الذي ذكره عن الحسن يشعر بكونه يريد أنه وجوب عين، لما عرف من عادته أنه يستعمل الآثار في التراجم لتوضيحها، وتكميلها وتعيين أحد الاحتمالات في حديث الباب، وبهذا يجاب عمن اعترض عليه بان قول الحسن يستدل له لا به ". فتح الباري ٢٦٦/٢

٦٣. وقوله " وبهذا يجاب... " في الحقيقة رد لما ذكره العيني بقوله : "... ومن أين علم أن البخاري أراد وجوب العين؟ ومن أين يدل عليه أثر الحسن؟ وكيف نجوز الاستدلال على وجوب العين بالاثر المروي عن التابعي؟ وهذا محل نظر". عمدة القاري ١٥٩/٥

٦٤. سورة البقره ، آية ٤٣

٦٥. الحديث بهذا المعني اخرجه البخاري في صحيحه عن أبي هريره– رضيٰ الله عنه. في الخصومات باب اخراج اهل المعاصي والخصوم من البيوت بعد المعرفة (٩١/٣) ومسلم في كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة ... ١/ ٤٥١

٦٦. بدائع الصنائع ١٥٥/١

٦٧. سورة النساء، آية ١٠٢

٦٨. رواه مسلم في كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب يجب اتيان المسجد على من سمع النداء ١/ ٤٥٢ والنسائي في كتاب الامامة باب المحافظة على الصلوات حيث بنادي بهن ٢/ ٨٤–٨٥

٦٩. انظر كشاف القناع ١/ ٤٥٤، شرح منتهى الارادات ١/ ٢٤٤ أما قول ابن مسعود فهو جزءمن أثر رواه مسلم في صحيحه ،كتاب :المساجد ومواضع الصلاة،باب صلاة الجماعة من سنن الهدى ٤٥٣/١، وأبو داود من كتاب الصلاة،باب في التشديد في تر ك الجماعة ٣٧٣/١، والنسا ئي في كتاب الإمامة، باب المحافظة على الصلوات حيث ينادي بهن ٨٤/٢،و ابن ماجة في كتاب المساجد والجماعات ،باب المشي إلى الصلاة٢٥/١

٧٠. الحديث بهذا المعني اخرجه مسلم في صحيحه عن ابي صالح عن ابي هريره في كتاب المساجد وصلاة المسافرين، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها ١/ ٤٥١-٤٥٢

٧١. المنتقى للباجي ١/ ٢٢٩-٢٣٠

٧٢. انظر: مغني المحتاج ٢٣٠/١، المجموع ٤/ ٩٠، فتح الباري ٢/ ٢٦٧-٢٦٨، عمدة القاري ١٦٤/٥

٧٣. انظر: مغني المحتاج ١/ ٢٣٠، المجموع ٤/ ٩٠، نيل الاوطار ٣/ ١٥٢، إحكام الأحكام لابن دقيق العيد ١/ ٢٠٤

٧٤. انظر المنتقى شرح الموطأ للباجي ١/ ٢٣٠، نيل الأوطار ١٥١/٣- ١٥٢

٧٥. انظر : مغني المحتاج ٢٣٠/١، المجموع شرح المهذب ٩٠/٤ هذا وهناك أجوبة أخرى ومناقشتها، فمن شاء البسط فليرجع إلي فتح الباري ٢/ ٢٦٦-٢٦٩، عمدة القاري ١٦٣/٥-١٦٥،نيل الاوطار ٣/ ١٥١-١٥٣

٧٦. رواه البخا ري في صحيحه ،كتاب الأذان، باب فضل صلاة الجماعة١٥٨/١، ومسلم في كتاب المساجد .. ، باب فضل صلاة الجماعة ، وبيان التشديد في التخلف عنها ٤٤٩/١-٤٥١

٧٧. سبل السلام ٢/ ١٨

٧٨. المتقى شرح الموطأ ١/ ٢٢٨-٢٢٩ ، وانطر: بدائع الصنائع ١/ ١٥٥

٧٩. أخرجه أبو داود في كتاب الصلاة، باب في التشديد في ترک الجماعة ١٧٣/١ والنسائي في كتاب الإمامة، باب التشديد في ترک الجماعة ٨٢/٢-٨٣، وأحمد في المسند ١٩٦/٥

٨٠. انظر: مغني المحتاج ١/ ٢٢٩، المهذب وشرحه المجموع ٨٦/٤،٩٠ أما الحديث فرواه البخاري في صحيحه كتاب الأدب باب رحمة الناس البهائم ٧٧/٧، ومسلم في كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب من أحق بالإمامة ١/ ٤٦٥-٤٦٦

٨١. كشاف الفتاع ١/ ٤٥٥

٨٢. سورة النساء اية ٢٩

٨٣. سورة النساء ، آية ١٠

٨٤. أخرجه أحمد في المسند ١/ ٤٤٦

٨٥. جزء من حديث طويل رواه البخاري في صحيحه بهذا المعنى بطرق مختلفة في كتاب الحج، باب الخطبة أيام منى ١٩١/٢؛ ومسلم في كتاب القسامة والمحاربين والقصاص والديات،باب تغليظ تحريم الدماء والأعراض والأموال ٤/ ١٣٠٥-١٣٠٧

٨٦. انظر: المبسوط للسرخسي ١١/ ٤٩

٨٧. الحديث بهذا المعني رواه البخاري في صحيحه كتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيئا من الارض ١٠٠/٣ ومسلم في صحيحه كتاب المساقاة ، باب تحريم الظلم وغصب الارض وغيرها ١٢٣٠/٣-١٢٣٢

٨٨. بدائع الصنائع ٧/ ١٤٨

٨٩. المهذب (مع تكملة المجموع) ٥٩/١٤ اما الحديث فرواه أبو داود في كتاب الأدب، باب من يأخذ الشيء على المزاح ٢٧٣/٥، والترمذي في كتاب الفتن، باب: ما جاء لا يحل لمسلم أن يروع مسلما ٤/ ٤٦٢،و أحمد في المسند ٢٢١/٤

٩٠. رواه أبو داود في كتاب البيوع والاجارات، باب: في تضمين العارية ٨٢٢/٣، والترمذي في كتاب البيوع باب: ما جاء في أن العارية مؤداة (٦٦٥/٣) وقال: "هذا حديث حسن صحيح" وابن ماجة في كتاب الصدقات باب العارية ٨٠٢/٢، وأحمد في المسند ٨/٥، والدارمي في كتاب البيوع ، باب في العارية مؤداة ٢٦٤/٢

٩١. الحديث بهذا المعنى رواه البخاري في كتاب الاستقراض وأداء الديون والحجروالتفليس،باب:إذا وجد ماله عند مفلس في البيع والقرض والوديعة فهوأحق به ٨٦/٣ ؛ ومسلم في كتاب المسا قاة ، باب:من أدرك ما باعه عند المشتري وقد أفلس فله الرجوع فيه ١٣٩٣/٣-١٣٩٤

٩٢. انظر: التوضيح وشرح التلويح ١٦٧/١، كنز الوصول وكشف الاسرار للبخاري، ١٦٠/١، تيسير التحرير ٢٠٣/٢، مرآة الاصول وحاشية الازميري ١/ ٢٦٢، حاشية الازميري على مرآة الأصول ١/ ٢٦٢. ٣٦٢

٩٣. اصول السرخسي ٥٢/١-٥٣، حاشية الازميري على مرآة الاصول ١/ ٣٦٢.٢٦٢

٩٤. انظر : مرآة الاصول ٢٦٢/١، تيسير التحرير ٢٠٣/٢، نور الأنوار شرح المنار ص٣٦

٩٥. انظر : مرآة الاصول ٢٦٢/١، تيسير التحرير ٢٠٣/٢، نور الأنوار شرح المنار ص٣٦

٩٦. أصول الشاشى ٤٢

٩٧. أصول السرخسى ٤٨/١

٩٨. التقرير والتحبير ١٢٧/٢

٩٩. رواه احمد في المسند بهذا اللفظ ٢/ ٢٣٨، ومسلم بلفظ: "... صل ما أدركت ، واقض ما سبقك". انظر: صحيح مسلم ،كتاب المساجد و مواضع الصلاه ، باب استحباب إتيان الصلاة بوقار وسكينة، والنهي عن إتيانها سعياً ٤٢١/١

١٠٠. انظر: كنز الوصول وشرحه كشف الأسرار ١/ ١٤٧، أصول السرخسي ١/ ٨٤، التوضيح وشرحه التلويح ١٦٦/١، تيسير التحرير ٢٠٣/٢، مرآة الأصول وحاشية الازميري ٢٦٢/١، غاية التحقيق شرح الحسامي لعبد العزيز البخاري، ص٩٢

١٠١. انظر : التوضيح والتنقيح (بها مش التلويح) ١٦٦/١

١٠٢. ٧٥٥/١

١٠٣. حاشية رد المحتار على الدر المختار ١/ ٥٥٧

١٠٤. انظر اصول السرخسي ٥٣/١-٥٤، كنز الوصول،وشرحه كشف الاسرار ١٦٠/١، التوضيح وشرح التلويح ١٦٨/١ ، حاشية الازميري على مرآة الاصول، ٢٦٣/١

١٠٥. أنظر: تيسير التحرير ٢٠٣/٢، التوضيح والتنقيح ١٦٨/١، حاشية الازميري ٢٦٣/١

١٠٦. أنظر: كتاب الاصل لمحمد بن ا لحسن الشيباني ، القسم الأول، كتاب البيوع والسلم، ص ١٩٦

١٠٧. أنظر : شرح البهجة للشيخ زكريا الأنصاري ٤٥٨/٢

١٠٨. أنظر : كتاب الأصل ،مرجع سابق، ص ٦٩١

١٠٩. أنظر: المغني لابن قدامة ٤/ ١٢٩، كشاف القناع ٣/ ٢٢٨، المقنع وحاشية الشيخ عبد الله ابن سليمان عليه ٥١/٢

١١٠. أنظر: الهداية،مع شرح العناية ، وشرح فتح القدير ٣٩٣/٦-٣٩٣

١١١. أنظر: المبسوط ١٣/١١٥-١١٦

١١٢. انظر: الهداية، شرح العناية، وشرح فتح القدير ٦/ ٣٩٣، تبيين الحقائق، ٤٢/٤

١١٣. انظر: المبسوط ١١٥/٣١

١١٤. انظر: المصدر نفسه ١٣/ ١١٦، البحر الرائق ٧١/٦، الهداية وشرح فتح القدير ٣٩٤/٦

١١٥. نور الانوار، ص ٣٦

١١٦. أنظر كنز الوصول وشرحه كشف الأسرار ١٤٧/١،التوضيح وشر ح التلويح١٦٦/١،تيسير التحرير ٢٠٣/٢، مرآة الأصول وحاشية الأزميري١/٤٦٤

١١٧. المطبوع بهامش ردالمحتار ٥٥٧/١

١١٨. انظر البحر الر ائق ٣٧٧/١-٣٧٨

١١٩. محل الخلاف هو الحدث السابق أما الحدث العمد فانه مفسد للصلاة بلا خلاف فيمتنع البناء . انظر: بدائع الصنائع ٢٢٠/١

١٢٠. وضع كل من الحنفية والشافعي في القديم شرو طا للجواز، انظرها في : بدائع الصنائع ٢٢٠/١ فما بعدها، البحر الرائق ٣٨٩/١، فما بعدها، المجموع ٥/٤

١٢١. هناك رواية اخرى عن احمد وهي تقول: بالفرق بين ما كان الحدث من السبيلين وما كان من غيرهما، فيجوز البناء في الثاني دون الاول، لان حكم نجاسة السبيل أغلظ ، انظر: المغني لابن قدامة ٧٦/٢

١٢٢. انظر: بدائع الصنائع ٢٢٠/١

١٢٣. المطبوع مع المجموع ٤/٤

١٢٤. المغني لابن قدامة ٧٦/٢، ،وانظر :كشاف القناع ٤٦٧/١

١٢٥. المدونة ٣٦/١-٣٧ وانظر: بداية المجتهد ١٥٣/١-١٥٤

١٢٦. رواه ابن ماجة عن عائشة بلفظ: " من أصابه قيء أو رعاف او فلس، أو مذي فليتوضا، ثم ليبن على صلاته وهو في ذلك لا يتكلم" ، سنن ابن ماجة كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في البناء على الصلاة ١/ ٣٨٥-٣٨٦

١٢٧. أخرجه ابن ابي شيبة في مصنفه ٢ /١٩٤-١٩٦

١٢٨. انظر: بدائع الصنائع ١/ ٢٢٠، الهداية والعناية وشرح فتح القدير ١/ ٣٧٨-٣٧٩ هذا ولم أعثر على فعل الصحابة المذكورين في كتب التخريج ولكني رايت من قولهم في مصنف ابن ابي شيبة كما تقدم

١٢٩. رواه أبو داود فى كتاب الطهارة، باب: من يحدث في الصلاة ١/١٤٢-١٤٢، والترمذي في كتاب الرضاع ،باب ما جاء في كراهية إتيان النساء في أدبارهن، وقال: " حديث حسن" ٣/٤٦٨، ٤٦٩

١٣٠. رواه أحمد في المسند ١/٨٨، ٩٩ . وروى ابو داود من طريق آخر ما يفيده الحديث المذكور في كتاب الطهارة، باب في الجنب يصلي بالقوم وهو ناس ١/ ١٥٩

١٣١. انظر: المغني لابن قدامة ٢/ ٧٦ ، المهذب والمجموع ٤/ ٦٢٤

١٣٢. رواه البخاري في صحيحه، كتاب الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب قبول الهدية ٣/١٣١، ومسلم في كتاب العتق، باب إنما الولاء لمن أعتق ٢/ ١١٤٤

١٣٣. انظر في الموضوع كله : اصول السرخسي ١/٥٥، كنز الوصول وكشف الأسرار ١/٤٦١، مرآة الأصول وحاشية الأزميري ١/٢٦٥-٢٦٦، التوضيح وشرح التلويح ١/١٦٩

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حق التشريع بين النظام الديمقراطي والإسلام

The Right of Legislation

Between Democratic System and Islam

الدكتور خادم حسين إلهي بخش*

ABSTRACT

Legislation means enacting Laws and regulations that run people's lives. The democratic system gives this right to the members of Parliament and Senators, or Committees to frame laws for promoting the human right in this system.

While the legislation in Islam vested in Allah Almighty, and not shared by any close angel or a Prophet. It is confined in the Holy Quran and Sunnah of Mohammad (SAW. Islamic system provides justice to every sphere of human life and the society.

Keywords: Legislation, Democratic system, Parliament, Human Rights, Islamic system, Justice

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على رسوله الأمين ، سيدنا ونبينا محمدٍ ﷺ ، وعلى آله وصحابته الطيبين الطاهرين ، ومن سلك سبيلهم وترسم خطاهم ونهج منهجهم إلى يوم الدين ، وبعد :

فإن الحديث عن النظام الديمقراطي حديث العامة والخاصة ، يتكلم فيه من هو أهلٌ ، ومن ليس أهلاً ، تجد المدح يُكال لهذا النظام كيلاً ، بينما النقد لا تراه إلا في دائرة ضيقة ، ربما لا يعرف الناقد سوى تلك الدائرة ، وبحثي هذا يعطي القارئ فكرة أساسية عن هذا النظام ، وفكرة مفصلة شبه كاملة فيما يخص التشريع والمشرعين في هذا النظام ونظام الإسلام .

* الأستاذ بقسم الشريعة كلية الشريعة جامعة الطائف الحوية الطائف المملكة العربية السعودية

سبب اختيار الموضوع : كثر الحديث عن النظام الديمقراطي ، وتريد الدول القوية إجبار الدول الضعيفة على تبني هذا المنهج في الحكم ، الذي يُسَيِّر حياة الشعوب ، ولا يعرف كثير من المسلمين الوضع الصحيح لهذا النظام ، وسمعت بأذني من أحد دكاترة قسم الشريعة وهو يصف الإسلام بأنه ديمقراطي ، فإن كان هذا علم دكتور الشريعة فكيف بمن دونه ، من دكاترة قسم الأحياء والطب والاقتصاد والإدارة ... ، وكيف بمن هو من عامة المسلمين .

كل ذلك قادني إلى الكتابة في الموضوع ، فاخترت أعظم جانبٍ من جوانبه ، وهو حق التشريع وسن القوانين بين النظام الديمقرطي والإسلام .

الدراسات السابقة في الموضوع لا أعلم دراسة استقلت بمقارنة حق التشريع بين النظام الديمقراطي والنظام الإسلامي ، إنما الموجود أن علماء المسلمين منذ الكتابة عن أمور دينهم طرقوا في كتاباتهم قضية الحكم والحاكمية من وجهة نظر الإسلام بأدلة الكتاب والسنة ، مع ذكرهم أن بعض حكام المسلمين انحرف عن الجادة في تطبيق بعض الجزئيات الشرعية ، إلا أن مظلة تشريعهم ظلت محصورة في الكتاب والسنة ...

وإن الأمة في تاريخها الطويل لم تفقد مظلة التشريع إلا مرتين :

١/ حين غلب التتار على بعض بلاد المسلمين ، وحكموهم بمجموعة قوانين الياسق ، التي وضعها جنكيز خان ، أو خصوا التحاكم إليها بسلالة الحكام ، وقد أبدى العلماء وجهة نظر الإسلام تجاهها آنذاك ، وعلى رأسهم شيخ الإسلام ابن تيمية وابن كثير ... رحمهم الله ، وعاد وضع التشريع إلى طبيعته بدخول التتارفي الإسلام .

٢/ حين استقلت الدول الإسلامية من الاستعمار الغربي ، وورثت من مستعمريها قوانين استمدت شرعيتها من النظام الديمقراطي ، وجُل الأحزاب السياسية التي دخلت معترك الحكم في الدول الإسلامية لا تهتم كثيراً بالحكم بما أنزل الله ، وساهم جهابذة العلم في بيان جوانب من وجوب التحاكم إلى كتاب الله وسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم 1

ومساهمتي هذه المتواضعة تبرز جانب حق التشريع في النظامين – الديمقراطي والإسلامي – وما يترتب عليه من النتائج الإيجابية أو السلبية في حياة الناس .

معوقات العمل في البحث : لم أجد صعوبة في تحديد جوانب الموضوع ، وجمع المادة العلمية ، وإنما تمثلت المعوقات في ثلاثة أمور :

١/ كثرة المادة العلمية في الموضوع ، وصعوبة الاختيار لما يقود إلى المطلوب .

٢/ قلة من كتب عن قوانين الاستعمار وتشريعاته ، عند فقدان المظلة الإسلامية ، وتغيير المشرع من الله إلى الإنسان .

٣/ الدفاع المستميت عن الأنظمة الديمقراطية ، من أفراد المسلمين ومجموعاتهم ، بغض النظر عن أنها تتفق مع مبادئ الإسلام أو تعارضها .

خطة البحث : عنونت بحثي هذا بعنوان (حق التشريع بين النظام الديمقراطي والإسلام) واشتملت على مقدمة وثلاثة مباحث وخاتمة .

ففي المقدمة ذكرت السبب الداعي لاختيار الموضوع ، والدراسات السابقة فيه ، والمعوقات التي واجهتها أثناء البحث ، وخطة البحث .

وجاء المبحث الأول في : (مصطلحات وتعريفات) ، فعرفت الكلمات الخمس في العنوان ، فذكرت المقصود منها في لغة القرآن الكريم ، وحددت المعنى الذي ينسجم مع العنوان .

وكان المبحث الثاني بعنوان : (التشريع في النظام الديمقراطي)، وذكرت فيه تشريعات حمورابي البابلي ، وتشريعات صولون اليوناني ، وتشريعات الألواح الإثني عشر الرومانية ، ثم عرجت إلى حق التشريع في الأنظمة الديمقراطية في الدول المسلمة المعاصرة ، وفصلت القول عن تشريعات الدستور وقانون العقوبات الباكستانيين كنماذج للتشريعات الديمقراطية .

وجاء ختام المباحث بعنوان (حق التشريع في الإسلام)، فذكرت مبدأ حق التشريع في دين الله ، وتمسك الأمة به في مسيرتها التاريخية ، وحصرها في الله عزوجل ، منذ عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى ما قبل عهد الاستعمار ، ثم ذكرت مجموعة آيات مختارة ، تنص في دلالتها القاطعة أن المشرع في الإسلام هو الله عزوجل وحده فقط وأردفت ذلك بذكر جهود العلماء السابقين والمعاصرين في بيان وجوب الحكم بما أنزل الله .

وأنهيت المبحث بالذكر التفصيلي بالقدر الذي يحتاج إليه البحث عن مصادر التشريع في الإسلام ، وعرجت على مميزات الإسلام على النظام الديمقرطي ، وختمت المبحث بالإجابة على تساؤلٍ كثيراً ما يتردد على الألسنة ، هل يصح وصف الإسلام بأنه ديمقراطي ؟

وجاءت الخاتمة متضمنة لملخص البحث ونتائجه التي توصلت إليها .

وقبل الختام أود التذكير ببعض الأمور التي التزمت بها خلال هذا البحث :

١/ جعلت الإحالات والتوثيق في آخر البحث ، لأن المجلات العلمية المحكمة في باكستان لا تقبل الأبحاث إلا بهذه الصورة .

٢/ المواد الدستورية التي تعطي حق التشريع للإنسان لم أضع مراجعها في قائمة المراجع ، لأنها أشهر من أن تُذكر ، ووضعها في قائمة المراجع مضيعة لوقت الباحث والقارئ على حد سواء.

٣/ لم أترجم لعَلَمٍ من الأعلام ، لشهرته بين العلماء من جهة ، وعدم حاجة البحث إلى ذكر المعلومات المفصلة عنه من جهة أخرى .

٤/ رتبت قائمة المراجع حسب مكانتها لدى المسلمين ، فبدأت بكتاب الله ، ثم سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ، ثم المراجع العامة .

٥/ نقص المعلومات عن بعض الكتب في قائمة المراجع يعود إلى عدم وجودها في الكتاب ، فأرجو أن لا يُتصور ذلك قصورا من الباحث .

٦/ لم أدخل جل المواقع الإليكترونية في قائمة المراجع ، لأنها عرضة للتغيير من أصحابها ، واستقيت منها المعلومة واحتفظت بها في الحاسب عندي لوقت الحاجة .

وأخيراً لا أدعي الكمال فيما قدمت من جهد ، سَلْواي أني بذلت الوسع وحاولت التعرف على الحق ، وشَخَّصْتُ العلة ، وفتحت الطريق لمن يريد وُلوجَه ، فما كان صواباً فهو من الله عزوجل ، وما كان خطأً فهو مني ومن الشيطان . أسأل الله أن يجعل عملي هذا خالصاً لوجهه الكريم لا رياء فيه ولا سمعة ، إنه تواب رحيم .

المبحث الأول : مصطلحات وتعريفات

تعريف كلمة (حق)

كلمة الحق مأخوذة من فعل حروفه : حَقَّ يَحِقُّ حَقاً و حَقَّةً وحُقوْقاً ، وجمع الحق حقوق وحِقاق ، وحدد صاحب معجم مقاييس اللغة المعنى الأساسي للكلمة فقال : (الحاء والقاف أصل واحد ، وهو يدل على إحكام الشيء وصحته ، فالحق نقيض الباطل ، ثم يرجع كل فرع إليه بجودة الإخراج وحسن التلفيق). (2)

ومن هنا تعددت معاني كلمة الحق فحصرها صاحب القاموس المحيط في (العدل والإسلام والمال والملك والموجود الثابت والصدق والموت والحَزْم) (3) ، وأضاف إليها صاحب لسان العرب الوجوب والتثبت (4)لقوله تعالى (وَلَكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ) (5) أي وجبت وثبتت .

كما أن من معانيها الإحكام أخذاً من قول العرب : ثوب محقق أي محكم النسج ، (6) وأضاف صاحب الصحاح إلى هذه المعاني الصحة والصدق لقول العرب : تحقق الخبر إذا صح وصدق . (7) ومن معانيه الحظ والنصيب ، (8) ومن معانيه الحرص

والجدارة ، وبه فسِر قول الحق تبارك تعالى (حَقِيقٌ عَلَى أَن لاَّ أَقُولَ عَلَى اللّهِ إِلاَّ الْحَقَّ قَدْ جِئْتُكُم بِبَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَائِيلَ) (9) في قراءة التشديد لكلمة (عَلَيَّ) ، وحقيقة الإيمان خالصه ومحضه . (10)

والحاقة النازلة العظيمة ، ومنها سُميت القيامة بالحاقة ، لأنها تحِق كل إنسان بعمله خيراً أو شراً . (11) والحقيقة في اصطلاح الفقهاء والمتكلمين : هي اللفظ المستعمل فيما وضع له في أصل اللغة (12)

وحقوق الله : ما يجب علينا نحوَه جل وعلا . (13)

وحدد الراغب الأصفهاني معنى كلمة الحق الواردة في القرآن الكريم فقال : (أصل الحق المطابقة والموافقة كمطابقة رِجْل الباب في حقه لدورانه على استقامة) (14) وظهر له من تتبعه للقرآن الكريم أن كلمة الحق الواردة فيه لا تخرج عن أربعة معان :

١/ الموجِد للشيء حسب ما تقتضيه الحكمة ، ومن هنا كان الحق اسماً لله عزوجل قال تعالى : (ثُمَّ رُدُّواْ إِلَى اللّهِ مَوْلاَهُمُ الْحَقِّ) .(15)

٢/ الشيء الموجَد – بفتح الجيم – حسب مقتضى الحكمة لقوله تعالى : (ما خلق الله ذلك إلا بالحق) . (16)

٣/ الاعتقاد في الشيء المطابق لما عليه واقع ذلك الشيء كقولنا : اعتقاد فلان في البعث والثواب والعقاب والجنة والنار حق ، قال تعالى : (...فَهَدَى اللّهُ الَّذِينَ آمَنُواْ لِمَا اخْتَلَفُواْ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ) .(17)

٤/ القول والفعل إذا وقعا بقدر ما يجب ، وبحسب ما يجب ، وفي الوقت الذي يجب ، كقولك : فعلك حق وقولك حق ، قال تعالى : (كَذَلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ فَسَقُواْ أَنَّهُمْ لاَ يُؤْمِنُونَ) .(18) (19)

نخلص مما سبق أن كلمة الحق لا تعدو في مفهومها الإحكام المطابق لما يجب وبقدر ما يجب وفي الوقت الذي يجب ، ولا يتحقق ذلك إلا في الله عزوجل ، ومن هنا كان من أسمائه الحق سبحانه وتعالى .

تعريف كلمة (التشريع)

يقول ابن فارس في معجمه (شرع : الشين والراء والعين أصلٌ واحد ، وهو شيء يفتح في امتداد يكون فيه ، وهي مورد شاربة الماء ، واشتق من ذلك الشِرعة في الدين والشريعة قال تعالى : (لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا)(20) وقال : (ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ)(21) (22)

ولهذا المصدر معانٍ متعددة : منها : الطريق والمنهج ، والإنفاذ في الشيء ، والتناول ، والإدخال ، والعادة ، والطريق العظيم ، والتسديد ، والوَتَر ، وسلخ الإهاب ، والخوض في الشيء ، والدُنُو ، والعلو ، والسواء ، والجرأة والشجاعة .(23)

وشَرَّعَ مبالغة في شَرَعَ بالتخفيف ، والتشريع سن القوانين والنظم التي تُسَيِّر حياة الناس ، والشريعة :

١/ ما سنه الله لعباده من المعتقدات الفكرية التي يجب الإيمان بها كوجود الله ووجود يوم القيامة...

٢/ ما سنه الله لعباده من الأحكام العملية كالصلاة والصوم والزكاة والحج , وسائر أعمال البر قال تعالى : (ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ) (24) فالأول لا يدخله النسخ ، بينما الثاني يعتريه النسخ والتغيير (25) .

ويحدد صاحب المفردات في غريب القرآن مفهوم (شَرَعَ) فيقول : (شَرَعَ : الشرع نهج الطريق الواضح ، يقال شرعت له طريقاً ، والشرع مصدر ، ثم جُعل اسماً للطريق النهج فقيل له شِرْعٌ وشَرْعٌ وشَرِيْعَة ، واستعير ذلك للطريقة الإلهية) (26)

وينحصر ذلك عنده في أمرين :

١/ ما سخره الله تعالى لكل انسان من طريق يتحراه ، مما يعود إلى مصالح العباد وعمارة البلاد ، لقوله تعالى : (وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ)(27)

٢/ ما قيل له من الدين وأُمِر به ليتحراه اختياراً ، مما تختلف فيه الشرائع ، ويعترضه النسخ ، ودل عليه قوله تعالى (ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ)(28)(29)

ونخلص مما سبق : أن التشريع صيغة مبالغة في شَرَعَ ، ويعني سن القوانين واللوائح والنظم التي تقود إلى العمل ، ويسير عليه الناس في حياتهم اليومية .

تعريف كلمة (النظام)

يقول ابن فارس في تحديد المعنى اللغوي لمادة (نظم) (النون والظاء والميم : أصل يدل على تأليف شيء و تكثيفه ونَظَمْتُ الخرز نَظْماً ، ونظمت الشِعر وغيره ، والنظام : الخيط يجمع الخرز) (30)

ويضيف صاحب تاج العروس إلى المعنى السابق فيقول : (نظم ، النَّظْمُ : التَّأْلِيفُ وَضَمُّ شَيْءٍ إلى شَيْءٍ آخَرَ ، وكُلُّ شَيْءٍ قَرَنْتَه بِآخَرَ فقد نَظَمْتَه)(31)

ومن معاني هذه المادة اللغوية : الجمع ، والاختلال ، والسيرة ، والهَدْي ، والعادة ، والضم ، وملاك الأمر ، والترتيب ، والاستقامة ، والتلاصق ، وقوام الشيء وعماده ، والطريقة ، والكثرة ، والنظم في الشعر : الكلام الموزون المقفى . والنظام كل خيطٍ ينظم به لؤلؤ ونحوه والجمع أنظمة ، ونُظُم وأناظيم .(32)

ونخلص مما سبق : أن النظام يعني : تأليف الأوامر من صاحب السلطة ، وضم بعضها إلى بعض لتصبح مرتبة لاستقامة أمور الشعب .

تعريف كلمة (الديمقراطي)

تتكون الكلمة من لفظتين يونانيتين هما : demos وتعني الشعب وkratos وتعني السلطة ، فالكلمتان تعنيان (سلطة الشعب) وتطلق الآن على نظام الحكم الذي يكون الشعب فيه رقيبا على أعمال الحكومة ، بواسطة المجالس النيابية المنتخبة .(33)

ويتمتع المستظلون بظل هذا النظام بحقوق وضمانات :

فمن أعظم حقوقهم : حق التنقل من مكان إلى آخر داخل حدود الدولة ، ومن حقهم أن توفر لهم الدولة عملاً يسد معيشتهم ، ومن حقهم أن تكفل الدولة لهم الحد الأدنى من التعليم مجانا ، ومن حقهم الانتخاب والترشيح للوصول إلى الحكم ، ويضمن هذا الحق حرية الكلام وحرية الاجتماع وحرية الاحتجاج ، بغض النظر عن كونهم نالوا الحكم أم لم ينالوه .

ومن أعظم الضمانات التي ينالها الشعب في ظل هذا النظام : ضمانة الاتهام التي تعني أن الإنسان بريئ حتى تثبت إدانته في القضاء ، وضمانة التحقيق فلا يُمارس معه الوسائل المؤثرة من الإغراء والترهيب ، وضمانة الحكم فلا يَتجَاوز القاضي في حكمه الحدود التي رسمها القانون ، وضمانة التنفيذ فلا تتعدى السلطات التنفيذية حكم القضاء ، فإن حكم عليه بالسجن فلا يُوضع في سجن إنفرادي مثلاً لأنه زيادة في العقوبة وضمانة الحريات الشخصية والإعتقادية والتعبيرية والمعارضة للحكم وحرية وسائل الإعلام

وأعظم ما يفتخر به هذا النظام أنه يُشرع القوانين التي يرتضيها الشعب ، وأقل حقوقه على من يرتضيه حق التشريع وسن القوانين .(34)

تعريف كلمة (الإسلام)

حدد ابن فارس معنى مادة (سلم) فقال : (السين واللام والميم معظم بابه من الصحة والعافية ، ويكون فيه ما يشذ ، والشاذ عنه قليل ، والسلامة : أن يسلم الإنسان

من العاهة والأذى ، قال أهل العلم : الله جل ثناؤه هو السلام ، لسلامته مما يلحق المخلوقين من العيب والنقص والفناء ، وداره الجنة دار السلام .

ومن الباب أيضاً الإسلام وهو الانقياد ، لأنه يسلم من الإباء والامتناع ، والسلام المسالمة)(35) ومن الباب السَلم الذي يسمى السَلف ، كأنه مال اسلم ولم يمتنع من إعطائه . (36)

ولمادة (سلم) معان متعددة : منها الصلح ، والسلامة ، والسلف ، والاستسلام ، والأسر ، والأسير ، والفُرجة ، والمرأة ناعمة الأطراف ، والبراءة من العيوب ، واللديغ ، والإحكام ، والتسليم ، والرضا ، والخذلان ، والتصالح ، واللمس ، والقُبْلة ، والبراءة ، والتحية ، والنجاة ، والدعاء ، والوقاية ، والترك ، والإعطاء ، والمسايرة والانقياد ... (37)

وحدد صاحب لسان العرب المفهوم الشرعي للإسلام فقال : (والإسلام من الشريعة إظهار الخضوع لها ، وإلزام ما أتى به النبي صلى الله عليه وسلم ، وبذلك يُحقن الدم ويستدفع المكروه ، فإن صحب ذلك تصديق القلب فذلك الإيمان)(38)

وفصل صاحب المفردات في غريب القرآن مفهوم الإسلام فقال : (الإسلام في الشرع على ضربين :

أحدهما : دون الإيمان وهو الاعتراف باللسان ، وبه يُحقن الدم حصل معه الاعتقاد أو لم يحصل ، وإياه قصد بقوله : (قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ)(39)

والثاني : فوق الإيمان ، وهو أن يكون مع الاعتراف بالقلب ووفاء بالفعل ، واستسلام لله في جميع ما قضى وقدر ، كما ذكر عن إبراهيم عليه السلام في قوله : (إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ)(40)) (41)

إذن يتكون الإسلام من معتقدات وتشريعات عملية ، والأنبياء جميعاً بعثوا به ، فالمعتقدات لا تتغير بينما التشريعات دخلها التغيير في شرائع الأنبياء السابقين ، ولا تغيير فيها بعد شريعة آخر الرسل محمدٍ صلى الله عليه وسلم .

ونخلص مما سبق : أن كلمة الإسلام تعني وجوب الاستسلام لله ، والانقياد له بالطاعة ، والخلوص من الشرك ، وذلك باتباع ما جاء به محمدٌ صلى الله عليه وسلم من المعتقدات والأحكام العملية ، التي تُسَيِّر حياة الناس أجمعين .

المبحث الثاني : التشريع في النظام الديمقراطي

يعيش الإنسان في وحدات اجتماعية ، والحياة الاجتماعية تحتاج إلى تنظيم ، لذا حاول الإنسان منذ أحقاب بعيدة من التاريخ البشري وضع تشريعات تُسير حياته فرداً وجماعة .

ويجهل التاريخ البشري أول من مارس وضع التشريعات ، ربما مارسه الإنسان في أكثر من مكان في وقت واحد ، لوجوده في أمكنة متعددة في وقتٍ واحد ، مع بُعد المسافات من جهة ، وعدم وجود المواصلات السريعة من جهةٍ أخرى .

ويذكر التاريخ البشري أن وضع التشريعات لم ينفرد به فرد واحد ، بل وُضعت من قبل هيئة أو مجموعة أو أفرادٍ منتخبين أو مكلفين ، لذا يمكن تسمية تلك التشريعات بالتشريعات الديمقراطية الأولية ، لتماثل فكرة التشريع ونبوعه من عقلٍ بشري متعدد الأفراد .

فمن أوائل من مارس التشريع حمورابي ملك بابل وتسمى تشريعاته (قوانين حمورابي) وتعود إلى عام ١٧٩٠ ق . م ، وركزت على تشريعات السرقة والزراعة ورعاية الماشية ، وإتلاف الممتلكات العامة وحقوق النساء والأطفال والعبيد ... ، و تختلف عقوبة المرتكب فيها من طبقة إلى أخرى ، ولا تقبل هذه التشريعات الاعتذارَ أو توضيحَ سبب الجرم . (42)

وأعقبتها حسب ذكر التاريخ البشري قوانين صولون اليوناني الشاعر الذي تولى حكم أثينا في الفترة ٥٩٤ – ٥٧٢ ق.م ، والمتتبع لطريقة توليه الحكم – بموجب الروايات التاريخية – لا يشك أنه وصل إلى الحكم عن طريق الانتخابات كما هي في الأنظمة الديمقراطية اليوم ، ، لذلك أوجد مجلساً يتكون من أربعمائة عضوٍ تشترك فيه القبائل الأثينية الأربع بمائة عضو لكل قبيلة في هذا المجلس ، مهمتهم تهيئة المشاريع والأنظمة لعرضها على الدولة .

ومن أعظم تشريعاته : العفو العام عن جميع من قاوم الدولة قبل حكمه ، والسماح للمنفيين بالعودة إلى وطنهم الأم ، وإعادة الممتلكات المرهونة إلى أصحابها ، وتنويع الضرائب بموجب تقسيمه للشعب إلى أربع طبقات في الغنى والفقر ، إضافة إلى تكوين المجلس السابق .

ونقشت هذه الشرائع على لوحات مثلثة الشكل ، وعلقت في الرواق الملكي ، الذي يجلس فيه الملك والقاضي للفصل بين المتنازعين (43)

وتعتبر قوانين الألواح الاثني عشر أول القوانين الرومانية المكتوبة ، ويعود تاريخها إلى عام ٤٤٩– ٤٥٠ ق.م ، ونقشت على اثني عشر لوحاً نحاسياً ، وتم تثبيتها على منصة المتحدث في محكمة روما الإيطالية ، و جعلها الرومان أساساً لكل تشريعٍ لاحق .

ومن أعظم تشريعاتها : أن المدين إذا أقر بدَينه أمام القضاء ولم يستطع الوفاء به يُصدر القاضي حكماً بإلحاق المدِين بالدائن ، يتصرف فيه كما يشاء : من بيع أو قتلٍ أو استرقاق . كما شرعت الألواح قوانين الزواج والطلاق والميراث والوصية والحد من تصرف الأب في أولاده .

وقسم قانون الألواح الجرائم إلى قسمين :

١/ جرائم عامة تمس الصالح العام كالحريق والخيانة ضد الدولة ...

٢/ جرائم خاصة كالسرقة والاعتداء والسب والشتم ... (44)

حق التشريع في الأنظمة الديمقراطية المعاصرة

من المسلمات التي لا تقبل الجدل أن التشريع حق ثابت للبشر في الأنظمة الديمقراطية ، في صورة أفرادٍ أو منظمات أو هيئات أو مجالس ، فالنواب المنتخبون يجري انتخابهم كأعضاء في المجالس التشريعية ، فالبرلمان (مجلس الشورى) مشرع ومجلس الشيوخ مشرع ، والهيئات المنبثقة عنهما تتمتع بحق التشريع دون جدال ، والرئيس مشرع . والحاكم العسكري بلباس ديمقراطيٍ مشرع ...

وفهرس المشرعين في الأنظمة الديمقراطية لا نهاية له ، بل هو في توسع مستمر ، كل يوم جديد تطلع فيه الشمس تستقبل الشعوب تشريعات جديدة ، وإنشاء منظمات مشرعة جديدة ، ربما استبدلت تشريعات بتشريعات ، أوأضافت بنوداً إلى تشريعات سابقة لعدم وجود الحكم فيها .

فحق التشريع للأفراد المنتخبين وغير المنتخبين ثابت لا نزاع فيه ، لذا نص الدستور المصري لعام ١٩٢٣م في مادته الثانية (السلطة التشريعية يتولاها الملك بالاشتراك مع مجلس الشيوخ والنواب) وقسِمَتْ هذه المادة في دستور ١٩٧١م إلى مادتين : ففي المادة السادسة والثمانين تعطي حق التشريع لمجلس الشعب ، وفي المادة الثانية عشرة بعد المائتين تعطي حق إصدار القوانين لرئيس الجمهورية .

ونص الدستور الكويتي في مادته الحادية والخمسين أن (السلطة التشريعية يتولاها الأمير ومجلس الأمة وفقاً للدستور) وجاء في المادة الخامسة والستين (للأمير حق اقتراح القوانين ، وحق التصديق عليها وإصدارها)

وجاء في الدستور الموريتاني في مادته السابعة أن (الشعب هو صاحب السيادة ، لا يقرر أي تنازل عن السيادة جزئياً كان أم كلياً إلا بعد قبول الشعب له) وتنص المادة السادسة والعشرون من هذا الدستور أن (السلطة التشريعية من اختصاص المجلس النيابي)

ونص الدستور التونسي أن (حق الاقتراح والفصل في أمر الدولة والاعتراض والختم هي لرئيس الدولة)

وحدد الدستور المغربي لعام ١٩٧٢م في فصله السادس والعشرين (للملك حق إصدار القوانين والتشريعات)

وأعطى الدستور السوري في مادته الخامسة عشرة الرئيس حافظ الأسد حق إصدار القوانين ، والاعتراض عليها .

وجاء في دستور الأردن في مادته الخامسة والعشرين (تناط السلطة التشريعية بمجلس الأمة والملك ، ويتألف مجلس الأمة من مجلس الأعيان والنواب)

ونص دستور العراق في مادته الثانية لعام ١٩٧٠م أن (الشعب مصدر السلطة وشرعيتها)

وجاء في الدستور الليبي في المادة العشرين (مجلس قيادة الوزراء يدرس ويعد القوانين)

وحدد دستور السودان الدائم لعام ١٩٧٣م بأن (السيادة في جمهورية السودان الديمقراطية للشعب ، ويمارسها عن طريق مؤسساته ومنظماته الشعبية الدستورية) ، ونصت المادة الثامنة منه (على أن يتولى مجلس الشعب مع رئيس الجمهورية السلطة التشريعية)

من الصعب الإحاطة بالتشريعات التي شرعتها الأنظمة الديمقراطية في كل دولة في الوقت الحاضر ، لكثرة التشريعات من جهة ، واختلافها فيما بينها من دولة إلى أخرى من جهة أخرى ، وانفراد بعض الدول بتشريعات لا وجود لها في غير تلك الدولة ، لذا سأكتفي بذكر نماذج من التشريعات في إحدى الدول الديمقراطية المسلمة .

نماذج دستورية للتشريعات الديمقراطية

نص دستور (إسلامي جمهوريه باكستان) جمهورية باكستان الإسلامية الذي اتفقت عليه كل الأحزاب السياسية عام ١٩٧٣م على أمور لا ترتاح إليه النفس المسلمة ، وقبل الخوض فيها نجد دستور باكستان أعطى التسمية للدولة : باسم (إسلامي جمهوريه باكستان) ولترتيب الكلمات الثلاث دلالة تحدد صلة الدولة بالإسلام ، ولا تخفى هذه الدلالة على أحد ، فباسم الإسلام تم استقلال الدولة عام ١٩٤٧م عند إنهاء الاستعمار البريطاني ، وتقسيمه شبه القارة الهندية إلى دولتين – هند وباكستان – فالأولى للمسلمين والثانية للهندوس .

عَنْوَنَ الدستور الباكستاني قسمه التاسع بعنوان (الأحكام الإسلامية)، ونص في مادته الأولى ذات الرقم سبعٍ وعشرين بعد المئتين (أن جميع القوانين المطبقة حالياً يعاد صياغة تشريعها ، حتى تماثل ما جاء في كتاب الله وسنة رسول الله ، صلى الله عليه وسلم ... ، فلا يطبق قانون معارض لهما البتة) (45)

ولإعادة النظر في جميع القوانين المطبقة أمر الدستور بإنشاء هيئة تسمى (Islamic council) الهيئة الإسلامية ، تتولى الإجابة عن معارضة كل قانون يُقدم إليها من مجلس الشورى (البرلمان) ، أو أي جهة من الحكومات المحلية ، ومن حق هذه الهيئة أن تقدم توصياتها إلى مجلس الشورى ، أو مجالس الحكومات المحلية ، في مقاطعات باكستان الأربع ، في كل ما يعارض الأحكام الإسلامية (46)

مع وجود هذه الهيئة ما مصير تنفيذ الأمرين - إعادة صياغة القوانين حتى تماثل الأحكام الإسلامية ، وعمل الهيئة في تقديم التوصيات - في بنود الدستور ، فضلاً عن قانون العقوبات الجنائي والقانون المدني ... ، لذا سأكتفي بتقديم نماذج من الدستور وقانون العقوبات الجنائي لا ترتضيه النفس المسلمة ، رغم مرور أربعين عاما على أمره بتغيير ما يخالف شرع الله سبحانه .

حق الرئيس في العفو عن العقوبة

تنص المادة الخامسة والأربعون من الدستور الباكستاني على (أن الرئيس له حق العفو عن العقوبة القضائية ، أو عقوبة لجنة مشكلة بأمر من القضاء ، أو لجنة ذات صلاحيات في الدولة ، كما أن من حقه إيقاف العقوبة لفترة معينة ، أو التخفيف فيها ، أو تغييرها بعقوبة أخرى ، أو إلغائها) (47)

حصانة الرئيس وأمراء المناطق والوزراء

تنص المادة الثامنة والأربعون بعد المئتين من الدستور الباكستاني على :

١/ الرئيس وأمير المنطقة ورئيس الوزراء ووزراء الدولة ووزراء الحكومات المحلية لا يستجوبون في أي محكمة قضائية ، ما داموا في مناصبهم ، تجاه أي فعلٍ فعلوه أو أرادوا فعله .

٢/ لا تقبل أي شكوى ضد الرئيس ، أو أمراء المناطق ، في أي محكمة قضائية ، ولا تستمر الدعاوي السابقة ضدهم ما داموا في مناصبهم .

٣/ تمتنع المحاكم القضائية من استصدار أي حكم قضائي ، يقود إلى إلقاء القبض على الرئيس ، أو أمراء المناطق ، ما داموا في مناصبهم .

٤/ لا تقبل دعوى مدنية ضد الرئيس ، أو أمراء المناطق ، ما داموا في مدة تعيينهم (48).

تعيين اللغة الرسمية للدولة

تنص المادة الحادية والخمسون بعد المئتين على:

١/ اللغة الأردية هي لغة باكستان الرسمية ، ويجب تعامل الإدارات بها خلال خمسة عشر عاما.

٢/ تستعل اللغة الإنجليزية كلغة الدولة حتى تتهيأ الأجواء للغة الأردية .

٣/ لا مانع من تشجيع اللغات المحليه ، ووضع التشريعات المشجعة في برلمانات الحكومات المحلية ، دون أن يُؤثر ذلك على اللغة الوطنية الموحدة .(49)

مضى على هذا الطلب الدستوري أربعون عاما ، وتعاقبت عليه حكومات متعددة لم تحرك ساكناً تجاه تنفيذ الطلب الدستوري ، بل الإنجليزية هي التي تسود إدارات الدولة ، وإدارات الناس في أعمالهم المتنوعة ، بل لا يعد الباكستاني مثقفاً حتى يجيد الإنجليزية قراءة وكتابة وتحدثا.

شروط أهلية المشرع

مجلس الشورى (البرلمان) هو الهيئة التشريعية الأساسية في الدول الديمقراطية ، ويحدد الدستور الباكستاني في المادة الثانية والستين شروط أهلية المشرع فيحصرها في :

أولاً :

١/ أن يكون مواطنا باكستانيا .

٢/ أن لا يقل عمره عن خمس وعشرين سنة لعضوية مجلس الشورى ، وثلاثين عاماً لعضوية مجلس الشيوخ ، وأن يكون مسجلاً كناخبٍ في الجداول الإنتخابية .

٣/ أن لا يكون مرشحاً لمقعدٍ يختص بغير المسلمين .

٤/ أن لا يكون مرشحاً لمقعدٍ يختص بالنساء .

٥/ أن يكون صالحاً ، لايخالف الأحكام الشرعية .

٦/ أن يكون عالماً بجل الأحكام الإسلامية ، وأن يكون ممتثلاً لها ، مجتنباً لكبائر الذنوب

٧/ أن يكون عاقلا أمينا غير فاسق ، ولم يصدر في حقه حكم قضائي .

٨/ أن يكون مؤمناً باستقلال باكستان ويسعى لبقائها ، ولم يشترك في نشاطات معادية لوجودها .

ثانياً : لا تنطبق الفقرة الخامسة والسادسة على الأعضاء غير المسلمين ، بل يجب أن يكون غير المسلم مشهوراً بالخلق الحسن . (50)

السؤال الذي يطرح نفسه هل الدستور الباكستاني قدم شروطا كافية ، لمن يريد أن يدخل في قائمة المشرعين ، وصياغة القوانين ؟ ، أو أسلمة القوانين .

أقوال البرلمانيين و أعمالهم الشخصية والعامة التي يتعاطونها – بدءاً بهرم الدولة وانتهاء بأدنى عضوٍ في البرلمان ، الذي لا منصب له – تجيبك بالنفي ، لا الإثبات ، فقبل ستة أشهر طُلب من وزير الداخلية (رحمن ملك) في الربع الثاني لعام ٢٠١٢م ، قراءة سورة الإخلاص في مناسبة معينة فأخطأ فيها ثلاثة أخطاء ، ونشر الخبر على القنوات الفضائية كلها ، وما زالت ذاكرة الباكستاني تحتفظ بقولة رئيسة الوزراء بينظير بوتو أيام حكمها ، حين سمعت صوت المؤذن فقالت : (الأذان يدق) لأن لسانها تعود على النطق بكلمة الدق ، لكثرة سماعها دق الأجراس الكنسية لطول مكثها في الدول الكنسية .

فهرس القضايا التي تستحق التشريع

نرى الجدول الرابع في الدستور الباكستاني يذكر القضايا التي تستحق اصدار التشريعات من البرلمان فقسمه إلى قسمين :

القسم الأول : يشتمل على أمور الحرب والصلح ، والقوات المسلحة ، والسياسة الخارجية ، ومنح الجنسية وإعطاء الحقوق ، وتأشيرات الدخول والخروج ، والبريد والإتصالات وطبع العملة ، واحتياطيات الدولة من العملة الصعبة ، والشيكات والقروض والمساعدات الدولية ، ... ويشمل هذا القسم على تسعٍ وخمسين بنداً ، وتحت كل بندٍ عشرات البنود الفرعية .(51)

القسم الثاني :ويشتمل على تشريعات سكة الحديد والبحث العلمي ، والبحث عن النفط والغاز ، والصناعات والكهرباء والموانئ ، والسياسة الاقتصادية ، وإحصاء السكان ، وتوسيع سلطات الشرطة من حكومة محلية إلى حكومة محلية أخرى ، والمهن ، وإقامة هيئات مشتركة بين المقاطعات الباكستانية ، والارتقاء بالإدارات العلمية... ويشمل هذا القسم ثمانية عشر بنداً تستحق التشريع ، وتحت كل بندٍ عشرات البنود الفرعية .(52)

نماذج عقابية من قانون العقوبات الجنائي للتشريعات الديمقراطية

لا يفرق قانون العقوبات الجنائي الباكستاني بين عقوبات حدية وعقوبات تعزيرية ، بل أعطاها جميعاً تسمية (مجموعة تعزيرات باكستان) واستقصاؤه في مخالفاته الشرعية محتاج إلى العديد من الرسائل الجامعية ، لذاسأكتفي بذكر عقوباته المخالفة لشرع الله في بعض العقوبات الحدية ، وتستطيع أن تتخيل موقفه من العقوبات غير الحدية ، ومدى مجانبتها ما أوجب الله تطبيقه على حكام باكستان المسلمين .

عقوبة الزنا : تقسم مجموعة تعزيرات باكستان الزنا إلى قسمين :

١/ الزنا بالرضا :فتعرف المادة ٤٩٦ ب الزنا بالرضا بأنه : (كل رجلٍ وامرأة غير زوجين يطلق عليهما زانيان متى زنيا بإرادتهما أو رضائهما .

ويعاقب من ارتكب الزنا بسجنٍ لا يزيد عن خمس سنوات ويغرم بالمال بما لا يتجاوز عشرة آلاف روبية) (53)

٢/ الزنا بالجبر وتعرفه المادة ٣٧٥بأن : (كل شخص جامع إمرأة في إحدى الصور الخمس التالية يعد مرتكباً للزنا بالجبر:

١/ دون رضاء المرأة ٢/ دون رضاها ولا إذن منها ٣/ برضاها تحت تهديد القضاء على حياتها ، أو إصابتها بإصابات بالغة ٤/ برضاها مع علم الرجل أنه ما تزوجها ،

وأبدت رضاها لعلمها أنها تزف إلى غيره ٥/ برضاها أو بغير رضاها إذا كانت دون سن ١٦ عاما .

ويُعاقب المرتكب :

١/ بالموت ، أو السجن ما بين ١٠- ٢٠ سنة ويغرم بالمال .

٢/ وإذا كان المرتكب اثنان فأكثر يعاقب كل منهم بالموت ، أو بالسجن المؤبد .)(54)

عقوبة الاتهام بالزنا كذباً (القذف)

تنص المادة ٤٩٦ سي (C) الخاصة بتهمة الزنا كذباً (القذف) بأن (كل من اتهم شخصاً بالزنا ، او قدم شهادة زور فيه يسجن بما لا يزيد عن خمس سنوات ويغرم بالمال بما لا يتجاوز عشرة آلاف روبية)(55)

عقوبة السرقة والحرابة : لا تعرف مجموعة تعزيرات باكستان إلا السرقة بالجبر ، أو الحرابة بقطع الطريق فعرفتهما المادة ٣٩٠ بقولها : (كل سرقة تحتوي على استحصال بالجبر ، وتكون السرقة بالجبر متى حاول المجرم أخذ المال المسروق ، ولو أدى ذلك إلى إماتة الشخص ، أو إضراره ، أو مقاومته ، أو يَقدُمُ على إهلاكه ، أو إضراره ، أو مقاومته ، أو يحاول المجرم ذلك .

ويكون الاستحصال بالجبر سرقة بالجبر حين يكون الشخص موجودا أمام المجرم ، ويبتليه بخوف القضاء على حياته ، أو الإضرار به ، أو مقاومته ، يدخل كل ذلك في الاستحصال بالجبر، متى طالبه المجرم بتسليم المسروق في مكانه حالاً ، أو رغبه في ذلك

ويُعاقب مرتكب السرقة بالجبر أو قطع الطريق بسجن ما بين ٣ - ١٠ سنوات ، مع الأشغال الشاقة ، وتغريمه بالمال ، وإذا كانت السرقة وقعت على الطريق العام يمكن توسيع السجن إلى ١٤ عاما .) (56)

المبحث الثالث : حق التشريع في الإسلام

لم يكن المسلمون يتصورون – منذ مجيئ الإسلام إلى ما قبل الاستعمار – العدول عن الأحكام الواردة في كتاب الله أو سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ، بل كان واضحا أمامهم حكاماً و محكومين أن المصدرين هما المبادئ الثابتة لتسيير الحياة لكل مسلم ، فكان الولاة يتعهدون في خطاب التولية الالتزام بالنص في جميع تصرفاتهم ، ويحرضون أفراد الأمة على التمرد متى خالفوا الشرع ، فقد جاء في خطبة الصديق حين تولى الخلافة قوله : (وُلِّيتُ عليكم ولست بخيركم ، فإن وجدتموني على حق فأعينوني ، وإن كان غير ذلك فلا طاعة لي عليكم ، أطيعوني ما أطعت الله فيكم ، فإن عصيت الله فلا طاعة لي عليكم) وشبيه ذلك قاله عمر رضي الله عنه في خطبة التولية (57)

ومثل ذلك قاله عمر بن عبد العزيز رحمه الله في خطبة توليه الحكم (أيها الناس إنه قد كان قبلي ولاة تجترون مودتهم ، بأن تدفعوا بذلك ظلمهم عنكم ، ألا لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق ، من أطاع الله وجبت طاعته ، ومن عصى الله فلا طاعة له ، أطيعوني ما أطعت الله فيكم ، فإذا عصيت الله فلا طاعة لي عليكم ، أقول قولي هذا وأستغفر الله العظيم لي ولكم)(58)

فالنص الشرعي هو السلطة المؤسِسَة للمجتمع المسلم ، ومنه تستمد جميع روافد الحياة الإسلامية شؤونها التنظيمية ، فهو السند لكل سلطة ، وهو المبرر لكل طاعة يطلبها الحاكم المسلم ، وهذا ما فهمه صحابة رسول الله صلى الله عليه وسلم من القرآن الكريم ، وما أمر به من نزل عليه القرآن ، فالالتزام بالنص هو الأساس لشرعية الدولة ، والتزام الوالي بأحكام النص في قراراته وإجراءاته هو الموجب لطاعته ، ومتى خالف سقطت طاعته فيما خالف فيه .

ومن هنا أجمع علماء الإسلام أن التشريع حق خالص لله عزوجل ، لا يشاركه فيه ملكٌ مقرب ولا نبي مرسل ، فأعظم خصائص توحيد الألوهية هو حصر التشريع في جناب الله عزوجل .

والتشريع الإسلامي يعني : المنهج الذي أنزله الله لعباده ، وأمرهم بالسير عليه ، في المعتقدات والمعاملات والأخلاق ، والتصورات والقيم والموازين ، والعادات والتقاليد وأصول المعرفة ، وأصول النشاط الفكري ... ، فكل ذلك داخلٌ في التشريع ، ولا ينحصر مفهوم التشريع في الإسلام في الأحكام القانونية الجنائية أو المدنية ، أو الدستورية وأصول الحكم ، بل التشريع يعني المنهج الذي ينظم الحياة البشرية كلها .

فليس لأحدٍ أن يحل إلا ما أحله الله ، أو يحرم إلا ما حرمه الله ، فمن مقتضيات كلمة التوحيد وجوب اتباع ما شرعه الله ، وترك ما شرعه غيره ، لأن التشريع في المجتمع المسلم ينبع من اعتقاده أن الله هو المالك المتصرف في جميع المخلوقات وفي جميع شؤون الحياة ، فلا حق لأحد في التشريع إلا له سبحانه .

نماذج من النصوص تحصر حق التشريع في الله عزوجل

الآيات الواردة في بيان هذه الحقيقة تتجاوز المئات ، ولن أعدو الحق إن قلت : إن الآيات الواردة في اختصاص حق التشريع بالله تلي آيات الدعوة إلى كلمة (لا إله إلا الله) في العدد ، ونجد القرآن الكريم ربط هذا الحق بالشهادتين :

١/ فقال في ربطها بشهادة أن لا إله إلا الله (لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ)(59)وقال في ربطها بشهادة أن محمداً رسول الله (فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا) (60)

٢/ وربطها بالإيمان قال تعالى : (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا)(61)

٣/ وربطها بالإسلام قال تعالى : (وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ)(62) .

٤/ وربطها بأنواع التوحيد الثلاثة فقال في ربطها بتوحيد الربوبية : (إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ)(63)

وقال في ربطها بتوحيد العبادة في قصة يوسف عليه السلام ، ودعوته إلى الله في السجن : (مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ)(64)

وقال في ربطها بتوحيد الأسماء والصفات بذكر اسمه تعالى (الحَكَم ، والحاكم ، والحكيم) (أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ) (65) وقال سبحانه : (وَإِنْ كَانَ طَائِفَةٌ مِنْكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا حَتَّى يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ)(66) وقال سبحانه : (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ... ذَلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ)(67)

وربما كثرة وجود مثل هذه الآيات في كتاب الله تذكرنا كل حين بعدم التعدي على هذا الحق ، بل نجد الكثير منها تذكر علة الاختصاص ، وتقدم دليل الإقناع بإمعان النظر في العلة ، فمن ذلك :

١/ حق التشريع لله فيما يخص الإنسان لأنه خالقه : إن الله خلق الإنسان وخلق ما يخدم الإنسان ، وخلق ما يضر الإنسان وخلق ما ينفع الإنسان ، فهو أعرف بما يعود عليه بخير وما يعود عليه بشر ، وقد جاءت الإشارة القاطعة إلى هذه الحقيقة الواضحة في قوله سبحانه :(وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ) (68) يقول شيخ الإسلام العز بن عبد السلام في بيان هذا الحق الخاص بالله عزوجل : (وتفرد الإله بالطاعة لاختصاصه بنعم الإنشاء والإبقاء والتغذية والإصلاح الديني والدنيوي ، فما من خير إلا هو جالبه ، وما من ضير إلا هو سالبه ... وكذلك لا حكم إلا له)(69)

٢/ حق التشريع لله وحده لأنه لا شريك له : أنكر الله على المشركين اتخاذهم شركاء في التشريع الذي لم يأذن به الله قال تعالى : (أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ)(70) ، ويحدد ابن القيم الحجم الذي يشغله التشريع من مجموع قضايا الإسلام فيقول : (كثير من الناس يبتغي غيره حكماً ، يتحاكم إليه ، ويخاصم إليه ، ويرضى بحكمه ، وهذه المقالات الثلاث هي أركان التوحيد : أن لا يتخذ سواه رباً ، ولا إلهاً ، ولا غيره حكماً) (71)

٣/ حق التشريع لله لأنه خالق الكون وما فيه : ربط القرآن الكريم حق التشريع بمن خلق قال تعالى :(أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ) (72) ولا خالق إلا الله ، إذن فلا تشريع إلا من الله ، يقول ابن جرير في تفسير هذه الآية عن عبد العزيز الشامي ، عن أبيه ، وكانت له صحبة ، قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : (.... ومن

زعم أن الله جعل للعباد من الأمر شيئاً فقد كفر بما أنزل الله على أنبيائه لقوله تعالى (ألا له الخلق والأمر تبارك الله رب العالمين)(73)

٤/ المشرع البشري حكمه جاهلي : من شرع بغير ما انزل الله فقد شرع حكماً جاهليا لا يرتضيه الإسلام ، قال تعالى : (أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ) (74)، فالتشريع بغير ما أنزل الله تشريع جاهلي بنص القرآن ، لا يرتضيه الإسلام .

٥/ المشرع من البشر مشرك بالله : نهي الله المسلمين من أكل الذبيحة التي لم يذكر اسم الله عليها عند الذبح ، وعَدَّ المنتهك لذلك الحكم مشركاً بالله ، لا تُقبل منه كلمة التوحيد ، لفقدان شرطي القبول عند الله – الإخلاص والمتابعة – قال تعالى : (وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَى أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ) (75)

٦/ التسليم لحكم الله دلالة الإيمان : اشترط القرآن الكريم للاتصاف بوصف الإيمان التسليم لحكم الله ، وعدم وجود الحرج في النفس تجاه ذلك الحكم ، ومن فقد شيئاً من ذلك فقد أضاع الإيمان قال تعالى : فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا)(76).

٧/ وفاء تشريعات الإسلام بكل شعب الحياة : نص القرآن الكريم أنه فيه بيان كل شيء قال تعالى : (وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ) (77) ، فكلمة كل من صيغ العموم ، تشمل كل ما تحتاج إليه البشرية ، وأعظم احتياج الإنسان التشريع لضبط نفسه وضبط غيره ، ومن هنا جاءت تشريعات الإسلام في صورتين :

أ/ قواعد كلية عامة ، يجتهد العالم المسلم إرجاع الجزئيات إليها .

ب/ تشريعات جزئية ، وهي قليلة العدد يمكن عدها على أصابع اليدين فيما يخص كتاب الله عزوجل .

٨/ السمع والطاعة للتشريع الإسلامي وسيلة الفلاح : لا فلاح للمؤمن حتى يعلن بلسانه السمع والطاعة لحكم الله عزوجل ، قال تعالى : (إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ) (78)

٩/ الملل والمحرم ربٌ ومعبود : في سنن الترمذي قال عدي بن حاتم رضي الله عنه (أتيت النبي صلى الله عليه وسلم وفي عنقي صليب من ذهب ، فقال : ياعدي اطرح عنك هذا الوثن ، وسمعته يقرأ في سورة براءة (اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أرباباً من دون الله)(79) أماإنهم لم يكونوا يعبدونهم ، ولكن كانوا إذا أحلوا لهم شيئاً استحلوه ، وإذا حرموا عليهم شيئاً حرموه) (80)

وفي تفسير الطبري (عن أبي البختري قال: قيل لحذيفة : أرأيت قول الله:(اتخذوا أحبارهم) ؟ قال: أمَا إنهم لم يكونوا يصومون لهم ولا يصلون لهم ، ولكنهم كانوا إذا أحلوا لهم شيئًا استحلُّوه ، وإذا حرّموا عليهم شيئًا أحله الله لهم حرَّموه ، فتلك كانت رُبوبيَّتهم)(81)

وفي رواية قال عدي رضي الله عنه (يا رسول الله لسنا نعبدهم ، قال أليس يحلون لكم ما حرم الله فتحلونه ، ويحرمون ما أحل الله فتحرمونه ؟ قال بلى ، قال النبي صلى الله عليه وسلم فتلك عبادتهم) (82)

فطاعة الرهبان والأحبار في التحليل والتحريم عبادة والممتثل لها مشرك بالله شركاً أكبر ينافي أصل التوحيد ، قال تعالى (وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَى أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ) (83) يقول ابن حزم رحمه الله موضحا هذا الحق الإلهي الخاص في ضوء حديث عدي رضي الله عنه (لما كان اليهود والنصارى يحرمون ما حرم أحبارهم ورهبانهم ، ويحلون ما أحلوا ، كانت

هذه ربوبية صحيحة ، وعبادة صحيحة قد دانوا بها ، وسمى الله تعالى هذا العمل اتخاذ أرباب من دون الله وعبادة ، وهذا هو الشرك بلا خلاف)(84)

١٠/ المحلل والمحرم من البشر كاذبٌ على الله : من حرم أو حلل بغير كتاب الله أو سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فقد كذب على الله ، وجعل نفسه شريكاً مع الله فيما هو من خصائصه سبحانه ، قال تعالى : (قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ آللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ) (85)

١١/ وحدة الخالق تستلزم وحدة المشرع : من منطلق أن الله هو خالق الكون بجميع فئاته ، من السماوات والأرض والشمس والقمر والإنسان والحيوان والطيور والنبات ... ، وتشريعاته هي التي تسري في جميع هذه المخلوقات ، فلا يرتضي العقل أن يكون التشريع الذي يخص الإنسان من غير ذلك الخالق ، لأن الكائنات كلها وحدة متكاملة ، وإدخال تشريعات من غير الخالق سيكون بمثابة إدخال عناصر لن تنسجم مع تلك الكائنات ، وإلى ذلك جاءت الإشارة الإلهية قال تعالى : (الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا مَا تَرَى فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِنْ تَفَاوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَى مِنْ فُطُورٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ)(86)

فمقتضى تعدد الكائنات وتوحدها فيمن يسيرها على سنن مرسومة ، وبتشريعات منظمة من مشرع واحد ، أن يكون ذلك المشرع هو المشرع للإنسان أيضاً ، لأن الإنسان جزء من منظومة الكائنات المتعددة ، فلا يبيح العقل خروج تشريعات الإنسان عن ذلك المشرع ، وهو الله جل وعلا ، لذا حين حرك المشركون الأشهر الحُرم – رجب ، ذو القعدة ، ذو الحجة ، محرم – عن أماكنها بالتشريع تقديماً وتأخيرا ، تحليلاً وتحريماً ، وصف الله تشريعهم هذا بالزيادة في الكفر ، قال تعالى : (إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ)(87)

١٢/ حق التشريع محصور في الله عزوجل : ورد تخصيص حق التشريع لله في سورة يوسف في صورة النفي والاستثناء الذي يفيد الحصر قال تعالى : (مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ)(88) والحكم في الشرع كما يقول علماء الأصول(خطاب الشارع إلى المكلفين بالإقضاء (الأمر والنهي) والتخيير (الإباحة) والوضع (السبب والشرط والمانع وأحكام الصحة والبطلان والرخص)

فالقضية تنحصر في عناصر ثلاث : خطاب شريعة ، مُشَرع ، مُكلَّف ، فأعظم العناصرفي العقل البشري هو المشرع ، فإن كان المشرع هو الله فالتكليف هو النص وما حُمِل عليه عن طريق الاجتهاد والعُرْف ، واكتسبا شرعيتهما باعتبار الشارع مصدراً له يقول شيخ محمد بن عبد الوهاب في فوائد سورة يوسف (السابع : تقرير القاعدة الكلية أن الأمر بالتشريع من الله لا غيره ... ، فوحد نفسه في الأفعال فلا خالق إلا الله ، وفي الألوهية فلا يعبد إلا الله ، وبالأمر والنهي فلا حكم إلا لله)(89)

١٣/ تحاكم النبي إلى الله : أوفى الناس لتنفيذ هذا الحق هو من نزل عليه بيان هذا الحق ، خاتم الأنبياء محمد صلى الله عليه وسلم ، فقد جاء في صحيح البخاري أنه كان يقول : إذا قام يصلي من الليل (... اللهم لك الحمد أنت نور السماوات والأرض ومن فيهن ... عليك توكلت ، وبك آمنت ، وإليك أنبت ، وبك خاصمت ، وإليك حاكمت ، فاغفر لي ما قدمت وما أخرت ...) (90)

١٤/ التشريع من البشر زيادة في الدين مردودة على صاحبها : كل من أمر بأمرٍ كائنا من كان عرضنا أمره على كتاب الله وسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ، فإن وافق قبلنا ذلك وإلا رددناه ، لما جاء في الصحيحين من قوله صلى الله عليه وسلم : (من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد)(91) أي مردود على صاحبه لا يقبله الله عزوجل

قانون الياسق التتري وموقف العلماء منه

يدومن تتبع تاريخ المسلمين حكم العلماء الذين لهم عمق نظر في قضايا الحكم والتشريع ، وعاصروا تشريعات مثل التشريعات الديمقراطية اليوم ، ونظروا إليها من منظور المشرِع عند فقدان المظلة الشرعية المنفِذة للحكم الشرعي ، كما حدث في عهد التتار حين غلبوا المسلمين ، واستولوا على بلادهم ، ونفذوا فيها أحكاما من الديانات المختلفة ، من اليهودية والنصرانية والإسلام وشيء من هواهم .

وقد عاصرشيخ الإسلام ابن تيمية رحمه الله هذا الوضع ، وسئل في أكثر من سؤالٍ عما يجب على المسلم تجاهه ، فقال في أحد أجوبته : (نعم يجب قتال هؤلاء بكتاب الله وسنة رسوله واتفاق أئمة المسلمين ، وهذا مبنيٌ على أصلين :

أحدهما : المعرفة بحالهم .

والثاني : معرفة حكم الله في مثلهم .

فأما الأول فكل من باشر القوم يعلم حالهم ، ومن لم يباشرهم يعلم ذلك بما يبلغه من الأخبار المتواترة ، وأخبار الصادقين ، ونحن نذكر جل أمورهم بعد أن نبين الأصل الآخر ، الذي يختص بمعرفته أهل العلم بالشريعة الإسلامية فنقول : كل طائفة خرجت عن شريعة من شرائع الإسلام الظاهرة المتواترة ، فإنه يجب قتالها باتفاق أئمة المسلمين ، وإن تكلمت بالشهادتين .

فإن أقروا بالشهادتين وامتنعوا عن الصلوات الخمس وجب قتالهم حتى يصلوا ، وإن امتنعوا عن الزكاة وجب قتالهم حتى يؤدوا الزكاة ، ... ، وكذلك إن امتنعوا عن تحريم الفواحش ، أوالزنا ، أو الميسر ، أو الخمر ، ... ، ومعلوم بالاضطرار من دين الإسلام باتفاق جميع المسلمين أن من سوغ اتباع غير دين الإسلام فهو كافر ، وهو ككفر من أمن ببعض الكتاب وكفر ببعض الكتاب)(92)

ومن عاصر هذا الوضع أيضاً ابن كثير رحمه الله ، فبين حكم الله فيه ، في تفسير قوله تعالى : (أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ) فقال :

(ينكر تعالى على من خرج عن حكم الله المحْكَم المشتمل على كل خير، الناهي عن كل شر وعدل إلى ما سواه ، من الآراء والأهواء والاصطلاحات ، التي وضعها الرجال بلا مستند من شريعة الله ، كما كان أهل الجاهلية يحكمون به من الضلالات والجهالات ، مما يضعونها بآرائهم وأهوائهم .

وكما يحكم به التتار من السياسات الملكية المأخوذة عن ملكهم جنكزخان ، الذي وضع لهم اليَاسق ، وهو عبارة عن كتاب مجموع من أحكام ، قد اقتبسها عن شرائع شتى ، من اليهودية والنصرانية والملة الإسلامية ، وفيها كثير من الأحكام أخذها من مجرد نظره وهواه ، فصارت في بنيه شرعًا متبعًا ، يقدمونها على الحكم بكتاب الله وسنة رسوله صلى الله عليه وسلم .

ومن فعل ذلك فهو كافر يجب قتاله ، حتى يرجع إلى حكم الله ورسوله [صلى الله عليه وسلم] ، فلا يحكم سواه في قليل ولا كثير، قال الله تعالى : { أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ } أي : يبتغون ويريدون ، وعن حكم الله يعدلون. { وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ } أي : ومن أعدل من الله في حكمه لمن عَقَل عن الله شرعه ، وآمن به وأيقن وعلم أنه تعالى أحكم الحاكمين ، وأرحم بخلقه من الوالدة بولدها ، فإنه تعالى هو العالم بكل شيء ، القادر على كل شيء ، العادل في كل شيء)(93)

مع العلم أن التتار لم يفرضوا أحكام الياسق على أفراد أمة التوحيد ، بل بقي المصدران يسيران حياة المسلمين ، وذلك بابقاء التتار على القضاة والمفتين ... يحكمون بشرع الله ويفتون بما يأمر به الكتاب والسنة ، وخص التتار أنفسهم بالتحاكم إلى الياسق ، والتزموا به دون شريعة الإسلام ، واعتبر العلماء فعلهم هذا تبديلاً لشرع الله ، وحكموا عليه بالكفر المخرج من الملة . (94)

ولم تستمر هذه الغمة على المسلمين ، فقد غلب الإسلامُ التتارَ فدخلوا في دين الله ، وعادت مظلة الإسلام تحكم المسلمين من جديد ، وتُسَيِّرُ حياتهم كما كانت تسيرها في الماضي .

وظلت الأمة تسير وِفق مبدأ الخضوع للنص حتى دخل الاستعمار بلاد المسلمين في الآونة الأخيرة ، وشَرَّع أحكاماً تخالف هذا المبدأ ، فخرجت أصوات تطالب العلماء بتحديد مفهوم دار الحرب ودار الإسلام ، وإلحاق بلادهم بأحد الدارين ، مع تحديد الأحكام التي يجب عليهم امتثالها ، فانقسم العلماء تجاه القضية إلى قسمين ولكلٍ أدلته:

١/ فمن قائل بزوال المظلة الإسلامية التي كانت تستظل بمظلة النص ، وإن بلادهم دار حرب ، يوجب الإسلام مقاومة من أزال تلك المظلة ، كما يوجب عدم الامتثال لأحكام هذا المحتل الدخيل .(95)

٢/ ومن قائل بأن الدار ما زالت دار إسلام ، رغم وجود بعض المخالفات الشرعية ، لأن جل الأحكام الشرعية مطبقة في الدولة الجديدة ، كعدم المنع من أداء الصلاة ودفع الزكاة وصوم رمضان ، وعدم المساس بالأحكام الشرعية المتصلة بالنكاح والطلاق والميراث ... (96)

وانتهى الوضع بسيطرة الاستعمار على العديد من بلاد المسلمين ، وإلزامهم بأحكامٍ تحقق مصالحه بغض النظر عن موافقتها لأحكام الإسلام ، وأخذ المسلمون في مقاومته وإخراجه من بلاد التوحيد ، وكان للعلماء دور القيادة في مساندة الحركات السياسية ، التي طالبت بإخراج المستعمر ، وحقق الله لهم ذلك ، فخرج الدخيل بعد أن خلف في بلاد المسلمين تشريعاته و أحكامه .

جهود العلماء في بيان وجوب الحكم بما أنزل الله

ربما قَبل العلماء بقاء تشريعات المستعمر لبعض الوقت آنذاك تطبيقا للقاعدة الأصولية (يُرتكب أخف الضررين) معتقدين أن مثل هذه الأحكام ستلغى لعودة

الحكم إلى الإسلام ، إلا أن ذلك لم يحدث في العديد من الدول المستقلة ، كما سبق ذكره في دستور باكستان وقانونه الجنائي .

ولجهابذة العلم جهودٌ مباركة في بيان الحكم الشرعي في الأحكام المستمدة من التشريعات الديمقراطية ومثيلاتها ، والأوضاع التي يعيشها المسلمون الآن ، وقد سبق ذكركلام بعضهم عند ذكر النصوص الدالة على وجوب التحاكم إلى الكتاب والسنة ، ومن أبرزهؤلاء الجهابذة الذين لم يسبق ذكرموقفهم الإمام الطحاوي (97) والإمام الزجاج (98) والإمام القرطبي (٩٩) وابن القيم (١٠٠) والإمام الشاطبي (١٠١) والشيخ محمد بن علي الشوكاني (١٠٢) والشيخ ابن باز (١٠٣) ومفسر العصر الشيخ محمد الأمين الشنقيطي (١٠٤) والشيخ أحمد شاكر (١٠٥) وشقيقه الشيخ محمود شاكر (١٠٦) وسيد قطب (١٠٧) والسيد رشيد رضا (١٠٨) والشيخ محمد صالح العثيمين (١٠٩)

والشيخ عبدالرزاق عفيفي (١١٠) والدكتور الشيخ عبد الرحمن المحمود (١11) والدكتور الشيخ سفر الحوالي (١١٢) والشيخ محمد بن إبراهيم (١١٣) جزاهم الله عن الإسلام والمسلمين خير الجزاء .

وكلام شيخ الإسلام ابن تيمية هو الأحق بالاتباع في حالات المسلمين المعاصرة ، لأنه شخص العلة وقدم العلاج المناسب حيث قال : (المقالة التي هي كفر بالكتاب والسنة والإجماع يقال : هي كفر ، كما دلت على ذلك الدلائل الشرعية ، فإن الإيمان من الأحكام المتلقاة عن الله ورسوله ، ليس ذلك مما يحكم فيه الناس بظنونهم وأهوائهم .

ولا يجب أن يحكم في كل شخصٍ قال ذلك بأنه كافر ، حتى يثبت في حقه شروط التكفير وتنتفي موانعه ، مثل من قال : إن الخمر أو الربا حلالٌ لقرب عهده بالإسلام ، أو لنشوئه في بادية بعيدة ، أو سمع كلاماً أنكره ولم يعتقد أنه من القرآن ، ولا أنه من أحاديث الرسول صلى الله عليه وسلم ، كما كان بعض السلف ينكر أشياء حتى يثبت

عنده أن النبي صلى الله عليه وسلم قالها ، وكما كان الصحابة يَشُكُّون في أشياء مثل رؤية الله وغير ذلك حتى يسألوا عن ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم ، ومثل الذي قال : إذا أنا مت فاسحقوني وذروني في اليم لعلي أضل عن الله ، ونحو ذلك .

فإن هؤلاء لا يُكَفَّرُون حتى تقوم عليهم الحجة بالرسالة كما قال تعالى :(رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا) (١١٤) وقد عفى الله لهذه الأمة الخطأ والنسيان) (١١٥)

مصادر التشريع في الإسلام في الأحداث المستجدة

يزداد أمر التشريع غموضاً وصعوبة أكثر إذ نجد أحداث الحياة متجددة ، لا تنقطع ولا نهاية لها ، بينما تشريعات الإسلام النصية قد انتهت ، بلحوق رسول الله صلى الله عليه وسلم بالرفيق الأعلى ، جرائم لم تكن موجودة فوجدت الآن ، أمور تنظيمية لم تمس إليها الحاجة من قبل وفرضت نفسها الآن ، وجود أقليات مسلمة في بلادٍ غير إسلامية ... وآلاف الأحداث التي نعاصرها الآن ، ما طريقة تسييرها وإعطائها أحكاماً شرعية .

الإجابة على هذا الغموض جاءت في إجماع العلماء حين حددوا مصادر التشريع في الإسلام ، في الكتاب والسنة والإجماع والقياس ، بعد اتفاقهم أن التشريع حق الله ، لا يشاركه فيه ملك من الملائكة أو بشر من بني الإنسان،فالتشريع أعظم خصائص توحيد العبادة وحصره في الله عز وجل هو مقتضى القرآن وسنة سيد الأنام .

فلا يملك أحد حق التحليل أو التحريم إلا الله ، فليس لأحد أن يضع الأسس التشريعية إنشاء أو تقييداً ، تسَيّر حياة البشر، إلا وفق منهج معين بنص من كتاب الله أو سنة رسول الله صل الله عليه وسلم ، أو أخذها من المصادر التي نص العلماء باستظلالها بظل الكتاب والسنة .

شبهة حول مصدرية السنة والإجماع والقياس في التشريع الإسلامي

قد يتبادر إلى الذهن أن التشريع حق من حقوق المسلمين ، بدءاً بنبيهم وانتهاء بمجتهديهم ، إذا المعروف بين أهل العلم أن السنة مصدر من مصادر التشريع في الإسلام ، فإن كان الكتاب من الله فإن السنة من رسول الله صلى الله علية وسلم ، وأما الإجماع والقياس فحق علماء الإسلام ، وهل الأمركذلك ؟

لا تعني كتب علماء الأصول في السنة التشريعية أن محمد بن عبد الله – صلى الله عليه وسلم – مشرع مستقل ، دون وحي من الله عز وجل ، بل يعنون من السنة التشريعية أن التشريع يأتي عن طريق كتاب الله ، كما يأتي عن طريق سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ، فالمشرع هو الله ، وطريق إبلاغ الشريعة قد يكون بكتاب الله ، وقد يكون بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ، فما محمد بن عبد الله إلا مبلغ لذلك التشريع .

فالمشرع واحدٌ ، وطريقة إيصال تشريعه إلى البشر يأتي عن طريقين :

١/ بكلامه في كتابه عزوجل .

٢/ بسنة نبيه صلى الله عليه وسلم .

فالله هو المشرع ، ومحمد بن عبد الله هو المبلغ ، وليس من حقه التشريع ، إذ التشريع خاص بالله عزوجل .

ولا يكون الإجماع مشرعا إلا إذا اتفق عليه جميع المجتهدين من علماء الإسلام ، لذا يعرفه علماء الأصول بأنه : (اتفاق المجتهدين من أمة محمدٍ صلى الله عليه وسلم بعد وفاته في عصر من العصور على حكمٍ شرعي) (١١٦) والمجتهدون هم علماء الشريعة الذين بلغوا رتبة الاجتهاد في العلوم الشرعية ، ولا يكون حكمهم حجة إلا إذا اتفقوا

جميعاً في الحكم ، ولصعوبة انعقاد الإجماع في الحكم لا تتجاوز القضايا التشريعية المجمع عليها أصابع اليد الواحدة على أكثر تقدير في تاريخ الإسلام التشريعي .

وأما القياس: (فهو إلحاق فرعٍ بأصلٍ في الحكم ، لتساويهما في العلة)(١١٧) ومن ثم لا استقلال له ، بل إلحاق غير المنصوص بالمنصوص لعلة تجمع بينهما ، فيأخذ المستجد حكم السابق الذي نص عليه الشرع .

إذن نخلص مما سبق إلى أن مصادر التشريع الأربعة التي نص عليها علماء أصول الفقه على درجتين :

أ/ مصادر أساسية مستقلة هما الكتاب والسنة .

ب/ مصادر تابعة لا استقلال لها ، بل تتبع المصدرين السابقين ، وهما الإجماع والقياس علي الرأي الراجح عند علماء الإسلام . وأما بقية المصادر كالاجتهاد والاستحسان والمصلحة المرسلة والاستصلاح ... فهي موضع خلاف في مصدريتها واستنباط الأحكام منها عند علماء الإسلام .

نتائج حصر الحاكمية في الله عزوجل في حياة البشر

تبرز النتائج في الحياة اليومية حين تكون الحاكمية لله في صورتين :

١/ ضمان كرامة الإنسان ، فلا يكون بعض الناس أرباباً مشرعين لبعضهم الآخرين .

٢/ الواقع البشري يسوده العدل ، فلا ظلم ولا تخبط في التشريع ، لعجز الإنسان عن الإحاطة بالأمر من كل جوانبه ، فإن كان قادراً على تصور الماضي وربما الحاضر ، فإن المستقبل محجوب عنه ، لذا نجد التشريعات الديمقراطية متخلفة عن الأحداث في إصدار الأحكام وإنزال العقوبات ، وكل ذلك منتفٍ عن الله ، فالماضي والحاضر والمستقبل كله عيان غير محجوب عن الله .

فكم كان الرب رحيماً حين منع الإنسان من التشريع ، وقصره على نفسه جل وعلا

مميزات الإسلام على النظام الديمقراطي

قد تتفق بعض الأحكام و القضايا بين الإسلام والنظام الديمقراطي ، ولا يعني هذا الاتفاق بأن الإسلام ديمقراطي ، لأن الديمقراطية من البشر بينما الإسلام من الله ، أضف إلى ذلك أن الإسلام يمتاز على النظام الديمقراطي في جوانب لا وجود لها في النظام الأخير ، ومن أبرز ذلك :

١/ إزالة أسباب الفتنة قبل تنفيذ الحكم .

٢/ ضمان كرامة الإنسان بعد تنفيذ الحكم .

٣/ تنفيذ الحكم المقرر من قبل الله سبحانه وتعالى .

٤/ لا وجود للحصانة البرلمانية ، وما يشبهها من الحصانات .

هل يصح وصف الإسلام بأنه ديمقراطي

لا يجوز ذلك لسببين :

أ/ الإسلام من عند الله ، بينما الديمقرطية من وضع البشر ، ووصف الإسلام بها حط من مكانته.

ب/ التشريع في الإسلام حق الله وفي النظام الديمقراطي حق البشر .

الخاتمة وتتضمن :

١/ ملخص البحث أخضع المسلمون حياتهم لأحكام النص الوارد في كتاب الله ، أوفي سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم القولية والفعلية والتقريرية ، وما له ارتباط بالمصدرين ، رغم وجود هفوات من بعض حكامهم في بعض جوانب التطبيق ، إلا أن مظلة الدولة كانت خاضعة للنص كتاباً وسنة وإجماعا ًوقياسا ، بل كان الحكام يحرضون الأمة على التمرد عليهم متى خالفوا أحكام النص .

واستمرت هذه الفترة إلى ما قبل سقوط بغداد على يد التتار ، فغلب غيرُ المسلمين على بلاد المسلمين ، وفقدت الأمة مظلة النص في استنباط الأحكام وتطبيقاتها ، وأبدى علماء الإسلام الحكم الشرعي في مثل هذه الحالة ، كشيخ الإسلام ابن تيمية وابن كثير رحمهم الله .

ثم غلب الإسلامُ التتارَ ، فأسلموا وأسسوا أعظم دولة إسلامية في شبه القارة الهندية ، وظهر فيهم حكامٌ تفتخر الأمة بظهورهم في الساحة الإسلامية ، كالملك أورنك زيب عالمكير ، وبذلك عادت المظلة إلى وضعها المعين في الإسلام ، وسارت الأمة سيرها المعتاد .

وتعرضت الأمة مرة أخرى لحكمٍ شبيهٍ بحكم التتار ، وذلك حين استولت أوربا المستعمِرة على كثيرٍ من بلاد المسلمين ، ونفذت فيهم بعض الأحكام التي تعارض أحكام القرآن والسنة ، وقاومتها الشعوب حتى أجبرتها على الخروج ، وعاد إليها استقلالها المسلوب ، وسَلَّمَ الأوربيون قيادتَها لأفراد ينقصهم العلم بأحكام الإسلام ، ويبهرهم رقي الغرب المادي ، فظنوا رقي الأمة مرتبطاً في سلوك ذلك النهج .

وما زال هذا الوضع قائماً يسود جل الدول الإسلامية التي نالت استقلالها من المستعمِر ، فَجُل تشريعاته هي التي يحَاكم إليها المسلمون ، ما عدا جوانب معينة كالأحوال الشخصية من النكاح والطلاق ... وما شابه ذلك ، وألبست هذه الدول دساتيرها وقوانينها ثوب الإسلام ، الذي لا ينسجم مع شرع الله عزوجل .

فالأنظمة الديمقراطية تحصر حق التشريع في أفراد البرلمان المنتخبين من الشعب ، أو من يُعَيِّنُهُم البرلمان ، أو مجلس الشيوخ ، أو من يعينهم هذا المجلس ، بينما الإسلام يحصر هذا الحق في الله عزوجل ، وأن من صرفه لغير الله فقد نال من إيمانه ، وإنه على خطرٍ عظيم ، وعليه أن يعاود الاستظلال بمظلة المشرع التي يرتضيها الإسلام ، ونبذ

التشريعات المخالفة لأحكام هذا المشرع ، واستنباط الأحكام من النص وتوابعه كعهد حكام المسلمين السابقين .

٢/ نتائج البحث : لكل جهدٍ بشري خاتمةٌ ونتيجة ، وجهدي هذا توصلت فيه إلى النتائج التالية :

١/ كلمة الحق تعني الإحكام المطابق لما يجب ، وبقدر ما يجب ، وفي الذي يجب ، ولا يتحقق ذلك إلا في الله سبحانه وتعالى .

٢/ كلمة التشريع تعني سن القوانين واللوائح والنظم التي تقود إلى العمل ، ويَسِير عليها الناس في حياتهم اليومية .

٣/ كلمة النظام تعني تأليف الأوامر من صاحب السلطة لتسيير أمور أفراد الشعب .

٤/ كلمة الديمقراطية تعني سلطة الشعب ، وأن التشريع حق لمن انتخبه الشعب ، أو من انتخبهم نواب الشعب ، وأعظم مميزاتها سبعة حقوق وأربع ضمانات .

٥/ كلمة الإسلام تعني وجوب الاستسلام لله ، والانقياد له بالطاعة والخلوص من الشرك ، وذلك باتباع محمدٍ صلى الله عليه وسلم في المعتقدات والأحكام العملية التي تُسَير حياة الناس أجمعين .

٦/ أول من مارس حق التشريع من البشر هو الملك حمورابي البابلي حسب الروايات التاريخية ، وتلاه صولون اليوناني ، فقوانين الألواح الاثني عشر الرومانية .

٧/ الدساتير البشرية بلا استثناء تعطي حق التشريع للإنسان ، في صورة أفرادٍ منتخبين ، وأفرادٍ غير منتخبين .

٨/ الدستور الباكستاني وقانون جناياته يخالفان تشريعات الإسلام في العديد من البنود .

٩/ شروط أهلية المشرع البرلماني لا تفي بمتطلبات الاجتهاد الشرعي .

١٠/ التشريع في الإسلام في ضوء نصوصه حق لله فحسب ، والنص مورد التشريع والاستنباط والاجتهاد .

١١/ السنة المشرعة تعني إبلاغ ما شرعه الله عن طريق سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم القولية والفعلية والتقريرية .

١٢/ حالة غلبة التتار على بلاد المسلمين قريبة الشبه لمن يتحاكم إلى الدساتير والقوانين الوضعية .

١٣/ مصادر التشريع في الإسلام على درجتين : مصادر أساسية هما الكتاب والسنة ومصادر تابعة لهما : وينحصر ذلك في الإجماع والقياس . ويضاف إلى ذلك الاجتهاد والاستنباط والعرف والاستصلاح والمصلة المرسلة وشرع من قبلنا...

١٤/ تبرز النتائج حين تكون الحاكمية لله في صورة ضمان كرامة الإنسان ، وتحقيق العدل بين البشر أجمعين .

١٥/ يفوق النظام الإسلامي على النظام الديمقراطي في جوانب لا وجود لها في النظام الأخير .

١٦/ وصف الإسلام بأنه ديمقراطي ينال من مكانته ، فتنقطع صلته بالله ، وترتبط صلته بالإنسان .

قائمة المراجع

١/ القرآن الكريم .

كتب السنة .

٢/ جامع الترمذي ، لمحمد بن عيسى الترمذي ، طبعة دار السلام الخاصة بجهاز الإرشاد والتوجيه بالحرس الوطني بالمملكة العربية السعودية ، الطبعة الثانية ، عام ١٤٢١ هـ .

٣/ شرح النووي على صحيح مسلم (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج) الطبعة الثانية دار إحياء التراث العربي بيروت.

٤/ صحيح البخاري لإمام المحدثين محمد بن إسماعيل البخاري (فتح الباري بشرح صحيح البخاري) تحقيق محمد فؤاد عبد الباقي وإشراف الشيخ محب الدين الخطيب ، المطبعة السلفية ومكتبتها ، القاهرة ١٣٨٠ هـ .

٥/ صحيح مسلم لمسلم بن الحجاج القُشَيْري ، طبعة دار السلام الخاصة بجهاز الإرشاد والتوجيه بالحرس الوطني بالمملكة العربية السعودية ، الطبعة الثانية ، عام ١٤٢١ هـ .

المراجع العامة

٦/ إرشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول لمحمد بن علي الشوكاني ، اعتنى به الشيخ الدكتور ناجي السويد الطبعة الأولى ١٤٣٠هـ نشر المكتبة العصرية صيدا بيروت .

٧/ أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن لمحمد الأمين الشنقيطي ، مطبعة المدني ، طبعة عام ١٣٨٦ هـ .

٨/ الاعتصام للإمام إبراهيم بن موسى الشاطبي ، نشر المكتبة التجارية الكبرى بمصر .

٩/ إعلام الأعلام بأن هندوستان دار الإسلام لأحمد رضا خان بريلوي مطبعة البريلي الهند .

١٠/ البداية والنهاية لابن كثير ، الطبعة الأولى ، مطبعة السعادة .

١١/ بريلوي فتوى لنور محمد نشر أنجمن اتحاد المسلمين لاهور باكستان ١٣٩٩هـ .

١٢/ تاج العروس من جواهر القاموس للسيد محمد مرتضى الزبيدي ، الناشر دار ليبيا للنشر والتوزيع بنغازي .

١٣/ تاريخ فاتح العالم جهانكشاي المعروف بتاريخ عطا ملك لعطاء ملك الجويني ، تحقيق محمد التونجي ، الطبعة الأولى ١٤٠٥ هـ نشر دار الملاح للطباعة والنشر .

١٤/ تاريخ نجد لابن غنام الطبعة الثانية مصورة عن الأولى .

١٥/ تحكيم القوانين للشيخ محمد بن إبراهيم ، الطبعة الأولى .

١٦/ تفسير ابن كثير (تفسير القرآن العظيم) لابن كثير القرشي الدمشقي توزيع مكتبة دار التراث القاهرة .

١٧/ تفسير الطبري (جامع البيان في تأويل آي القرآن) لمحمد بن جرير الطبري الطبعة الثالثة ١٣٨٨هـ شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده بمصر .

١٨/ تفسير الطبري (جامع البيان ...) تحقيق محمود محمد شاكر ، طبعة دار المعارف بمصر .

١٩/ تفسير القرطبي ، الجامع لأحكام القرآن ، لأبي عبد الله القرطبي ، الطبعة الثانية ١٣٨٢ نشر دار الكتب بالقاهرة .

٢٠/ جمهرة خطب العرب لأحمد زكي صفوت نشر المكتبة العلمية ، بيروت لبنان .

٢١/ حقوق الإنسان في الإسلام والرد على الشبهات المثارة حولها للاستاذ الدكتور سليمان الحقيل ، الطبعة الرابعة ١٤٢٤هـ .

٢٢/ الحكم بغير ما أنزل الله أحواله وأحكامه للدكتور عبد الرحمن بن صالح المحمود الطبعة الثانية ١٤٢٠هـ نشر دار طيبة الرياض .

٢٣/ الخطط المقريزية ، المسمى : المواعظ والاعتبار للمقريزي ، طبعة البولاق .

٢٤/ دراسة مقارنة حول الإعلان العالمي لحقوق الإنسان ونصوص الميثاق الدولي الخاص بالحقوق الاقتصادية والاجتماعية والثقافية وموقف التشريع الإسلامي منها لسعيد محمد أحمد ، نشر مؤسسة الرسالة بيروت ١٤٠٦هـ .

٢٥/ دستور جمهورية باكستان الإسلامية ١٩٧٣ م (الدستور الباكستاني ١٩٧٣) طبعة ٢٠١٢ نشر و توزيع منصور بك هاؤس انار كلي لاهور باكستان .

٢٦/ دوام العيش في أن الأئمة من قريش لأحمد رضا خان مطبعة لاهور باكستان .

٢٧/ الدواء العاجل في دفع العدو الصائل لمحمد بن علي الشوكاني مصورة عن الطبعة الأولى١٣٤٨هـ ، نشر دار الكتب العلمية بيروت .

٢٨/ روضة الناظر وجنة المناظر لموفق الدين عبد الله بن أحمد بن قدامة المقدسي ، الطبعة التاسعة ، نشر مكتبة الرشد .

٢٩/ شبهات حول السنة للشيخ عبد الرزاق عفيفي ، الطبعة الأولى نشردار الفضيلة بالرياض ١٤١٧هـ .

٣٠/ شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز الحنفي ، الطبعة الرابعة ١٣٩١ ، نشر المكتب الإسلامي .

٣١/ الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية لإسماعيل بن حماد الجوهري ، تحقيق أحمد عبد الغفور عطار ، الطبعة الثانية ، دار العلم للملايين بيروت ١٣٩٩هـ = ١٩٧٩م .

٣٢/ عمدة التفسير عن الحافظ ابن كثير ، اختصار وتحقيق أحمد محمد شاكر ، طبعة دار المعارف بمصر ١٣٧٦ هـ .

٣٣/ فتاوى عزيزي للشاه عبد العزيز بن الشاه ولي الله الدهلوي ترجمه من الفارسية الى الأردية عبد الواجد نولوي مطبعة ايجوكيشنل بريس كراتشي ١٣٩٦هـ .

٣٤/ فتاوى محمد رشيد رضا ، جمعها صلاح الدين المنجد ، الطبعة الأولى ، نشر دار الكتاب الجديد .

٣٥/ الفصل في الملل والأهواء والنحل لعلي بن أحمد بن سعد بن حزم ، نشر مكتبة الخانجي القاهرة.

٣٦/ في ظلال القرآن ، للسيد قطب طبعة دار الفكر بيروت لبنان .

٣٧/ القاموس المحيط لمجد الدين محمد بن يعقوب الفيروز آبادي ، طبعة شركة مصطفى البابي الحلبي وأولاده بمصر ، ١٣٧١ هـ ١٩٥٣م ، نشر دار الجيل بيروت .

٣٨/ قواعد الأحكام في مصالح الأنام لسلطان العلماء عزالدين بن عبد السلام تحقيق محمود الشنقيطي نشر دار المعارف بيروت لبنان .

٣٩/ كتاب تمهيد الأوائل وتلخيص الدلائل لأبي بكر محمد بن الطيب الباقلاني تحقيق عماد الدين حيدر الطبعة الأولى ١٩٨٧م نشر مؤسسة الكتب الثقافية بيروت لبنان.

٤٠/ لسان العرب لجمال الدين محمد بن مكرم بن منظور نشر دار صادر بيروت الطبعة الثانية ١٤١٢هـ ١٩٨٢م .

٤١/ المجموع الثمين من فتاوى ابن عثيمين ، جمع وترتيب فهد ناصر السلمان ، طبع ونشر دار الوطن الرياض ١٤١٠ هـ .

٤٢/ مجموع فتاوى شيخ الإسلام ابن تيمية ، جمع وترتيب عبد الرحمن بن محمد وابنه محمد ، الطبعة الأولى ١٣٨١هـ ، مطابع الرياض .

٤٣/ مجموع فتاوى ومقالات متنوعة للشيخ عبد العزيز بن باز جمع وترتيب محمد الشويعر نشر دار الإفتاء بالرياض .

٤٤/ مجموعة تعزيرات باكستان مع التعديلات ترتيب القاضي نذير أحمد قريشي والمحامي حسن محمود بت ، طبعة ٢٠١٢ توزيع لاء بك لیند لاهور باكستان .

٤٥/ مختار الصحاح لمحمد بن أبي بكر الرازي ، الناشر دار الكتاب العربي بيروت لبنان ، الطبعة الأولى ١٩٦٧م .

٤٦/ مدارج السالكين بين منازل إياك نعبد وإياك نستعين لابن القيم الجوزية ، تحقيق محمد حامد الفقي الطبعة الثانية ١٩٩٣هـ =١٩٧٣م ، نشر دار الكتاب العربي بيروت .

٤٧/ مذكرة في أصول الفقه لمحمد الأمين بن محمد مختار الشنقيطي نشر مكتبة العلوم والحكم بالمدينة المنورة ودار الحديث بالقاهرة .

٤٨/ معاني القرآن الكريم وإعرابه لإبراهيم بن محمد السري الزجاج ، طبعة ١٤٠٨هـ ، توزيع عالم الكتب بيروت .

٤٩/ معجم مقاييس اللغة لأحمد بن فارس تحقيق عبدالسلام هارون نشر دار الفكر ، طبعة ١٣٩٩هـ

٥٠/ المعجم الوسيط لمجموعة ، إشراف عبد السلام هارون ، توزيع المكتبة العلمية بطهران .

٥١/ المفردات في غريب القرآن للراغب الأصفهاني مطبعة أصح المطابع كراجي عام ١٣٨٠هـ

٥٢ / الموسوعة العربية الميسرة نشر دار الشعب ومؤسسة فرنكلين القاهرة صورة لطبعة ١٩٦٥

٥٣/ وجوب تحكيم شرع الله للشيخ عبد العزيز بن باز،الطبعة الرابعة، توزيع دار الإفتاء بالرياض

الهوامش

١) يمكنك رؤية مساهماتهم تحت عنوان : جهود العلماء في بيان وجوب الحكم بما أنزل الله .

٢) ابن فارس ج٢ ص ١٥ .

٣) الفيروز آبادي ج٣ ص ٢٢٨ .

٤) لابن منظور ج ١٠ ص ٤٩ .

٥) جزء من آية رقم ٧١ في سورة الزمر.

٦) لسان العرب ج١٠ ص٥٥ .

٧) الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية لإسماعيل بن حماد الجوهري ج٤ ص ١٤٦٤ .

٨) انظر تاج العروس ج٦ ص ٣١٩ .

٩) سورة الأعراف آية ١٠٥ .

١٠) انظر لسان العرب ج١٠ ص٥٦ ، وتاج العروس ج٦ ص ٣١٥ ، ومعجم مقاييس اللغة ج٢ ص ١٨ .

١١) انظر لسان العرب ج ١٠ ص ٥٣ .

١٢) انظر المفردات في غريب القرآن للراغب الأصفهاني ج١ ص ١٦٦ .

١٣) انظر المعجم الوسيط ج ١ ص١٨٧

١٤) المفردات في غريب القرآن ج ١ ص ١٦٥ .

١٥) جزء من آية رقم ٦٢في سورة الأنعام .

١٦) جزء من آية رقم ٥ في سورة يونس .

١٧) جزء من آية رقم ٢١٣ في سورة البقرة

١٨) سورة يونس آية ٣٣ .

١٩) انظر المفردات في غريب القرآن ج١ ص ١٦٥ .

٢٠) جزء من آية رقم ٤٨ في سورة المائدة .

٢١) سورة الجاثية آية رقم ١٨ .

٢٢) معجم مقاييس اللغة لابن فارس ج ٣ ص ٢٦٢ .

٢٣) انظر لسان العرب ج ٨ ص ١٧٥ ، القاموس المحيط ج٣ ص ٤٥ ، تاج العروس ج٧ ص ٣٩ . والمفردات في غريب القرأن ج١ ص ٣٤٠ .

٢٤) سورة الجاثية آية رقم ١٨ .

٢٥) انظر لسان العرب ج ٨ ص ١٧٦ ، المفردات في غريب القرآن ج ١ ص ٣٤٠ ، المعجم الوسيط ج١ ص ٤٧٩ .

٢٦) الراغب الأصفهاني ج١ ص ٣٤٠ .

٢٧) سورة الزخرف آية رقم ٣٢ .

٢٨) سورة الجاثية آية رقم ١٨ .

٢٩) المفردات في غريب القرآن ، ج١ ص ٣٤٠.

٣٠) معجم مقاييس اللغة ج٥ ص ٤٤٣ .

٣١) مادة نظم ج٧ ص ١٨٧.

٣٢) أنظر القاموس المحيط للفيروز آبادي مادة نظم ، ومختار الصحاح لمحمد بن أبي بكر الرازي ص ٦٦٧ مادة نظم . ، والمعجم الوسيط ج٢ ص ٩٤١ .

٣٣) انظر الموسوعة العربية الميسرة ص ٨٣٧.

٣٤) انظر المصدر السابق ، والصفحة نفسها .

٣٥) معجم مقاييس اللغة ج١ ص ٩٠ .

٣٦) انظر معجم مقاييس اللغة ج١ ص ٩٠ .

٣٧) انظر لتفصيل هذه المعاني لسان العرب لابن منظور ج١٢ ص٢٨٩-٣٠٠ ، القاموس المحيط للفيروز الآبادي ج ٤ ص ١٣١-١٣٢ ، تاج العروس للزبيدي ج ٨ ص٣٣٧-٣٤٥ ، المفردات في غريب القرآن للراغب الأصفهاني ج ١ ص ٣١٥-٣١٨ ، الصحاح للجوهري ج ٥ ص ١٩٥٠- ١٩٥٣ ، المعجم الوسيط ج١ ص ٤٤٦ .

٣٨) ابن منظور ج ١٢ ص ٢٩٤ ، علماً أن انفراد ذكر الإسلام في نص شرعيٍ مستقل يحوي مفهومه الخاص به ومفهوم الإيمان معاً ، والعكس صحيح .

٣٩) سورة الحجرات آية رقم ١٤ .

٤٠) سورة البقرة آية رقم ١٣١ .

٤١) المفردات في غريب القرآن ج١ ص ٣١٧ .

٤٢) انظر للتفصيل حقوق الإنسان في الإسلام والرد على الشبهات المثارة حولها للأشتاذ الدكتور سليمان الحقيل ص ٢٠ ، و دراسة مقارنة حول الإعلان العالمي لحقوق الإنسان ونصوص الميثاق الدولي الخاص بالحقوق الاقتصادية والاجتماعية والثقافية وموقف التشريع الإسلامي منها لسعيد محمد أحمد. و الموقع الإليكنروني Wikipedia .org/wiki

٤٣) انظر للتفصيل حقوق إنسان في الإسلام ص ٢٠ ، و الموقع الإليكنروني www.marefa.org/ والموقع الإليكتروني Law .net /www.f ..

٤٤) انظر للتفصيل دراسة مقارنة حول الإعلان العالمي لحقوق الإنسان ... لسعيد محمد أحمد ص١١ ، وحقوق الإنسان في الإسلام لسليمان الحقيل ص٢٠ ، والموقع الإليكتروني boxiz.com والموقع الإليكتروني Wikipedia .org/wiki

٤٥) إسلامي جمهوريه باكستان ١٩٧٣ م (الدستور الباكستاني ١٩٧٣) ص١٦٨ .

٤٦) انظر إسلامي جمهوريه باكستان ص ١٦٨- ١٦٩ .

٤٧) إسلامي جمهورية باكستان ص ٥٧ .

٤٨) إسلامي جهوريه باكستان ص ١٨٥ .

٤٩) إسلامي جمهوريه باكستان ص ١٨٧ .

٥٠) إسلامي جمهورية باكستان ص ٦٧-٦٨ .

٥١) ص ٢٣٨-٢٤٢ .

٥٢) ص ٢٤٣-٢٤٤ .

٥٣) مجموعة تعزيرات باكستان ص ٣٠١ .

٥٤) مجموعةتعزيرات باكستان ص ٢٣٠-٢٣١ .

٥٥) مجموعة تعزيرات باكستان ص ٣٠١ .

٥٦) مجموعة تعزيرات باكستان ص ٢٤١-٢٤٣ .

٥٧) كتاب تمهيد الأوائل وتلخيص الدلائل لأبي بكر الباقلاني ص ٤٩٢ ، وشرح الأربعين النووية للشيخ عطية سالم ضمن دروسه الصوتية في المسجد النبوي الشريف رقم الدرس ٨٥ ، وشرح بلوغ المرام ضمن دروس المسجد النبوي الشريف له ايضا رقم الدرس ٢٣١وكل هذه الدروس موجودة في موقع الشبكة الإسلامية http://www.islamweb.net ، وجمهرة خطب العرب لأحمد زكي صفوت ج١ ص١٨٠

٥٨) جمهرة خطب العرب ج٢ ص ٢٠٤ .

٥٩) سورة البقرة آية رقم٢٥٦ .

٦٠) سورة النساء آية رقم ٦٥ .

٦١) سورة النساء آية رقم ٥٩ .

٦٢) سورة آل عمران آية رقم ٨٥.

٦٣) سورة الأعراف آية رقم ٥٤ .

٦٤) سورة يوسف آية رقم ٤٠ .

٦٥) سورة الأنعام آية رقم ١١٤ .

٦٦) سورة الأعراف آية رقم ٨٧ .

٦٧) سورة الممتحنة آية رقم ١٠ .

٦٨) سورة الملك آية رقم ١٣-١٥ .

٦٩) قواعد الأحكام في مصالح الأنام ج٢ ص ١٣٤-١٣٥ .

٧٠) سورة الشورى آية رقم ٢١ .

٧١) مدارج السالكين بين منازل إياك نعبد وإياك نستعين ج٢ ص ١٨٢ .

٧٢) سورة الأعراف آية رقم ٥٤ .

٧٣) تفسير الطبري ج ٨ ص ٢٠٦ .

٧٤) سورة المائدة آية رقم ٥٠ .

٧٥) سورة الأنعام آية رقم ١٢١ .

٧٦) سورة النساء آية رقم ٦٥ .

٧٧) سورة النمل آية رقم ٨٩ .

٧٨) سورة النور آية رقم ٥١ .

٧٩) سورة التوبة آية رقم ٣١ .

٨٠) رواه الترمذي في سننه أبواب تفسير القرآن باب ومن سورة التوبة رقم الحديث ٣٠٩٥ .

٨١) جامع البيان في تأويل آي القرآن ج ١٠ص ١١٤ .

٨٢) جامع البيان ج١٠ ص ١١٤.

٨٣) سورة الأنعام آية رقم ١٢١ .

٨٤) الفصل في الملل والأهواء والنحل ج ٣ ص ١٢٥ .

٨٥) سورة يونس آية رقم ٥٩

٨٦) سورة الملك آية رقم ٣-٤ .

٨٧) سورة التوبة آية رقم ٣٧

٨٨) سورة يوسف آية رقم ٤٠ .

٨٩) تاريخ نجد لابن غنام ص ٥٤٧ .

٩٠) فتح الباري شرح صحيح البخاري ج ١١ ص١١٦ . رقم الحديث ٦٣١٧كتاب الدعوات باب الدعاء إذا انتبه من الليل

٩١) أخرجه مسلم شرح النووي على صحيح مسلم ج١٢ ص ١٦ .

٩٢) مجموع الفتاوى ج ٢٨ ص٥١٠- ٥٢٤ ، وانظر ج٢٨ ص ٥٨٩ .

٩٣) تفسير ابن كثير ج ٢ ص ٦٧.

٩٤) انظر للتفصيل البداية والنهاية لابن كثير ج١٤ ص٢٣ -٢٤ ، الخطط المقريزية ج٢ ص٢١٩ ، تاريخ فاتح العالم لعطاء ملك الجويني ج١ ص٦١-٦٨ .

٩٥) انظر فتاوى عزيزي للشاه عبد العزيز بن الشاه ولي الله الدهلوي ص ٤٢٢ .

٩٦) انظر إعلام الأعلام بأن هندوستان دار الإسلام لأحمد رضا بريلوي ص ١٩-٢٠، ودوام العيش في أن الأئمة من قريش له ايضاً ص ٤٦، وبريلوي فتوى لنور محمد ص٢١ .

٩٧) انظر موقفه التفصيلي في شرح العقيدة الطحاوية ص ٣٥٥ .

٩٨) انظر موقفه التفصيلي في معاني القرآن وإعرابه ج٢ ص ١٧٨ .

٩٩) انظر موقفه التفصيلي في تفسير القرطبي ج٤ ص ١٠٦ وج٧ ص ٧٠ .

١٠٠) انظر موقفه التفصيلي في مدارج السالكين ج٢ ص ١٧٢ .

(١٠١) انظر موقفه التفصيلي في الاعتصام ج ١ ص ٣٢٨ ، وج٢ ص٣٧ وص ٢٠١ وما بعدها .

(١٠٢) انظر موقفه التفصيلي في الدواء العاجل في دفع العدو الصائل ص ٣٣-٣٤ .

(١٠٣) انظر موقفه التفصيلي في وجوب تحكيم شرع الله ص ٧ ، مجموع فتاوى ابن باز ج١ ص ١٣٧ ، وج ٢ ص ٢٠ وص ٣٣٧ ، وج ٤ ص٤١٦ .

(١٠٤) انظر موقفه التفصيلي في تفسير أضواء البيان ج٣ ص ٤٣٩-٤٤٠ ، وج ٤ ص٩٠ . وج٧ ص ١٦٩-١٧٣ .

(١٠٥) انظر موقفه التفصيلي في عمدة التفسير عن الحافظ ابن كثير ج٣ ص ٢١٤ ، وج٤ ص١٧٣-١٧٤ .

(١٠٦) انظر موقفه التفصيلي في حاشية تفسير الطبري ج ١٠ ص ٣٤٨ .

(١٠٧) انظر موقفه التفصيلي في (في ظلال القرآن) ج٢ ص ٨٧ تحت تفسير قوله تعالى :(..كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ ..) سورة النساء آية ٢٤

(١٠٨) انظر موقفه التفصيلي في فتاوى محمد رشيد رضا .ج١ ص١٣٢-١٣٣ .

(١٠٩) انظر موقفه التفصيلي في المجموع الثمين من فتاوى ابن عثيمين ج ١ ص ٣٧-٣٩ ، و ج٢ ص ١٢٩-١٣٠ ،

(١١٠) انظر موقفه التفصيلي في شبهات حول السنة ص ٦٤-٦٥ .

(١١١) انظر موقفه التفصيلي في الحكم بغير ما أنزل الله أحواله وأحكامه ص٣٧٩- ٣٨٣.

(١١٢) انظر موقفه التفصيلي في موقع الشيخ سفر بن عبد الرحمن الحوالي الاليكتروني ، وموقع اسلام ويب .

(١١٣) انظر موقفه التفصيلي في تحكيم القوانين ص ٦-٧ .

(١١٤) سورة النساء آية رقم ١٦٥ .

(١١٥) مجموع الفتاوى ج ٣٥ ص ١٦٥- ١٦٦ .

(١١٦) انظر روضة الناظر وجنة المناظر لابن قدامة المقدسي ج٢ ص٤٢٩ ، و إرشاد الفحول للشوكاني ج١ ص ١٦١ ، ومذكرة في أصول الفقه لمفسر العصر الشيخ محمد الأمين

الشنقيطي ص١٤٥ .

١١٧) انظر روضة الناظر لابن قدامة ج٣ ص ٧٩٧ ، و ارشاد الفحول للشوكاني ج٢ ص٧٩ ، ومذكرة في أصول الفقه للشنقيطي ص ٢٣١ .

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تاريخ التصوف الإصلاحي في شبه القارة الهندية
ونماذج من المصلحين من المتصوفة

History of reformative Mysticism &

Some model Mystics of the Sub-Continent

الدكتور احمد جان*

ABSTRACT

Sufism/mysticism has played a vital role in preaching of Islam throughout the world especially in the sub-continent. The great Sufi Scholars influenced the moral and social behavior of the people of Sub continent.

The discussion in this article deals with the role of Sufism in bringing moral and social revolution among the people of Sub-continent. The great Sufis of Sub-continent including Ali bin Usman Hajwari and Moin-ud-Din Chishti spread the peaceful message of Islam all over India. These great Sufis followed the pure Sufism based on Islamic Shariah which brought a great change in Indian Society especially their moral behavior.

Keywords: Sufis, Social revolution, Moral change, Islamic Shariah, Preaching of Islam.

الحمد لله ربّ العالمين الذي أنعم على المؤمنين بنعمة القرآن ونعمة السلوك المستقيم والصلاة والسلام على رسولنا الصادق الأمين المبعوث رحمة للعالمين وعلى آله وصحبه أجمعين.

إن الحديث من تاريخ التصوف في شبه القارة الهندية ذو شجون وأحزانٍ فقد وضع علماء الشريعة والتزكية الروحية والنساك أقدامهم على أرض الهند فوجدوا مشاكل وعراقيل كثيرة

* رئيس قسم الدعوة والثقافة الإسلامية الجامعة الإسلامية العالمية بإسلام آباد

في سبيل الدعوة الإسلامية غير أنهم بهممهم العالية وعزائمهم الصادقة زللوا الصعاب وصبروا وصابروا. في المجتمع الهندوسي حتى هداهم الله للإسلام على أيدي هؤلاء العلماء في حين إن حكام المسلمين في الهند لم يفعلوا شيئاً للإسلام وصالح الدعوة وإلا لما بقي في الهند هندوسي وبوذي واحدٌ أبداً.

فقد قدم الدعاة المتصوفة من بلاد خراسان من تلاميذ كبار النساك الصوفية في بلاد الترك والأفغان ونور قلوب أهل الهند بالإيمان.ومثل هذه الجهود المضيئة في تاريخ الإصلاحي الروحي أقدم هذا البحث المتواضع وقسمته إلى عدة نقاط.

أولاً: تعريف التصوف وأهميته.

ثانياً: تاريخ التصوف كمبدأ للإصلاح في الهند عقائدياً وعملياً وخلقياً.

ثالثاً: نبذة عن علماء التصوف والسلوك في بلاد خراسان وكيف وصل تلاميذهم إلى الهند.

رابعاً: نماذج من المصلحين النساك الزاهدين من المتصوفة.

فقد نماذج من جلائل أعمال هؤلاء النساك في الهند حيث تأثر على المجتمع الهندي واهتدوا للإسلام ملايين البشر على أيديهم ورفعوا راية الإسلام في أكناف الهند واصلحوا ما فسدت من الأوضاع الداخلية في المسلمين وما دخلت في الإسلام من الوثنيات والبدعات.

خامساً: وما زال عصرنا هذا في حاجة إلى التصوف السني الإصلاحي البعيد عن الشحتات والخرافات فإن التصوف الإسلامي ما زال ولم يزل يعالج الأمراض الباطنية وأرجاس النفسية.

سادساً: يجب أن نفرق بين التصوف الإسلامي ونسانده ونستفيد من فيضانه. وبين التصوف الخرافي المختلط من الأفكار الهندوسية والفلسفات الوثنية ولا يجوز الخلط بينهما

وجعلهما في سلة الزبالة بدون تحقيق وتدقيق حيث إن التصوف الإسلامي من الشريعة وخير وسيلة للوصول إلى قلوب التائهين، وبالله التوفيق.

المدخل: إن التصوف الإسلام والسلوك الصوفي له جذرور تاريخية عبر التاريخ الإسلامي. وكان له أكبر الأثر في توجيهات المسلمين الفكرية والعملية والتعبدية والأخلاقية، والتصوف الإسلامي ليس غريباً عن الإسلام، فقد اجتهد علماء التصوف مشائخه في إصلاح النفوس والقلوب علمياً وعملياً ودونوا لذلك معارفهم وعلومهم في مجال العبادات والأخلاق وكما وضعوا مناهجهم في السلوك ومعالجة أمراض القلوب وعلل النفوس ونوازع الخير والشر وأنوار الذكر والطاعة، مستهدفين برسالتهم القلب والروح والوجدان وسلوك الإنسان وفي طريقه إلى الله وفي طريقة إلى الحياة قاموا بالمحافظة على روح الإسلام.

قاموا ليجعلوا من المثاليات العليا معراجاً رمانياً ومنهجاً إنسانياً، يصنع الإنسان الكامل ويصوغ المؤمن القوي العزيز الصالح للبقاء وللحياة ولخلافة الأرض الذي خلقه الله تعالى عليها ليكون جديراً به سبحانه وجديراً بما أصبغ عليه من قوة هائلة سخرت لها ما في السماوات وما في الأرضيين.

ويقول الشيخ الأكبر الإمام محي الدين بن عربي لقد أجمع رجال التصوف جميعاً على أنه لا تحليل ولا تحريم بعد شريعة رسول الله وخاتم النبيين، وإنما هو فهم يعطى في القرآن لرجال الله وكما حفظ علماء الظاهر حدود الشريعة، كذلك يحفظ علماء التصوف آدابها وروحها، وقد تعددت طرق الصوفية ومناهجها في الإصلاح حسب الزمان والمكان، وهذه الطرق التي هيئت الجماهير واحتفظت بإيمانها وأخلاقها وصانتها من التفكك والإنهار وأصبحت هذه الطرق مصابيح مضيئة وشعل متوهجة المحجة الهادة والواحة الحصببة الضليلة التي تمنع الأمان والإباة والإطمئنان للحيارى والضالين والمتبعين فالتصوف الإسلامي هو الذي احتفظ بالعلم الإسلامي والخلق القرآني والهدى النبوىء

وأسس في كل مكان المساجد والملاجئ والمعاهد والزوايا لطلاب العلم ولطلاب الحياة. والتصوف هو الذي قام بنشر الإسلام وحمل رايته إلى كل مكان وكسب له الملائين، وأسس الدول المرابطين والموحدين لنجدة الأندلس ولحماية المغرب العربي، وفتكات القراصنة النائبين. [١]

يقول المستشرق ماكس مللر وفي جبال الهند وغابات أندونيسيا وفوق الرمال الذهبية في البلاد العربية وفي أحراش أفريقيا وذرى جبال الأطلس وجفاف الأنهر وفي أعماق القرى وفي كل مكان هنا وهناك في القارات الإسلامية يشاهد الإنسان أينما اتجه أبناء الطرق الصوفية بسمتهم وشعائرها وحماسهم وفناءهم العجيب في الإيمان بدينهم.

تعريف التصوف:

التصوف إتجاه ديني من العلوم الشرعية الحادثة في الملة، كما يقول ابن خلدون وقد وصف الجنيد البغدادي "بأن التصوف ذكر مع إجتماع ووجد مع إستماع وعمل مع إتباع" وعرفه الجزيري بأن" التصوف مراقبة الأحوال، ولزوم الآداب" [٢] إذن التصوف هو بذل الجهد في تهذيب النفس للإرتقاء بها إلى مستوى الأكمل ويقول الإمام السراج الطوسي في اللمع "فإذا قيل لك الصوفية، من هم؟ في الحقيقة؟ هم العلماء بالله وبأحكام الله العاملون بما علمهم الله المتحققون بما استعملهم الله الواجدون بما تحققوا فإن سألني سائل قد نسبت أهل الحديث إلى الحديث ونسبت الفقهاء إلى الفقه فَلِمَ قلت الصوفية من تنسبهم إلى حال ولا إلى علم، قلت بأن الصوفية لم ينفردوا بعلم من العلوم. أو بنوع دون نوع بأنهم معدن لجميع العلوم ومحل جميع أحوال المحمود والأخلاق الشريفة. [3]

إذن التصوف من حيث هو ظاهرة سلوكية تعبدية أصيلة في الإسلام وغاية من غايات المبادئ الإسلامية التي أرادت أن تصوغ الإنسان صياغة زمانية متوازنة، ولذلك نجد آثار التصوف الإسلامي في كل مكان، وهؤلاء الصوفية وأتباعهم خدموا الإسلام والمسلمين

في كل مكان، وأصلحوا البلاد والعباد بأخلاقهم النبيلة وصدق اللهجة والتود دمع مريديهم والإخلاص مع المترددين عليه وشيدوا المساجد والزوايا والملاجئ والمستودعات للغلال وإيواء للمهتدين والمدارس التعليمية والتربوية لتكوين شخصياتهم وتثقيفهم بالثقافة الإسلامية وأصبحت هذه الزوايا منارات لنشر الدعوة الإسلامية والمثل العليا والسلوك والتعامل، ولذلك بدأ الناس يهرعون إلى التكايا والزوايا الصوفية للبحث عن شفاء أمراضهم الروحية والجسدية. وهذا الذي جعلني أن أتحدث عن العنصر الصوفى في الإصلاح في شبه القارة الهندية كما أضرب مثالاً كنماذج من المصلحين المتصوفة وخدماتهم في هذا البقاع.

تاريخ التصوف في الإصلاح في شبه الهندية ونماذج المصلحين المتصوفة:

لم يكن الصوفية الأوائل رهبانا، وأنما اندمجوا في الحياة أندماجاً قوياً أمروا بالمعروف ونهوا عن المنكر وقاوموا الفساد ودعوا إلى الجهاد ووقفوا أمام الجبابرة، يصمود وكانت صرخات الزهاد الأوائل ثورات إسلامية عارمة على الإنحراف، والزيغ، والإستبداد، والطغيان، فكانوا في ذلك يمثلون القوة الملهمة للفداء والتضحية والدرع الذي يحمل الأخلاق والعقائد والإيمان والوطن واستطاع التصوف الإسلامي في أيام إزدهاره أن ينشر الدعوة الإسلامية ويجعلها عالمية بدون سلاح وغزو، فهو الذي حمل نورها وهداها إلى أرخبيل ملاموا والفلبين والصين وقلب أفريقيا وغربها إضافة إلى شبه القارة الهندية والسيلان، وكان بغداد في أواخر القرن السابع الميلادي والثاني الهجري في عصر الخليفة هارون الرشيد العباسي المتوفي ١٩٣هـ مركزاً تجارياً عظيماً، وسوقاً تجارياً رائجا تنهال عليها البضائع رائجة، تنهال عليها البضائع والأموال من ثوب. (4)

فكان التجار من الفرس والخراسان والهند يترددون على بغداد كما كان تجار العرب يتوجهون بقوافل التجارية إلى الهند وجزر الهند الصينية. حتى إنهم قد سيطروا على تجارة بحر الهند في قرن التاسع الميلادي الثالث الهجري، فانتشر الإسلام في الهند عبر الطرق

التجارية، وانتقلت على الأيديهم الآراء التنسكيه (الصوفية) مع البضائع التجارية إلى جنوب الهند، كما وصل الإسلام من خلال الفاتحين العرب فقد فتحت غربي الهند على يد القائد الإسلامي محمد بن قاسم الثقفي عام ٩٣هـ، وأصبح جزءاً من الخلافة الإسلامية وبنو عاصمه إسلامية باسم منصورة في سنده وانتشر الإسلام على أيدي دعاة الإسلام وتبعهم أصحاب السلوك والطريقة وكانت لهم أيادى بيضا على أهل سنده، حيث جذبوهم إلى الإسلام رضا واقتناعاً، وهذه الجهود كانت فردية ومتقطعة حتى جاء الفاتح الإسلامي محمود الغزنوي من البوابة الشمالية للهند وأغار عليها سبعة عشر مرة تلو أخرى حتى وصل إلى العاصمه دلهي فواصل فتوحاته حتى تم له النصر وقضى على ملوك الهند وحطمهم الأصنام والمعابد الهندوسية، وبنى مكانها مساجد يذكر فيها اسم الله تعالى وتوفى في صفر س ٤٢٢هـ.(5)

وجلب محمود الغزنوي معه جماً غفيراً من العلماء والفقهاء وأهل التصوف والعرفان للهند حيث كان محباً للعلم وكان في طليعة الذين جاءوا للهند والبيروني والفارابي والبيهي والثعالبي، وكان من بينهم كبار علماء الطريقة من تلاميذ النساك الأفغان الذين لهم الفضل في الإصلاح ونشر الدعوة الإسلامية في خراسان وماوراء النهرأمثال إبراهيم بن أدهم البلخي المتوفي سنة ٦١هـ ومن تلاميذ شقيق البلخي ١٩٤هـ ومن تلاميذ حاتم الأصم البلخي٢٣٧هـ وفضيل بن عياض الخراساني ١٨٧هـ ومن تلاميذ عبدالله بن مبارك المروزي ١٨١هـ ومن تلاميذ أبو علي جوزجاني وأبو اليزيد البسطامي ٣١٩هـ ومحمد بن فضيل البلخي ١١٣هـ ومن تلاميذ معروف الكرخي المتوفي ١٦١هـ وقد نزح تلاميذ وأتباع هؤلاء النساك أصحاب الطريق إلى الهند ضمن الجيوش الإسلامية أوالقوافل التجارية فمكثوا وانتشروا في البلاد وحملوا لواء الإصلاح والدعوة الإسلامية في ربوع الهند.

والخلاصة أن الإسلام والدعوة الإسلام تقدمت وتخللت في الهند عن ثلاثة محاور، عن الغرب عن طريق الفتوحات الإسلامية العربية بقيادة محمد بن قاسم المتوفي ٩٨هـ ومن شمال بيد محمود الغزنوي ومن الجنوب بجهود تجار المسلمين، غير أن فتوحات محمود

الغزنوي للهند كانت حدثاً تاريخياً هاماً، كان له الأثر الفعال في دفع عجلة الدعوة الإسلامية إلى لإمام في الهند والملائو. وقد وجدت الدعوة الإسلامية طاقة بشيطة اعطت لها قوة للإندفاع إلى الأمام وهذه الطاقة هي طاقة التصوف الذي بدأ ينموا في الهند بظهور الصوفية المحليين الكبار المسلحين بالعلم والصلاح الباطن والتربية والطريقة والسلوك وقد انتشر الإسلام على أيديهم في حين بدأ الحكام والأمراء يبذلون جهودهم في توسيع رقعه دولتهم ونفوذهم. يولون ظهرهم إلى الدعوة الإسلامية وفي كثير من الأحيان كانوا يقفون في طريق بنشر الإسلام طمعاً في تأييد الهندوس لكيان دولتهم، فقد أخذ هؤلاء العلماء الصوفية والزهاد والنساك من دعاة المسلمين نشر الدعوة الأمية وإصلاح الناس على عاتقهم خلقياً وتربوياً لأهالي الهند على حد سواء وتأثر بأخلاقهم وصفاتهم الحميدة وتعاملهم الإسلامي القائم على العدل والمساوات بين الناس تطبيقاً لقول الله تعالى، ﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ﴾[6] وتمثيلاً لقول النبي ﷺ ((كلكم من آدم وآدم من تراب و في رواية الناس بنو آدم وآدم من تراب[7] وكما قال النبي ﷺ " يا أيها الناس: إن ربكم واحد، وإن أباكم واحد، ألا لا فضل لعربي على عجمي، ولا لعجمي على عربي، ولا لأحمر على أسود، ولا لأسود على أحمر إلا بالتقوى)) [٨] فهذا المبدأ الإسلامي العظيم طبقها العلماء الصوفية عملياً في الهند فأصبح زواياهم متكدسة بالمسلمين والهندوس والمنبوذين باحثين لديهم الرشد والفلاح والنجاة إلى حياة أفضل في الدنيا والآخرة، ومن بين هؤلاء النساك الزاهدين الذين لهم الجهود الجبارة في إصلاح المجتمع الهندي المشكل من المسلمين والهندوس والبوذيين والمنبوذين، فأصبحت هذه الزوايا إشعار نور أنارت به أرجاء الهند.

نماذج من المصلحين الزاهدين المتصوفة:

ومن أبرز هؤلاء الزهاد:

أولاً : الشيخ علي بن عثمان الهجويري ت ٤٦٥ هـ ودفن في مدينة لاهور في باكستان

الحالية، وكان عالماً وفقيهاً وزاهداً من كبار رحال العلم والمعرفة والصلاح حمل لواء الدعوة في ربوع الهند، وكان يرد على المتصوفين الذين ينخذون من التصوف ذريعة لارتكاب البدع والمنكرات وله كتاب شهير في ذلك باسم "الكشف المحجوب" وترجم إلى اللغة العربية وإلى اللغات العالمية أخرى، وقد اهتدى إلى الإسلام آلاف مؤلفة من الناس فانخرطوا في بوطقة الإسلام زاهدين أتقياء وصلحاء القائمين بإصلاح المجتمع الهندي وأخذهم إلى بر الأمان.[٩]

ثانياً: الشيخ خواجة معين الدين الششتي بن غياث الدين السنجرى الأجميري الذي قدم من أفغانستان ضمن جيوش سلطان شهاب الدين الغوري في القرن السادس الهجري. ثم انتقل إلى مدينة أجمير بولايات راجستان غربي الهند، وبدأ عن طريق التصوف والأخلاق الإسلامية ونشر الدعوة الإسلامية بين الهندوس، وأسلم على يديه مئات الآلاف من الهندوس وأصبح له شعبية كبيرة بين أوساط الفقراء والقطعات المستضعفة من المجتمع وتوفى سنة ٦٢٨هـ وأصبح ضريحة مركزاً لزيارة المسلمين والهندوس على حد سواء، وكان الشيخ معين الدين يحب الفقراء حيث كان زاهداً في الدنيا، ووزع ماله على الفقراء وعاش حياة النساك وجال البلاد، ثمرقند، وبخارى في طلب العلم كما زار المدينة ثم عاد إلى الهند واستقر في أجمير، وكانت رسالته تتركز على عالمية الحب وضرورة أن يسود السلام البشرية من دون نظر إلى عقيدة وجنس أو طائفة، وكان الحكام والملوك سواء المسلمون والهندوس يداومون على زيارة شيخ معين الدين يلجئون إليه لحل خلافاتهم وقضاياهم. وعندما توفى الشيخ معين الدين عن عمر يناهض ٩٧ سنة شيد الضريح فوق مدفنه ويقام فيه التجمع السنوي في ١٠ سبتمبر يحضر الملائين من أتباعيه بغض النظر عن معتقدات الدينية، ويحتفلون به سنوياً، إن دلَّ على شيء فإنما يدل على أن المنهج الصوفى أقصر الطريق إلى قلوب غير المسلمين وإهتدائهم إلى الإسلام كما فعل أسلافنا الكرام وبعد وفاته تبعة تلميذه الخاص هو.

ثالثاً: قطب الدين بختار كاكي:

ولد قطب الدين بختيار كاكي في فرغانه في ماوراء النهر وتتلمذ على يد الشيخ الأجمير وهاجر معه إلى الهند واستقر في دلهي، وعم فيضه ونما فضله وكثر خيره، للأمير والفقير على حد سواء وتوفي هناك. (١٠)

رابعاً: فريد الدين كنج شكر ولد في مدينة لاهور سنة ٥٦٩هـ وتتلمذ على يد الشيخ قطب بن بختيار الكعكي ثم انتقل إلى "ملتان" وكان صوفياً زاهداً تقياً ورعاً قام بنشر الدعوة الإسلامية في الهند وتتلمذ على يديه نخبة ممتازة من الدعاة وأهل الطريقة أمثال مخدوم علاء الدين صابر وقطب الدين بانسوي والشيخ خواجة بهاء الدين ملتاني والشيخ منتخب الحق وكانوا جميعاً من دعاة الإسلام ومن كبار الصوفية آنذاك.

خامساً: ومنهم الشيخ بهاء الدين زكريا ملتاني المتوفي ٦٦٦هـ وعاش مائة سنة عارفاً وعالماً وزاهداً وداعياً في "ملتان" والهند حتى ألقى عليه لقب سلطان الأولياء في الهند وله ضريح في ملتان وأقيمت جامعة حكومية باسمه تقديراً لجهوده في مجال الدعوة والتبليغ.

سادساً: نظام الدين أولياء البدايوني فولد في سنة ٦٣٦هـ وكان من كبار النساك وأهل المعرفة والدعوة وكان يجمع بين الفقراء والأغنياء والعصاة والمذنبيين والعلماء المتقيين في مجلس واحد ويلقنهم دروس التوحيد والتزكية وجهز قوافل الدعاة حملوا لواء الدعوة الإسلامية في ربوع الهند ومن أبرز هؤلاء شمس الدين يحيى، نصير الدين محمود، قطب الدين بائسوى وحسام الدين ملتاني، والشيخ فخر الدين زرادي، وعلاء الدين فيلي، والشيخ برهان الدين غريب، وسراج الدين آخر، والشيخ شهاب الدين، والشيخ نصر الدين شراغ. (١١)

سابعاً: شاه كليم الله جهان آبادي:

ولد سنة ١٦٥٠م وكان عصره عصر الانحطاط والخمول والطوائف الملوكية وقد تضاءلت شموع الدعوة الإسلامية وانتشر البدع في الصوفية فقام وأخذ العلوم، والطريقة من الشيخ

يحيى المدني في المدينة المنورة، وعاد إلى الهند وحمل راية الدعوة الإسلامية والسلوك وتصدى للبدع والتقاليد الوافدة على التصوف حتى أزاح الشبهات عن ساحته وتوفى سنة ١٧٣٩م.

ثامناً: الشيخ شرف الدين يحيى المنيري قام بإصلاح التصوف من غلو الغالين وتحريف المنتحلين والتزم الشريعة والطريقة في دعوته وسلوكه وقرر أن من خالف الشريعة فهو ملعون توفى سنة ٧٨٧هـ.

تاسعاً: خواجة باقي بالله ولد في أفغانستان سنة (١٩٧هـ- ١٥٦٤م) ثم هاجر إلى الهند وأخذ الطريقة والسلوك من الشيخ قطب العالم ثم بعثه إلى بخارى فعاد مرة أخرى وأخذ على عاتقه إحياء السنة وأماتته البدع وكان يتصدى لأعداد الإسلام بكل قوة وعزم، وتتلمذ على يديه جماعة من العلماء والأمراء وطلبة العلم قاموا بدفع عجلة الدعوة إلى الأمام و توفى سنة ١٦٠٣م.

عاشراً: الشيخ عبدالحق المحدث الدهلوي: ولد سنة ١٥٥١م وترعرع في أسرة علمية حتى تمَّ فضله وأصبح من كبار علماء الحديث والتصوف في الهند وهو الذى أحيا علوم الحديث بالهند وربط الصلة بين علوم القرآن والسنة وتصدى للفرق الباطنية الضالة والمتصوفة المنحرفين عن الخط الإسلامي الصحيح ودرس علوم أكثر من نصف قرن وتخرج على يديه كبار علماء الحديث، مثال الإمام حسن بن محمد الصاعاني صاحب كنز العمال وله عدة مؤلفات في التفسير والحديث والتصوف اشهرها أشِعّة اللمعات شرح المشكاة ومدارج النبوة توفى بعد عمر حافل بالجهد والاجتهاد سنة ١٦٤٠م.[١٢]

حادي عشر: الشيخ قطب الدين أحمد شاه ولي الله الدهلوي (١٧٠٣م-١٧٩٣م)

أنه حمل لواء الدعوة والجهاد وهو إمام النهضة الإسلامية في الهند ومؤسس الحركة الإسلامية وورثها عنه ابناؤه واحفاده ومنهم علماء مدرسة ديوبند وجرت على أيدي هؤلاء الأفذاذ عيون العلم والمعرفة في الهند والباكستان وحولهما — ومسح من جبين

التصوف آثار الماضى ونفنى عن كاهله أثقاله وأحماله ومزق قيده وحطم الأسوار، والاغلال التي فرضتها عليه عهود الجمود والضعف والانحلال وبرزوا إلى ميادين الجهاد والحياة المشرقة فكانوا بحق رهباناً في الليل وفرساناً في النهار.

وبعد هذا العرض من أعلام التصوف الإسلامي ومناهجهم في التصوف وصلنا إلى هذه النتيجة أن مهجهم توفيقي يجمع بين التصوف الإسلامي الذي يدعو إلى التزكية النفس وتطهير الجنان من شوائب الأدران والآثام في ضوء القرآن والسنة وبين الحياة الاجتماعية والسنة الجارية في الكون وهي وجود السبب مع المسبب وأهمية السعى والعمل والإتيان إلى بيوت من أبوابها وطلب الأشياء من معدنها كما كان عليه السلف الصالح أمثال جلال الدين الرومي وبختيار كعكي وجنيد بغدادي وعلى هجويري ومعين الدين أجميري وقد شهدت الهند والباكستان خلال القرن العشرين معارك فكرية ضارية بين بعض الطوائف الدينية وحاول كل فريق أن يجهز عن الآخر ويجعله خارجاً عن الإسلام، وهذا طور آخر من التصوف حيث دخلته الأوهام والخرافات على أيدي بعض الطالبين للشهرة والمكافة وتلمساً لأسباب الرزق لإحداث العقائد المنسوبة إلى التصوف وهذا نوع من الصراع أحدث جروحاً لن تندمل في كيان الدعوة أما السلفية فهي تجعل التصوف كالدخيل في الإسلام بأنها فكرة فلسفية ظهرت في الهند في الهندوسية والبوذية وغيرهما حتى توافدت على الإسلام لتشويهُ العقيدة الإسلامية الخالصة. بينما تعتبر الصوفية البريلوية بأن كل ما نتمسك به ونقوم به باسم التصوف مشروع ومن صميم الإسلام وأن السلفية طائفة خارجة عن الإسلام، غير أن هناك مدرسة ثالثة، منسوبة إلى مدرسة ديوبند التزمت بموقف وسط بين المنكرين للتصوف واللاعبين به واتخذ من التصوف ما يصلح ويفيد لتزكية النفس وتذكيرها ومعظمهم مرتبطين بطريقة صوفية نقشبندية أو قادرية بعيدين كل البعد عن البدعات والشطحات والتقاليد السيئة التي ترتكب باسم التصوف وانكروا على التصوف ما يفعله البعض من المغرضين من البدع والضلالات والتواكل وأكل أموال الناس السذج بالباطل.

الصوفية في ميزان الشرع:

أولاً: إن الشرع ميزان يوزن به الرجال، وبه يتيقن الربح من الخسران فممن رجع في ميزان الشرع كان من أولياء الله وتختلف مراتب الرجحان ومن نقص في ميزان الشرع فأولئك أهل الخسران، تتفاوت خفتهم في الميزان فإذا رأيت إنساناً يطير في الهواء ويمشى على الماء ويخبر المغيبات ويخالف الشرع بإرتكاب الحركات بغير سبب محلل ويترك الواجبات بغير سبب مجوّز فاعلم أنه شيطان نصبه الله فتنة للجهلة (١٣) وهذا النوع من التصوف هو الذي يُذَمّ ويقام على صاحبه نكير وكذلك كما أحدثوه في التصوف من الرقص واللذة والأصوات والأنغام والوجد وغير ذلك مستحدثات في الدين بقول سهل بن عبدالله كل وجد لا يشهد له الكتاب والسنة فباطل ويقول الجنيد: كل من زاد عليك في خُلقه زاد عليك في تصوفه والتصوف عظمة نفيسة شاملة لا تعرف الكبرياء والغرور ويقول أبويزيد البسطامي فإذا أحب الله عبداً أسبغ عليه صفات ثلاثة دليلاً على حبه سخاء كسخاء البحر، إحسان كإحسان المس، وتواضع كتواضع الأرض. (١٤)

ثانياً: الاقتصاد على الجانب الروحي وأهمى الجوانب الأخرى إنحراف كبير في الفهم والمنهج التربوى لأن الإسلام ليس نظاماً تعبدياً ولا شعائر تعبدية فقط بل نظام للحياة البشرية في شتى مظاهرها – يقول تعالى ﴿ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴾. (١٥)

ثالثاً: إن المتصوفة ما زالوا بعيدين عن كتاب الله وسنة رسوله دراسة وعلماً في إطار ضوابطها الصحيحة وعلوم الأصول والفروع فهم لا يدرسونها ولا يستفيدون من كنوزها ويبالغون في فهم المعاني الباطنية فلقرآن الكريم فهذه المبالغات قادت كثير منهم إلى إحداث البدع والمنكرات والضلالات الخطيرة التي وصلت ببعضهم إلى حد الزندقة والإلحاد والقول بالحلول والاتحاد وفكرة الاخلاء والإملاء متخذين في ذلك "من

الفلسفات الوثنية الهندية قديماً واسبينوزا حديثاً ومن الغنوصية المنحدرة من المسيحية والباطنية" نبراساً لتفكيرهم ومن هذا المنطلق يبدو واضحاً عجز الجماعات الصوفية عن مواجهة الجاهلية الحديثة ودحرها والصمود أمامها وبالتالي عدم أهليتها لتكون هي الجماعة التي يؤمل أن يرد الله بها كيداً أعداء الإسلام كما كان إسلافهم علماء ربانيين صادقين في الزوايا، ومجاهدين في ساحة المعارك دفاعاً عن الدين والوطن يبنى ويشيد ويبعث الطاقات المدخرة، ويحرك الهمم الفاترة للنهوض إلى فجر جديد وهذا الصنف من التصوف لا يد أن يعود مرة أخرى ليرفع راية الشريعة مع الطريقة عالية خفاقة في ربوع العالم.

الهوامش

١. التصوف الإسلامي رسالته ومبادئه ماضيه وحاضره مشيخة عموم طرق الصوفية، ص:٢٥-٢٨طبع دار الكتب العربي قاهرة مصر،.المذاهب والأفكار المعاصرة في التصوف الإسلامي لمحمد حسن، ص:٥٣، ط دار البشير طنطا بمصر

٢. اللمع لأبي نصر عبد الله بن علي السراج الطوسي،ص: ٥٢

٣. موسوعة التاريخ الإسلامي والحضارة الإسلامية، لدكتورأحمد شبلي، ص: ١٤٧/٣، دار النهضة القاهرة

٤. والتفصيل في نزهة الخواطر لعبد الحي الكهنوي ص: ١/ ٩٠، ط دهلي و حيدر آباد،

٥. الكامل لابن الأثير ص:٩ /٥٤ ، ط بولاق وتاريخ المسلمين في الهند لدكتور عبد المنعم النمر، ص:٨٨، ط القاهرة

٦. سورة الحجرات، الآية : ١٣

٧. رواه أحمد في المسند (٨٧٣٦) وقال محققوه: إسناده حسن، وأبو داود في الأدب (٥١١٦)، والترمذي في المناقب (٣٩٥٦).

٨. رواه البيهقي في الشعب باب في حفظ اللسان (٢٨٩/٤)، وقال: في هذا الإسناد بعض من يجهل، عن جابر، وقال الألباني في صحيح الترغيب والترهيب: صحيح لغيره، ورواه أحمد في المسند (٢٣٤٨٩)، وقال محققوه: إسناده صحيح، عن من سمع النبي، وقال الهيثمي في مجمع الزوائد: رواه أحمد ورجاله رجال الصحيح (٥٨٦/٣).

٩. علي الهجويري : كشف المحجوب: ترجمة إسعاد قنديل- بيروت.١٩٨٥

١٠. مآثرالكرام في آثار هندوستان لآزاد بلجرامي ،ص: ٧ وما بعد ط دلهي وسير الأولياء لأمير خودر، ص:٢٧، ط دلهي وراجع تاريخ الدعوة والعزيمة، للشيخ أبي الحسن الندوي، ص:٣٠/٣٠، دارالتبشير القاهرة وباكستان

١١. أنظر تاريخ فيروز شاهي ضياء برني، ص٤٦، ط لاهور باكستان وتاريخ مشائخ جشت خليق نظامي،ص:٣/ ، ط دار القلم لاهور ١٦٩وتاريخ الدعوة للندوي، ص:٣٠/٣٠

١٢. أنظر التفصيل تاريخ الدعوة بالجهاد لعبدالله فهد فلاحي، ص: ٩٣ ط تعمير إنسانيت لاهور وتذكرة شيخ عبدالحق دهلوي أحمد قادري ص:١٣٩ ،ط الهند، وحياة الشيخ عبدالحق محدث دهلوي لخليق أحمد نظامي، ص: ٣٠٢، مكتبة إسلامية لاهور

١٣. أنظر قواعد الأحكام لمعز بن عبدالسلام :ص:٢/ ٢٢٩، ط دار الشروق بالقاهرة

١٤. تاريخ الفكر الفلسفي للدكتور محمد أبو ريان، ص: ١/ ٢٨٧ ، ط١٩٧٠م دار النهضة ببيروت

١٥. سورة القصص، الآية: ٧٧.

المصادر والمراجع

تاريخ الدعوة والعزيمة للشيخ أبو الحسن الندوي، ط دارالتبشير القاهرة وباكستان.

تاريخ فيروز شاهي، ضياء برني، ط لاهور باكستان.

تاريخ الفكر الفلسفي د. ريان، ط دار النهضة بيروت.

تاريخ مشائخ جشت خليق نظامي، ط دار القلم لاهور.

تاريخ الدعوة والجهاد، عبدالله فهد فلاحي، ط تعمير إنسانيت لاهور.

تذكرة شيخ عبدالحق الدهلوي أحمد قادري، ط مكتبة إسلامية لاهور.

حياة شيخ عبدالخالق خليق نظامي، ط مكتبة إسلامية لاهور.

تاريخ المسلمين في الهند د. عبدالمنعم النمر، ط القاهرة.

التصوف الإسلامي رسالته ومبادئه ماضية رجالخرة مشخية عموم طرق الصوفية، ط دار الكتب العربي القاهرة.

سير الأوليا، لأمير خورد، ط دلهي.

المذاهب والأفكار المعاصرة في التصوف الإسلامي، محمد حسن، دار التبشير طنطا مصر.

موسوعية التاريخ الإسلامي والحضارة الإسلامية، د أحمد شلبي، دار النهضة القاهرة.

تأثر الكرام في آثار هندوستان، آزاد بلجرامي، ط دلهي.

نزهة الخواطر، عبدالحي لكهنوي، ط دهلي وحيدر آباد.

قواعد الأحكام، لعز بن عبدالسلام، ط دار الشروق القاهرة.

الكامل لابن أثير، ط بولاق القاهرة.

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

CONCEPT OF TOLERANCE IN ISLAM FOR PROMOTION OF HUMAN UNITY

Brig (R) Prof. Dr. Fazli Rabbi

ABSTRACT

Islam is a divine religion. It is based on divine revelation and Sunnah of the Holy prophet (SAW).Tolerance, patience, forbearing and broadmindedness are the hallmarks of the last divine religion, Islam. In the article the ideology of co-existence has been discussed. Verses of the Holy book indicate importance of the tolerance. Similarly some events out of the Seerah of the Holy prophet (SAW) have been mentioned as references. In these pages it is impossible to explain scope of the subject; however efforts have been made to elaborate the Islamic perspective of tolerance. May Allah Almighty enable all of us to follow teachings of Islam in true spirit.

Keywords: Islam, Tolerance, Divine Revelation, Co-existence, Humanity,

1. Introduction

In the holy book Allah Almighty Says

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللّهِ الإِسْلاَمُ (1)

"Islam being the only Religion acceptable to Allah"
Dates back to Adam (AS), the first man and Prophet on the Earth. Since then Allah (SWT) has sent His Prophets/Messengers who invited the people towards one God (Allah). This practiced till the last Messenger of Allah (SWT), Hazrat Muhammad (PBUH) came on whom was revealed the most perfect and modern form of Islam in shape of the Holy Qur'an:-

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِينًا(2)

"This day, I have perfected your Religion for you, completed my favour upon you and have chosen for you Islam as your Religion"

The Holy Prophet Muhammad (PBUPH) occupies the unique distinction of being the only founder of a religions community whose life and message has been saved in its original and precise form. Sunnah or the life of Holy Prophet Muhammad (PBUH) is a peremptory source of guidance and inspiration for the Muslims. Its study is important merely because of being the modal example of the Holy Prophet which is the second source of Islamic law and Shariah after the Holy Qur'an.

In this article, the concept of tolerance in Islam for promotion of human unity will be discussed.

2. **Definition**

Before going into the details of the teachings about tolerance, it is imperative to define it and make the limitations.

What is tolerance?

Literally, the word "Tolerance" means to bear. As a concept it means, respect, acceptance and appreciation of the rich diversity of the world's cultures, forms of expression and ways of being human" (3).

In Arabic, it is called "Afw" means pardon, forgiveness, dispensation, exemption, sparing and excuses (4).

In Urdu, we use the word "Rawadari".

It allows an individual to perform all the duties which are imposed on him and also to respect other religions and have good relations with them. Tolerance comes from our recognition of:-

- Dignity of human beings.
- Basic equality of all human beings
- Universal human rights
- Fundamental freedom of thought, conscience and belief, however levels of tolerance may be categorized as under:-
    - Among family members
    - Among community members
    - Among people believing in different religions

3. **Teaching of the Holy Qur'an**

Success of Islam lies in the fact that it lays stress on the improvement of individual character, socio-economic structure and political/govt setup to achieve welfare of human beings.

The Holy Qur'an is the preliminary source of guidance of Allah (SWT) and is believed to be the precise in its originality and authenticity. Let us take some guidance from the Holy Qur'an narrated about tolerance.

If we go through the Holy Qur'an, it reflects that Qur'an speaks about the basic dignity of all human beings. It accepts the basic right of an individual to have freedom of belief or religion. In the very beginning it says:

There is no compulsion in religion لاَ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ (٥)

From the very beginning, Qur'an verifies that nobody can be compelled for his believes. History of Islam shows that not a single person was rendered to accept Islam. At another place it says:-

"For you is your way and for me, mine". (٦) لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ

Even permission for fighting is granted only to those who are being faced with cruelty. As the Holy Book guides:-

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ (٧)

Permission (to take up arms) is hereby given to those who are attacked, because they have been wronged. Allah has power to grant them victory.

It's a fact of history that after the conquest of almost whole Arabia, no compulsion was there for the opponents of Islam to accept the new religion, i.e, Islam. They were free to go their own ways. Qur'an forbids Muslims even from attacking Gods of other religions even if they are false so as to avoid a similar reaction from the opposite side. The Holy Qur'an says:-

وَلاَ تَسُبُّواْ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللّهِ فَيَسُبُّواْ اللّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (٨)

Those who worship others than Allah do not call them names because they will also, in enmity and unawareness start calling names of God/Allah Politeness, kindness, decency, respect and logic are the tools of Muslims to attract the non-Muslims. Thus it directs-:

ادْعُ إِلِى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (٩)

Call them to the way of Allah with wisdom and decent advice and when you argue with them, do it in a decent way.

The Holy Qur'an teaches Muslims to be united and considers them responsible to retain it and avoid difference.

وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعًا وَلاَ تَفَرَّقُواْ (١٠)

And hold fast, all of you to the cord of Allah and separated not.

At another place it says:-

وَأَطِيعُواْ اللّهَ وَرَسُولَهُ وَلاَ تَنَازَعُواْ فَتَفْشَلُواْ وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُواْ إِنَّ اللّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (١١)

"And obey Allah and His messenger, and do not dispute with one another, lest you should lose courage and your resolve weakens. Have patience, Allah is with those that are patient.

Islam is against any sectarianism. In the Holy Qur'an, Muslims are told about Bani-Israel and quoted there division both political and religious keeping in view the results from their experience, Muslims are advised:-

وَلاَ تَكُونُواْ كَالَّذِينَ تَفَرَّقُواْ وَاخْتَلَفُواْ مِن بَعْدِ مَا جَاءهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُوْلَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (١٢)

"And be not as those who separated and differed among themselves after there had come to them evidences. For them stern punishment is there

Being a final and universal religion it invites all human being as:-

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاْ إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاء بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللّهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللّهِ فَإِن تَوَلَّوْاْ فَقُولُواْ اشْهَدُواْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ(١٣)

“Say thou, O people of the Book! Come to a word common to us and you, that was shall worship none save Allah, and that we shall not join aught with Him, and that none of us shall take others as Lords beside Allah; then if they turn away, say thou, ‘bear witness that we are Muslims’

Islam advises for security for all. The Holy Quran says:-

وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلاَمَ اللّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لاَّ يَعْلَمُونَ (١٤)

“And should any of the associates seek thy protection grant him protection that he may hear the word of Allah, and then let him reach his place of security. That is because they are a people who do not know.

4. Teachings of the Holy Prophet (PBUH)

Hadith is second source of Islam. The Holy Prophet (PBUH) and his teachings are authority after the Holy Quran in Islam. In this connection, some events/examples from the life of the Holy Prophet (PBUH) are given:-

a. Incident of Taif.

After the death of Abu-Talib, the opposition at Mecca grew greater day by day and the enemies of Islam began to redouble their persecution. The Holy Prophet (PBUH) was then forced to turn his attention towards the next biggest city of Arabia: Ta’if. He traveled to Taif and invited its inhabitants towards Islam. But all the chieftains of the clan refused even to listen to the Holy Prophet and treated Him most contemptuously and rudely. When the Holy Prophet (PBUH) was leaving the town they told a gang of vagabonds to pelt him with stones. He was so much pelted that His whole body was covered with blood and His shoes were clogged to His feet. The Holy Prophet (PBUH) left the town in this woeful plight while

praying to Allah: "O Allah! To Thee I complain of the feebleness of my strength, of my lack of resourcefulness and my insignificance in the eyes of people. O, Most Merciful of all capable of showing mercy! Thou art the Lord of the weak and thou art my own Lord. To whom art thou entrusting me, to an unsympathetic foe who would sullenly frown at me, or to an alien to whom Thou hast given control over my affair? Not in the least do I care for anything except that I may have Thy protection for myself. In the light of Thy face do I seek shelter __ the light of which illumines the Heaven and dispels all sorts of darkness, and which controls all affairs in this world as well as in the Hereafter. May it never be that I should incur Thy wrath, or that Thou should be displeased with me. I must remove the cause of Thy displeasure till Thou art pleased. There is neither strength nor power but through Thee." The Heavens were moved by the prayer and Jibrail appeared before the Holy Prophet (PBUH) greeting him with "Assalamu 'alaikum" and said:

"Allah knows all that has passed between You and these people. He has deputed an angel in charge of mountains to be at your command."

Saying this Jibrail ushered the angel before the Holy Prophet (PBUH). The angel greeted the Holy Prophet (PBUH) and said:

"O Prophet of Allah! I am at your service. If you wish, I can cause the mountains over looking this town on both sides to collide with each other, so that all the people therein would be crushed to death, or you may suggest any other punishment for them."

The merciful and noble Holy Prophet (PBUH) said:

"Even if these people do not accept Islam, I do hope from Allah that there will be persons from among their progeny who would worship Allah and serve His cause."

b. Hijrat to Madinah.

During the journey of hijrah to Madinah, the Holy Prophet (PBUH) and Abu Bakar (RA) were caught by Suraqah bin-Maalik, a stout and well-built man who was induced by the big reward of hundred camels. But when he came near the Holy Prophet (PBUH), his horse stumbled and he fell down. But he mounted again and continued his chase but the horse stumbled again. He did not give up

his chase and this time he took out his arrow aiming at the Holy Prophet (PBUH). The horse stumbled the third time and its feet went deep into the sand. The rider was thrown off his seat with force. His inner self forced him to give up his bad intention. Suraqah threw his arrows and went to the Holy Prophet (PBUH) begging him forgiveness. The merciful Prophet forgave him smiling and on Suraqah's request the slave of Abu Bakr wrote a warrant of pardon on a piece of leather. (15).

c. **Madina Pact**

When the Holy Prophet (PBUH) settled down in Madina, He found there complete anarchy, the region having never known before either a State or a king to unite the tribes torn by internecine feuds. In just a few weeks, he succeeded in rallying all the inhabitants of the region, into order. He constituted a City-State, in which Muslims, Jews, pagan Arabs, and probably also a small number of Christians, all entered into a stately organism by means of a social contract. The constitutional law of this first "Muslim" State which was a confederacy as a sequence of the multiplicity of the population groups has come down to us in to, and we read therein not only the clause 25: "To Muslims their religion, and to Jews their religion," or: "that there would be benevolence and justice," but even the unexpected passage in the same clause 25: "The Jews ... are a community (in alliance) with according to Ibn Hisham and in the version of Abu Ubaid, a community (forming part) of the believers (i.e., Muslims)."

The very fact that, at the time of the constitution of this City-State, the autonomous Jewish villages acceded of their free will to the co federal State, and recognized Muhammad as their supreme political head, implies in our opinion that the non-Muslim subjects possessed the right of vote in the election of the head of the Muslim State, at least in as far as the political life of the country was concerned.

Military defense was, according to the document in question, the duty of all elements of the population, including the Jews. This implies their participation in the consultation and in the execution of the plans adopted (16).

d. **Personal Revenge**.

The Holy Prophet (PBUH) was invited by Jew family to dinner. He (PBUH) accepted this invitation in view of His soft nature and encouragement of the inviters. But, after taking the very first morsel, He (PBUH) stopped eating. The food was poisoned. On inquiring by him (PBUH), the Jews admitted that they had done so in order to know that if He (PBUH) was in fact the Messenger of Allah, the poison would not be effective; otherwise they would get rid of Him (PBUH). Name of the woman who poisoned the food was Zainab who was sister-in-law to Marhab – a famous and renowned Jew wrestler and who had been killed by the chief of the believers, Ali (RA).

This was big incident, an intrigue which had been admitted and the culprit was there in front. But what punishment was awarded to her? Was she imprisoned? No, despite insistence of others, He (PBUH) spared her. He did not punish Zainab because to revenge for himself, He (PBUH) did not like" (17)

e. **Exemplary Forgiveness of the Enemies**.

After conquer of the Mecca, the Holy Prophet (PBUH) sent for 'Uthman bin-Talha, who was the custodian of the keys of the Ka'bah, and who once refused Him to enter the Ka'bah and ill-treated Him. Not only the Holy Prophet (PBUH) entrusted the keys to 'Uthman bin Talha but also said, "If any person took the keys of Ka'bah from 'Uthman bin Talha (or his descendents), he will be cruel."

The Quraish and their leaders were watching quietly in the compound of the Ka'bah. The Holy Prophet (PBUH) then addressed them: "O leaders of Mecca! What treatment do you expect of me this day?" They said," You are a noble brother (to the young) and a gentle nephew (to the aged)." The Holy Prophet (PBUH), "I will treat you as Yusuf (Joseph) treated his brothers.

لاَ تَثْرَيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ (١٨)

"You are free from all fears today. May Allah forgive you? He is Forgiving, Merciful.

When the Meccans heard this they could not believe at first. It touched the deepest cord of the human heart in the audience. He (the Holy Prophet (PBUH)) actually deserved the titles: "Best of Humanity", "The pride of Mankind", and "The Mercy for Nations." Thus the Holy Prophet (PBUH) showed an exemplary forgiveness to his enemies. He and His followers had been persecuted and oppressed in Mecca for thirteen years. Their cruel persecution at last compelled the Muslims to migrate to Madinah. There were among them those who tried to murder the Holy Prophet (PBUH), There were also the one who had caused the death of His daughter, and the woman like Hind (wife of Abu Sufyan) who chewed the liver and the heart of His beloved uncle, Hamzah after he was martyred by her slave, Wahshi, in Uhud. But all these sins were readily forgiven and forgotten. The bitterest enemy of Islam was pardoned and every sympathy was shown to them. Never in the history was there another victor who showed such love and mercy for the fallen enemy.

5. **<u>Religious in Tolerance and its Consequences</u>**

Aim of the Islam is to create an ideal welfare state where there is no injustice, no hunger, no greed, no unemployment and all the people to enjoy peaceful and sound life. As the Holy Qur'an directs:-

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ

(١٩)

"Those who if we establish them in the land will establish the prayer and pay the poor-rate and command what is reputable and restrain what is disreputable."

Intolerance, bigotry, racial and injustice discrimination, prejudice are all obstructions in the creation of the society described above. Intolerance results in general disintegration of the society and

disastrous consequence. A brief account of these consequences is as follows.

a **Rise in Sectarianism**.

Intolerance leads to difference in opinion. Though difference is good, but intolerance leads the formation of groups in society. Islam is against any sect formations. As the Holy Quran says:-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (٢٠)

"Mankind! Verily We! We have created you of a male and a female, and We have made you nations and tribes that you might know one another. Verily the noblest of you with Allah is the most pious of you.

Globally, intolerance leads to formation of different groups on the basis of religious, political and social differences. Examples can be viewed in case of Kashmir, Afghanistan, Middle East, Burma, Libya, Syria etc.

b. **Growth of Violence in Human Life**.

A Socio-economic, political and legal injustice prevails all over the World today. This all is done by a small group of people who want to dominate the world. Outcome of this situation can be seen in the form of violence and terrorism.

Unfortunately, the root causes of the problem are not addressed rather such circumstances are freed to be retaliated with some degree of violence and force.

This leads to a complete violence breeding environment conducive to all types of destruction.

c. **Social Injustice**.

Intolerance leads to social injustice in society the foundation of social system. This negligence leads to a violent group formation

with the society. As the aim of these groups is to fight against the privileged closes of the society so they seek help of violence and extremism in all aspects of life social integrity.

d. **Disharmony Among and within Nation**.

Intolerance creates a situation of disbelief on the other people. Eventually, the individual becomes isolated and social contacts are broken. An unsafe and disharmonic situation arises in the society. In present era, almost all societies of the world are facing this problem. Also, not a single country is having belief another country even neighbor.

6. **Human Unity and Present Era**

Progress and stability of a society and happiness of its people depends on the general welfare of people. Similarly, the harmful habits such as intolerance, bigotry, social and linguistic discrimination, prejudice, all are obstruction in the creation of an ideal society. In the world today, there are about 200 independent states who are the members of United Nations. But all these states are the victim of degenerating social system. As a result, there is great unrest, forced by the depination, and is expressed by violence and terrorism/extremism. It is inevitable that concrete steps should be taken in order to search out the root causes of this social unrest and removed immediately.

As Religion is great force for peace and maintenance of Law and Order situation in the society. So, with the promotion of Religious teachings, the situation can be controlled. Keeping in view the prevailing irritation all across the globe, some steps are mentioned to promote human unity both at National and International level. Importance of tolerance cannot be ignored. It demands that every human being accepts other human beings as equal to himself and recognizes their rights. Broadly, tolerance can be subdivided into two categories.

a. **Religious Tolerance**

Religious tolerance is one of the significant elements responsible for human unity. Islam believes in equality of all men before Allah (SWT). All the religions bear equal importance and status in Islamic perspective. So, Islam teaches, to accept all the religious as a fact respect their beliefs and followers. The Holy Quran says:-

وَلاَ تَسُبُّواْ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللّهِ فَيَسُبُّواْ اللّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (٢١)

“And those who worship others than Allah, do not call them names because they will also, in enmity and unawareness, start calling names to Allah.”
At another place, it says:-

وَاللّهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلاَمِ وَيَهْدِي مَن يَشَاء إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (٢٢)

“And Allah calls to the abode of peace, and guides whom so ever He will to the right path.

Islam is a religion of peace and in the above mentioned verse it is clarified by Allah (SWT) Himself. Islam never allows fighting the non-believers just because of their belief. The Holy Quran says:-

لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (٢٣)

“Allah does not stop you from being kind and just to those who do not fight against you on account of religion and do not drive you out of your homes. Allah certainly loves (Protects) the equitable.

Religious tolerance should be practiced both among the Muslims and the other non-believers. Quran says:-

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (٢٤)

Show forgiveness, enjoying justice and avoid the ignorant.

In Surah Aldahar, it is clarified that welfare must be extended to all the needy people.

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاء وَلَا شُكُورًا
(٢٥)

They give sustenance to the poor men, the orphan and the captive. We feed you for Allah sake only. We seek of you neither recompense nor thanks.

In Surah, Al-Baqarah, Allah (SWT) clarifies or defines the conditions for a pious man:-

لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْمَلآئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّآئِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُواْ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاء والضَّرَّاء وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ

"Virtue is not in this that you turn your faces to the east and the west, but virtue is of him who believes in Allah and the Last Day and the angels and the Book and the prophets, and gives of his substance, for love of Him, to kindred and orphans and the needy and the wayfarer and the beggars and for redeeming necks; and establishes prayer and gives poor-rate and is of the performers of their promises when they have promised; and is of the patient in adversity and affliction and in time of violence;--these are they who have proved true, and these are they who are God-fearing." (26)

b. **Social Tolerance**

A society in which rights and duties of an individual are assigned and given importance by the state machinery, and tolerant atmosphere prevails in the society. It not only provides a conducive environment for work but also provide stability and harmony to ever all socio-economic structure of the nation. To achieve all this, we must be unemotional, positive and realistic about life. The Holy Quran narrates:-

وَقُولُواْ لِلنَّاسِ حُسْناً وَأَقِيمُواْ الصَّلاَةَ وَآتُواْ الزَّكَاةَ (٢٧)

"And speak kindly to mankind and establish prayer and give the poor rate.

Abolishing the ineluctable inequalities based on race, colour of skin, language, birth place, Islam has proclaimed the superiority of individual based solely on Morality. The Holy Quran describes:-

وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِن فَاءتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (٢٨)

"If two parties of believers take up arms against each other, make peace between them. If either of them comets aggression against the other, fight against the aggressor till they submit to Allah's judgment. When they submit, make peace between them in equity and justice; Allah loves the equitable. The faithful are but brethren; so affect reconciliation between your brethren and fear Allah that haply mercy may be shown to you.

c. **Mutual Cooperation**:-

In order to achieve the goal of welfare of human mankind, both at individual and community level, people and Govts should work mutually for creating a friendly environment. There would be no room for selfish, dishonest and troublesome people to detract the society from prayers.

Cooperation might include exchange of scientific knowledge, commendable norms and values, economic and technological support etc. Education and health might prove an auspicious sector for co-operation. In this connection, the Holy Book guides us:-

وَتَعَاوَنُواْ عَلَى الْبرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُواْ اللّهَ إِنَّ اللّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (٢٩)

Help one another in what is good and pious, not in what is wicked and sinful and have fear of Allah for He is stern in retribution.

Solution of Disputes Under Harmony and nderstanding:-

In order to resolve political and religious differences, whether at individual, national or international level, it is necessary to opt for

a dialogue on constant basis. Just after the Migration (Hijrat), The Prophet (PBUH) agreed an accord (Madina Pact) with the Jews which is an excellent example of dialogue and co-existence.

7. **How to Live and Let Others Live?**

As explained earlier, the entire world is at the stage of unrest, social injustice and intolerance has destroyed the system both at individual and community level. In such a situation, how it could be made possible to maintain peace and stability at global level?

It is hoped that if all the people, irrespective of their belief, obey the rules and regulations of their own religion only, it is possible to create a peaceful and harmonized environment. It is so because, none of the religions teaches intolerance, blame of opponents religion etc.

In the light of aforementioned statement, the Last Sermon by The Holy Prophet (PBUH) we can easily extract guidance for us in the prevailing situation. Some relevant aspects from the historical manifesto are:-

a. Verily all the rites and traditions of the ignorance period (Pre-Islamic) are trampled under my foot.

b. No Arab is superior to an "Ajami" and no Ajami has superiority over an Arab. You all are in the progeny of Adam and Adam was created out of dust.

c. (You Must Know) that every Muslim is the brother of another Muslim.

d. Do justice with your slaves. See that you give them to eat of what you eat and clothe them with what you cloth yourselves.

e. "The revenge of all the bloods of ignorance period are treated as cancelled; and just of all I cancel the blood of the Son of Rabiah bin al-Harith."

f. (O people) fear Allah while treatment with women. You have certain rights over them and they have rights over you.

g. (I warn you) your lives, your properties and your honour are as sacred to one another as this sacred Day, as this sacred Month and as this sacred city.

h. Allah has given the rights of possession (as a result of the laws of inheritance). Therefore, there is no right of leaving a will in ancestral rights of inheritance (against the Islamic laws). The proper wedded life begetter a true son, adultery is subject to stonning and Allah shall not take him to task. Allah's curse is on the person who claims a lineage other than that of his own father, and or the slave who relates himself to a person other than his own master. Without the consent of her husband, a wife has no right to give away any past of her husband's property on wealth. The debt must be paid; the borrowed things must be returned; a guarantor must be responsible for the loss (30).

8. Conclusion

Whatever discussed so far reveals that:-

a Islam is a religion chosen by Allah Almighty teaches its followers to be kind, noble, honest, loyal, merciful and cooperative not for themselves but also for their relatives, community and even with the people of other religion also.

b Difference of opinion is not troublesome rather it's a blessing. However according to divine teachings case of difference, everyone should be calm, tolerant and peaceful in his manners and behavior and all the controversies should be tackled through peaceful dialogue.

c Non-Muslims should be treated in a well-mannered way as advised by the Holy Quran and Sunnah. They should be lured/attracted to Islam by our character, invitation, not by a forced action.

d All the religion and their followers should be respected realizing that they are Ummah of the Holy Prophet (PBUH) but have not accepted His message.

References

1. Al Quran- 3:29.
2. Ibid- 5:3
3. Arabic-English Dictionary by F. Staingass, Ph.D
4. The Oxford English –Arabic Dictionary
5. Al Quran - 2:256
6. Ibid -110:6
7. Ibid -22:39
8. Ibid -6:108
9. Ibid -16:125
10. Ibid- 3:103
11. Ibid- 8:46
12. Ibid- 3:105
13. Ibid -3:64
14. Ibid- 9:6
15. Albedaya wa alnnehaya
16. Ibn-e-Hassham
17. Ibn –e- Khaldoon
18. Al Quran -12: 97
19. Ibid -22:41
20. Ibid -49:13
21. Ibid- 6:108
22. Ibid -10:25
23. Ibid -60:8
24. Ibid -7:99
25. Ibid -76:89
26. Ibid -2:177
27. Ibid -2:83
28. Ibid -49:9
29. Ibid -5:2
30. Bukhari, Muslim, Abi Daud

INTRODUCING AN UNEXPLORED SOUTH ASIAN TREATISE ON I‘JĀZ AL-QUR’AN

Dr Abdul-Haye Abro*
Dr Hafiz Mukhtiar Ahmad**

ABSTRACT

The present paper explores and introduces a manuscript on *i‘jaz al-Qur’ān* (inimitability of the Qur’ān) named *Nūr al-Īqān bi i‘jaz al-Qur’ān* written by a profound South Asian Sindhi Scholar, Maulana Muhammad Ismā‘īl al-Ūdvī. The field of *i‘jaz al-Qur’ān* has been and is the field of interest of many Muslim as well as non-Muslim theologians and scholars. Many Muslim scholars of the Middle East and the West have written books and research papers from third/ninth Century up to present times. The main and significant reason for this is that the doctrine of *i‘jaz al-Qur’ān* proves the prophecy of Prophet Muhammad peace be upon him. This paper argues that Shaikh al-Ūdvī is the first South Asian Sindhi Muslim Scholar, who wrote a separate treatise in Arabic on the doctrine of *i‘jaz al-Qur’ān*, which is not introduced properly in academic circles of the day. In this treatise, al-Ūdvī has advanced some new and original arguments to support the doctrine and the prophecy of Prophet Muhammad peace be upon him.

The author of this manuscript dealing with the *i‘jāz al-Qur’ān* (inimitability of the Qur’ān) is a Sindi, Southeast province of Modern day Pakistan, scholar Allāma Muhammad Ismā‘īl b. Allāma Nabī Bakhsh b. Ghulām Hussayn al-Ūdvī al-Sindī (d. 1390/1970). He came from a family that had close contacts with the intellectual and spiritual circles of the day (1). He was a profound exegete, traditionist (*muhaddith*), jurist (*faqīh*) and grand muftī of Sind,

* Associate Professor Shari’ah Int’l Islamic University Islamabad
** Lecturer Dept. Of Islamic Culture & Comparative Religion University of Sindh, Jamshoro

Pakistan. After the death of his spiritual master Maulānā Tāj Mahmūd Amrotī (d. 1347/1929), a leader and an activist of the Khilāfat Movement (2) during 1919-24, al-Ūdvī enjoyed high esteem and respect in the hierarchy of Amrotī's reformist and *da'wa* activities in Sind and played significant role in Sunnī Muslim community of Sind.(3)

Significance of the Work

The i'jāz al-Qur'an had been the subject of study by many Muslim theologians and scholars as attested by the fact that al-Rummānī, al-Khattābī and al-Bāqillānī, al-Rāzī and al-Suyūtī, had discussed certain aspects of the i'jāz in their treatises. (4) But, they all had focused mainly on linguistic style of the Qur'an, whereas al-Ūdvī has adopted entirely a different approach to this field. He advanced new aspects of the i'jāz al-Qur'an, which, according to him, is the result of his lifelong deep thinking and reflection on the Qur'an. Contrary to the classical and medieval authors, al-Ūdvī mainly focuses on the contents of the Qur'an as compared to its style. In this regard, he advances fourteen arguments to prove the i'jaz of the Qur'an as follows:

Qur'an's teachings are based on reason and logic

The reports of the Qur'an pertaining to the unseen

Qur'an's religious teachings are in complete agreement with human nature

Qur'an's depiction of stories of past nations in a way that contains wisdom and lessons

Qur'an's unveiling of the secrets pertaining to natural sciences discovered in modern times

Qur'an's inclusion of clear (muhkamāt) and allegorical (mutashābihāt) verses

Qur'ān's classification of its commandment into different categories such as obligatory (fard), optional (nadb), prohibited (haram) and disliked (makrūh)

Qur'ān's commandments are easy to practice

Qur'ān's inclusion of spiritual and material dimensions

Qur'ān's preservation from loss and corruption

Qur'ān's security from contradiction and inconsistency

Super-human eloquence and rhetoric

Its curious influence upon human hearts and minds

Qur'ān's evidence upon its truth is from within itself

This presentation of the argument is probably the first of its kind in the subject especially in South Asian Islam. No other Muslim scholar in South Asian region in particular and Middle East in general seems to have discussed the subject focussing on the contents of the Qur'an in so coherent and systematic manner, and the treatise appears to be the first novel attempt dealing with the i'jāz from contents point of view.

The importance of this treatise, introduced here for the first time, lies in the fact that it is the only Arabic treaties to be found in South Asian literature dealing exclusively with the subject of i'jāz, which forms significant and important doctrine in Islam. The central argument of al-Ūdvī in defence of the *i'jāz* is based on the concept of unletteredness or unschooledness (*ummiyya*) of the Prophet Muhammad. The second argument is that *i'jāz* of the Qur'ān has countless aspects; however, al-Ūdvī demonstrated it mainly through the contents of the Qur'ān, as mentioned above, although he did not overlooked its style.

The treatise, however, is not a complete work on the subject of *i'jāz* dealing with the nature and principles of the *i'jāz*, although the reader may well form an idea about al-Ūdvī's conception of the nature of the *i'jāz* since he referred to the Ash'arites School's doctrine in some places. The treatise is in the main a work on the use of Qur'ānic contents to prove its *i'jāz*. It was written originally as an apologia for the supremacy of the Qur'an over all other religious scriptures, however, it also represents to prove its divine origin.

The significance of the treatise, therefore, lies not so much in the detailed matters it discusses, although they could reasonably

have had their influence on Muslim scholars if it had been published, as in the comprehensive view of the whole subject of the *i‘jāz*. The originality of the treatise lies in its new departure in the study of *i‘jāz*. Therefore, following pages are devoted to introduce this unexplored work on *i‘jāz* written in South Asia.

Description of the MS

The present manuscript of *Nūr al-Īqān Fī I‘jāz al-Qur’an* (light of faith in inimitability of the Qur’an), is the only extant manuscript, and was first preserved in the library of Shāh Walī Allāh Oriental College, Mansura, Sind, entry number C. N. 9903. Then, this manuscript was transferred by the administration of the college to the Museum of Idāra Ta‘mīr-e-Millat, Mansūra, Sind, having no entry, as a result of nationalization done by Zulfiqar Ali Bhutto, the then Prime Minister in 1973. This could be seen on folio 1, where two readable stamps of both institutions appear. It contains 301 folios of 15 lines each with approximately 15 words in each line in two small books. The first book contains 186 folios and the other contains 114 folios. This manuscript was sold and remained under the study of number of scholars as shown by the prices and signatures, which appear on f. 1 of the second volume, and for the last time, by Professor Sayyid Muhammad Salīm during 1960s. (5) Several explanations and meanings of words, in different languages including, Persian, Urdu and Sindhi, have been added in margins. There are in the text occasional repetitions, sometimes one or two words and some times more than that up to five words. Some mistakes have been corrected, by a number, in the margins and some places by omitting and writing beside them. The manuscript is written on thick white paper in good *naskh* script in black in one hand with headings and sub-headings written in the same format and marked by a line above, and at some places written in a large format without mark. Three words on f. 3 and one word on f. 6 are over inked, which, with little attention, could be read. The several edges are also affected. This MS is partially vocalized particularly those words that could be read either way. The title of the work appears on f. 2, where the scribe mentions that it is his property in *nasta‘līq* script as follows:

مملوكه مسكين الدهقاني طالب العلم أحقر العباد بقلم خود

نور الإيقان في إعجاز القرآن

مصنف هذا الكتاب مولانا محمد إسماعيل صاحب العودوي ثم الشكارفوري

وكاتب هذا الكتاب الدهقاني طالب العلم

يلوح الخط في القرطاس دهرا وكاتبه رميم في التراب

العبد نورمحمد

There are many scribal errors. The text begins:

بسم الله الرحمن الرحيم، الحمد لله العزيز العليم، منزل الذكر الحكيم

The text ends on f. 299 as follows:

فمن كان مبلغهم من العلم حياة الدنيا وزخارفها وهم عن الآخرة غافلين (كذا) فلا شك أنهم أخس وأدون من الذين لهم علم بما سوى الحياة الدنيوية من الروحانيات وبالأمور الأخروية المستعدين لها

Underneath that the scribe, al-Dahqānī gives the date of its finishing as follows:

قد تم هذا الكتاب المستطاب لعلامة العصر والزمان أعني أستاذي ومولاي باسم ذبيح الله – مد ظله علينا– العودوي ثم الشكارفوري من (كذا) يد دهقاني طالب العلم في تاريخ عشرين من الشهر الذي نزل فيه الكتاب المبين بالدلائل المتينة من سنة ثلاث عشر مائة وخمسة وسبعون (١٣٧٠هـ) عن هجرة النبي الأمي خاتم النبيين– صلى الله تعالى عليه وعلى عترته أجمعين– ويطابق هذا التاريخ ١٩٥٥ ٢. ٥.

أنا العاجز الدهقاني طالب العلم

At the end on f. 300 the author gives the certificate of reading out of this work to him by al-Dahqānī as follows:

بسم الله الرحمن الرحيم، الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

فقد قرأ علي كتاب "إعجاز القرآن" الذي من تأليفاتي المولوي الفاضل المختار بين الأقران نور محمد الدهقاني . رقاه الله تعالى إلى غاية ما يتمناه . حوالي سنة خمس وسبعين وثلاث مائة بعد الألف وأجزته أن يرويه عني وغيره من تأليفاتي، والله سبحانه هو المولى.

كتبه بيده العاجز الفقير إلى الله الغني الجليل محمد إسماعيل العودوي الشكارفوري– عفي عنه ما كان منه –

The f. 1 and 301 contain matter irrelevant to the text. On f. 187, there are some signatures, in different hands by the people, who

borrowed it to study, or owned it including al-Dahqānī, the scribe and original owner, Abdullah Khushk al-Sindī, Qurbān Alī Bugtī. A note, in margin, by the scribe on f. 172 reveals that the MS under discussion was copied from the MS of the author, which is not extant. On the whole, the manuscript is in good condition, with only a few places, where ink smudges make reading difficult.

Identity of the author of the MS

The authorship of this treatise can be established by two ways. First, internal evidence which can be shown through f. 2, as mentioned above. In addition, its authorship can also be seen from the forward of the author f.5. Second, the authorship of this treatise has never been disputed in biographical references on al-Ūdvī, which provides a sufficient proof that it is an authentic work of al-Ūdvī. Its authorship is first mentioned by Professor Amīnullāh al-'Alavī (b. 1362/1943) in his biographical article on al-Ūdvī. Al-'Alavī has retired as a professor of Arabic language and literature and as a principal of Government C and S Degree College, Shikārpur, Sind in 2003. It is reported that he has close contacts with al-Ūdvī and is one of the participants in his lectures and religious sermons in Shikārpur. This implies that al- 'Alavī was well acquainted with the works of al-Ūdvī. Moreover, al- 'Alavī belongs to the circle of Sindī 'Ulama' and a knowledgeable person about Sindī scholars and their lives and works. His testimony is therefore quite weighty. Other references to this treatise are also found in other biographical material on al-Ūdvī. [(6)]

Title of the treatise

The title *Nūr al-Īqān Fī I'jāz al-Qur'an* of the MS can also be shown in two ways. First, it is clearly mentioned on f. 2, as mentioned above. Second, all the biographers of al-Ūdvī have mentioned same title.

The scribe: Identity and Dating

The MS bears on ff. 2, 299, 300 the name of its scribe, Nūr Muhammad al-Dahqānī, a famous student of the author, who is well

known to the biographers of al-Ūdvī.(7) The MS also bears on ff. 199 and 300 the date of its finishing, 20/ 9/ 1375- 2/5 1955. However, no one has mentioned the date of starting scribing present MS from the original MS of the author, which is not extant. The certificate by the author, al-Ūdvī, on f. 300 bears witness that the scribe, al-Dahqānī read it out to the author during 1957 AH, although the place is not mentioned.

Orthography

The scribe's orthography is generally good and clear, but he seems to have paid little attention to diacritical points, grammatical rules, recognized orthographic forms and peculiarities, orthographical idiosyncrasies diagonal stroke at some letters, hence, he has made several mistakes which are listed below:

S. No.	Page	Error	Correct
1	5	اصطلاحات	إصلاحات
2	5	الجلية	الجليلة
3	6	انعمت	أمعنت
4	7	افمن على	أفمن كان على
5	15	وعند	وعد
6	17	بالمدية	بالمدينة
7	20	بهذ	بهذه
8	21	لتفسدون	لتفسدن
9	22	من منهم	منهم
10	25	فضاهو	فضاهى
11	26	اخترع ه	اخترعه
12	27	القطرات	القطارات
13	27	الغالم	العالم
14	28	المسي	المسمى
15	28	لم ار من	لمن
16	29	تعذيل	تعديل
17	30	تسحكم	تستحكم

18	30	يود	يولد
19	30	هذ	هذه
20	31	عن	أن
21	31	مهم	منهم
22	32	بالنكاح	بإنكاح
23	33	ذكرين أنثى	ذكر وأنثى
24	34	لتك	لتلك
25	34	والاخيرون	والآخرون
26	38	الباء	البلاء
27	40	فاسخ	فانسلخ
28	41	العقائدة	العقائد
29	42	رئيت	رأيت
30	43	التشريعة	التشريعية
31	44	بماشي	يماشي
32	44	احيان	الأحيان
33	45	قراءه	قراءة
34	49	كلواحد	كل واحد
35	51	المحقيق	التحقيق
36	52	يسر	يسير
37	59	الاكبير	الكبير
38	60	بتعددة	متعددة
39	62	بالمرءة	بالمرأة
40	66	جزا	جزاء
41	67	سقع	سيقع
42	67	الموجو	الموجود
43	73	وحدت	وجدت
44	73	العجية	العجيبة
45	81	الموة	المودة
46	83	كتا	كتاب

47	83	د ـن	دين
48	85	محرقة	محرفة
49	86	قابا	كابا
50	86	مجزة	معجزة
51	87	عصته	عصمته
52	87	بالاعناق	بالاعتناق
53	92	طنوع	تنوع
54	93	ابدءوا	أبدعوا
55	99	أنانين	أفانين
56	109	اليه	إليه
57	114	الاحسنى	الحسنى
58	115	اكثر	أكثرهم
59	121	الرحمته	لرحمته
60	122	مر	مريم
61	122	الحذر	الحذر من العدو
62	126	بالغة الفصيحة	باللغة الفصيحة
63	136	عليّ	علىٰ
64	138	اكلمل	أكمل
65	139	تعضيمه	تعظيمه
66	139	تبرءها	تبرؤها
67	140	السبيل	السبل
68	140	بايصدوف	بالصدوف
69	143	يقلبون	يلقبون
70	143	هذين	هاتين
71	144	تؤذ	تؤذن
72	144	تكو	تكون
73	145	غر	غير
74	147	تغير	تغيير
75	148	صححهما	صحيحيهما

76	148	تسوّءه	تسوّئه
77	148	تؤلمه	تألمه
78	151	حسبت	حسب
79	155	كالحا	كالحياة
80	156	قامة	قامت
81	158	تؤل	تؤول
82	164	نتائجها	نتائجها
83	166	اوحد	أوعد
84	169	حرم الأطعمة	حرم من الأطعمة
85	169	شبعة	شعبة
86	172	بوعط	بوعظ
87	172	فطرئ	فطري
88	172	بيـهما	بينهما
89	173	التمزجون	المتزوجون
90	174	وتصلحوا	وأن تصلحوا
91	174	الفحشا	الفحشاء
92	177	وغير	وغيرها
93	177	تخلف	تختلف
94	177	المتكلفل	المتكفل
95	178	تحلموا	تحكموا
96	178	للتقوى ان الله	للتقوى واتقوا الله ان الله
97	179	خلا	خلوا
98	181	بتزك	بترك
99	181	فياكل	فليأكل
100	182	رجم	رجس
101	185	يايها الذين اطيعوا الله	يايها الذين آمنوا أطيعوا الله
102	190	خضوا	خضعوا

103	190	الظمير	الضمير
104	202	الصفاف	الأوصاف
105	204	والانزل	والإنزال
106	206	ربهم فسوٰها	ربهم بذنبهم فسوٰها
107	214	رشد	شديد
108	216	الحادي عشرة	الحادية عشرة
109	219	فقشقها	فعشقها
110	222	تبرءه	تبرئه
111	222	بكاوا	بكاء
112	224	اولا	أولاد
113	226	تعبان	تعبانا
114	229	غـري	غيري
115	235	وسكن	سكن
116	235	يبغي	ينبغي
117	238	لفظي	لفظية
118	240	جلعهما	جعلهما
119	246	المنزاهة	المنازهة
120	260	تل	تدل
121	261	فيبغي	فينبغي
122	262	للمتقين	للمقوين
123	263	ونشان	ونشاهد
124	264	الطيبة	الطبية
125	266	تسحوذ	تستحوذ
126	267	كلواحد	كل واحد
127	279	بين هما	بينهما
128	281	التعافف	التعاطف
129	282	رازنة	رزانة
130	283	بدا	بدى
131	285	فيمهاوي	في مهاوي

132	288	المحارة	المحاربة

The preceding list of errors clearly shows that the scribe seems not to have been careful in his scribing. Besides this, the scribe wrongly repeats sentences, even up to half page. (8) He also makes mistakes in citing verses and references from the Qur’an in a few places. (9) Furthermore, he is also guilty of wrong pagination as he disordered the pages from one place to another (10) as well as in numbering of sub-headings. (11) It seems necessary to note that several corrections have been made in the text. It is likely that the corrections were made by the scribe himself, as the style of the writing is similar to the text. He uses few methods of correction. When a word or words are definitely additional, he simply strikes them out. (12) Sometimes he crosses out the incorrect words and makes corrections beside them, (13) while at others in the margins.(14) In such cases, the scribe uses numbers in the margins. On f. 165, half of page is blank. There are significant grammatical errors in the MS, as mentioned in the list above, and since only one copy of the work is extant it seems impossible to say whether the incorrect grammar is to be attributed to al-Ūdvī, or to the scribe.

Conclusion

Careful study of history of the doctrine of i‘jaz al-Qur’ān shows that form third/ninth century up to thirteenth/nineteenth century the interest of Muslim theologians and scholars has been to mainly focus on the linguistic beauty and stylistic miracle of the Qur’an. al-Rummānī, al-Khattābī and al-Bāqillānī, al-Rāzī, al-Suyūtī and al-Rafi‘ī are clear examples of showing miraculous nature of the Qur’an through rhetoric and style of the Qur’an. Al-Udvi adopted a different line of argumentation in his treatise. Al-Udvi mainly focused on the contents of the Qur’an rather than words of the Qur’an to prove rationally the prophecy of Prophet Muhammad peace be upon him. This is a new and original line of argumentation in the field of i‘jaz al-Qur’ān.

REFERENCES

1. Soomro, Muhammad Qāsim, *Shikārpur Jo Tārīkhī Pasmanzar* (Historical Background of Shikārpur), unpublished PhD Thesis, Jamshoro: University of Sind, 1998, p. 145; Alavī, Amīnullāh, "Hazrat Maulānā Muhammad Ismāīl al-Ūdvī Thumma al-Shikārpurī", *al-Rahīm*, ed. Qāsmī, Ghulām Mustafā, 1980, (Nov. Dec), p. 3. For detailed study of his life and works, Kāndhro, Mukhtiar Ahmed, "Maulānā Muhammad Ismā'īl al-Ūdvī al-Shikārpurī", *Allāma Ghulām Mustafā Qāsmī Ain Sandas Ham'asar Ālima Ain Adība*, (Allama Ghulam Mustafā Qāsmī and His contemporary Scholars and Literary Figures) ed. Khādim, Qāzī, Jamshoro: University of Sind, 2007, p. 81-95.

2. For detailed study on the Khilāfat Movement, with regard to the role of Sind and its *pīrs* (spiritual guides), See. Milnault, Gail, *The Khilafat Movement*: *Religious Symbolism and Political Mobilization in India*, New Delhi: Oxford India Paperbacks, 1999, 65-110, where he narrates: "the best example of the personal influence of religious leaders in popular political mobilization at this time occurred in Sind, where *pirs* enjoy a particularly important position among rural Muslims.... At, he continues, the Provincial Khilafat Conference in Sind in February 1920, Shaukat Ali, Abdul Bari, and Haji Abdullah Haroon shared the platform with a couple of the more influential *pirs*, Maulana Taj Muhammad, [Mahmūd] Pir Muhammad, and Pir Turab Ali Shah". See p. 105. For the role of Shikārpur in the Khilāfat Movement, see. Sābir, Shams, "Shikārpur Jo Tahrik-e-Khilāfat Men Hiso" (Contribution of Shikārpur in the Khilāfat Movement), in *Shikārpur: Tārikha Ain Tahqīqa*, (Shikārpur: History and Research) ed. Moryānī, Khalīl, Kandyāro: Roshnī Publication, 2004, p. 262.

3. Chāchar, Abdul Wahhāb, "Maulānā Nabī Bakhsh al-Ūdvī", *Sharī'at*, ed. Chāchar, Abdul Wahhāb, 1981 (October), p. 185; Kāndhro, p. 81.

4. For an overview of these works, see Issa J. Boullata, "The Rhetorical Interpretation of the Qur'ān: *i'jāz* and Related Topics", in Approaches to the History of the Interpretation of the Qur'ān, ed. Rippin, Andrew, Oxford: Clarendon Press, 1988, pp. 143-54; al-Himsī, Na'īm, *Tārīkh Fikra i'jāz al-Qur'ān mundhu al-Bi'tha*

al-Nabawiyya Hattā al-ʿAr al-Hādir, *ma'a naqd wa ta'līq*, Beirut: Mu'assasa al-Risāla, 2nd ed., 1980.

5. Kandhro, 90
6. See, for instance, Adīb, Sibghatullāh, "Maulānā Muhammad Ismā'īl al-Ūdvī", *Wīnjhār*, ed. Mujāhid Chanā, 2004, (January), p. 15; Moryānī, Abdul Wahīd, "Maulānā Muhammad Ismā'īil al-Ūdvī", al-*Sind*, ed. Abro, Abd al-Hayye, Islamabad, 2000 (May-June), p. 27.
7. See. 'Alavī, p. 12; Kāndhro, p. 91
8. See. Folio. 220
9. See, for example, ff. 115, 127, 178, 185, 196, 214, 277.
10. See. ff. 284, 285.
11. See. f. 126.
12. See. f. 4.
13. See, for example, ff. 5, 8, 9, 10, 11.
14. See, for example, ff. 44, 45, 56,

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(English Portion)

❊ Concept of Tolerance in Islam for Promotion of Human Unity 1
Brig. (R) Prof. Dr. Fazli Rabbi

❊ Introducing an unexplored South Asian Treatise on I'jaz al-Qur'an 18
Dr Abdul-Haye Abro / Dr Hafiz Mukhtiar Ahmad

Table of Contents

(Urdu Portion)

- Role of Interfaith dialogue for global Harmony in the light of the Prophetic Teachings 1

  Dr. Syed A.G.Bukhari / Dr. Syed Naeem Bukhari

- The Traits of a Preacher in the light of Prophet's biography 36

  Dr. Tajjud Din Azhari

- Narrative Thought and Mysticism 5٣

  Dr. Hafiz Muhammad Abdul Qayyum

- The necessity & Basis of the Interpretative Judgments of Prophet Muhammad (SAW) 6٧

  Dr. Farhat Nisar / Dr. Asia Rasheed

- The Progress of Education in the light of Prophetic Model 9٧

  Prof. Dr. Abdul Rauf Zafar

- Significance and Importance of Interfaith Harmony in the contemporary world 13٨

  Dr. Noor hayat Khan

(Arabic Portion)

- Payment of dues and performance of Duties in Shari'ah and its implementations ١٧٥

  Dr. Attaullah Faizi

- The Right of Legislation between Democratic System and Islam 21٨

  Prof. Dr. Khadim Hussain Ellahi Bakhsh

- History of reformative Mysticism & Some model Mystics of the Sub-Continent 2٦٨

  Prof. Dr. Ahmed Jan

Advisory Committee

Prof. Dr. Sohail Hassan
Islamic Research Institute (IRI), Islamabad

Prof. Dr. Abdul Rauf Zafar
Chairman Dept of Islamic Studies, Sargodha University

Prof. Dr. Taj-ud-Din Azhari
Chairman Dept of Islamic Studies, International Islamic University, Islamabad

Prof. Dr. Ali Asghar Chishti
Dean Faculty of Arabic & Islamic Studies, Allama Iqbal Open University, Islamabad

Dr. Muhammad Ilyas
Dept. of Hadith, International Islamic University, Islamabad

Dr. Muhammad Sajjad
Dept of Islamic Studies, Allama Iqbal Open University, Islamabad

Dr. Hammad Lakhvi
Dept of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore

Dr. Hafiz Abdul Qayyum
Sheikh Zayed Islamic Center, University of the Punjab, Lahore

Dr Muhammad Abdul Allah
Sheikh Zayed Islamic Center, University of the Punjab, Lahore

Dr. Tahir Mehmood
Chairman Dept of Humanities, Urdu Wafaqi University, Islamabad

Dr. Muhammad Riaz Wirdeg
Chairman Dept of Islamic Studies, Hazara University, Mansehra

Prof. Dr. Abdul Aziz Al-Ahmedi
Madina University, KSA

Prof. Dr. Mazhar Yasin
Ali Garh University, India

Prof. Dr. Majeeb-ur-Rehman
New York, USA

Editorial Committee

(National)

Prof. Dr. Zia-ul-Haq
Chairman Dept. of Islamic Studies, NUML, Islamabad

Brig (R) Dr. Fazal-e-Rabbi
Dept. of Islamic Studies, NUML, Islamabad

Prof. Dr. Muhammad Akram Rana
Vice Chancellor, Sargodha University, Sargodha

Prof. Dr.Ataullah Faizi
Dept. of Islamic Studies, NUML, Islamabad

Prof. Dr. Ahmed Jan
Chairman Dawa section IIU, Islamabad

Dr. Mustafiz Alvi
Chairman Dept. of Islamic Studies, WISH, Islamabad

Dr. Noor Hayat
Dept. of Islamic Studies, NUML, Islamabad

(International)

Prof. Dr. Shikri Muhammad Saleh
Director Islamic Development Management, UMS, Malaysia

Prof. Dr. Sohaib Hassan
Secretary Sharia Council, London

Prof. Dr. Muhammad Arshad Hafeez
Director, Higher Learning Center, London

Prof. Dr. Khadim Hussain Ellahi Bakhsh
Taif University, KSA

the authors. Mr. Muhammad Abid Hasan has played an important role in the renovation of the Magazine. Whatever the quality and goodness the Magazine owns is by the grace of Allah Almighty and all deficiencies are due to our negligence or error. We pray to Allah Almighty for the recognition and popularity of "Al-Baseera".

Dr. Syed Abdul Ghaffar Bukhari

Editor

Editorial

Certainly, research articles have great relation with the people associated the education such as teachers, researchers and students, etc. Through these articles, new innovations come to light which are not only beneficial for them, but they also play an important role in delivering these precious resources to others. That is why today in the modern world of research, these articles have become a necessity for every University. Higher Education Commission (HEC) of Pakistan has set certain standards to evaluate the universities' performance; these research magazines possess key position in this regard.

With the blessing of Allah Almighty, National University of Modern Languages has the honor that it has been publishing research magazines since long. These magazines have received recognition from Higher Education Commission which enhances the educational quality of the university significantly.

In this connection, faculty members of the Department of Islamic Studies, NUML had intention since long that a research magazine be published by the Department. The undersigned presented this proposal to the honorable Director General, NUML which he is blessed with great acceptance by him. Allah may bless him (Ameen).

Numerous research articles received were analyzed and certain articles were selected to be published in Al-Baseera. These articles being published in Al-Baseera are actually the result of incessant efforts of the scholars working in different fields of life. This tri-lingual bunch would be the solution of modern challenges as well as it would play pivotal role in providing guidelines to the researcher and common readers in the field of research (Insha Allah).

Current issue of Al-Baseera has been compiled according to the directions and guidelines of the Rector and Director General, NUML. I would like to pay special thanks to respectable Rector NUML, DG NUML, Dr. Zia-ul-Haq, Brig (R) Dr. Fazal-e-Rabbi and all members of Editorial Committee. I am also thankful to all

6. References

References should be made according to the following guidelines:

i) References should be made as Endnotes.

ii) While giving references, *Chicago Manual Style* should be adopted.

iii) For similar references at multiple locations, traditional style of abbreviations can be used.

iv) Quranic verses Article in the written should be presented in Arabic script.

v) All Ahadiths should be briefly interpreted.

vi) All-known figures mentioned in the article must be briefly introduced and in this regard references from books should also be provided.

Necessary directions regarding articles:

General Points:

1. Article should be composed on one side of A4 paper. It should not be more than 30 pages. Be careful regarding font size.
    a. For main-headings, font size: 18,
    b. For sub-heading, font size: 16 and
    c. For matter, font size: 14
2. The article should have not been published anywhere else.
3. The article should be in accordance with the research principles and should be on a new topic. Moreover, the article should be adorned with the references of basic sources and should not be infringed.
4. It is necessary to take care of secret and rules of writing & spelling.
5. Three hard copies and one soft copy is required.
6. Article may be written in the Urdu, English or Arabic languages.
7. It is necessary to avoid from errors and omissions.

Directions for Writing & Editing

Thesis should contain the following

1. **Abstract**

   It should contain summary regarding research objective, methodology, distinctive characteristics and conclusion. Abstract should be written in English language.

2. **Introduction**

   Introduction about the article should be precisely and briefly presented.

3. **Keywords**

   Authors are required to include five key words.

4. **Conclusion**

   Conclusion should be presented in a logical sequence.

5. **Discussion**

   In this part of the article, author would present his views and research in detail.

Research Journal THE VISION

Rules & Regulations for publishing an Article

Editorial Policy

"Al-Baseera" is a magazine purely affiliated with Islamic Sciences and Arts, which is of greater importance for the world of knowledge and research. Editorial policy regarding articles to be published in the magazine is as under:

* Articles should be relevant and around the topics such as Uloom Al-Quran, Uloom Al-Hadith, Ilm-w-Usool-e-Fiqh, Comparative Religions, Ilm Al-Kalam and Sufiism, Philosophy, Science, Literature, Economics, Sociology, Political, Cultural, etc. Similarly, introduction & comments on Muslim Personalities and Islamic Books.
* "Al-Baseera" shall be published twice a year (in June & December)
* Research articles will be forwarded for peer review to two nominated referees, one National and other Foreign, after approval of the Director General.
* Copyright laws shall be applied in accordance with the HEC's laws.
* Decision of the Editorial Board regarding publishing article will be the final.
* Editorial Committee reserves the rights of necessary amendments, cancellation and abstract in the articles sent.
* Editor shall inform the writers with the opinion of the analysts and to make necessary changes.
* All research articles published in "Al-Baseera" express the view points of their authors. So every article is the sole responsibility of the writer whilst Editorial Committee has no responsibility in this regard.
* Articles once sent to "Al-Baseera" shall not be returned in both the case, published or not published.

Publisher: Dept. of Islamic Studies, NUML, H-9, Islamabad

Printing: National University of Modern Languages (NUML),
H-9, Islamabad

Volume: 1 Issue: 1 June-2012

Number: 250

Price: Domestic Rs. 300/= Abroad $ 10/=

All Correspondences should be addressed to:

Asst. Prof. Dr. Syed A.G.Bukhari, ***Editor,*** "Al-Baseera"

Brig (R) Prof. Dr. Fazli Rabbi, ***Coordinator***

Dept. of Islamic Studies, NUML, H-9, Islamabad

Ph: OO92 051-925764 50 EXT (254)

E-mail: abdul.ghaffar@numl.edu.pk

Web-Site: www.numl.edu.pk

Research Journal

THE VISION

ISSN: 2222-4548

Vol: 1 Issue: 1

June-2012

Patron:

Maj. Gen (R) Masood Hassan (Rector NUML)

Chief Editor:

Brig. Azam Jamal (Director General NUML)

Editor:

Dr. Syed Abdul Ghaffar Bukhari

DEPARTMENT OF ISLAMIC STUDIES, NUML, ISLAMABAD – PAKISTAN

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ

Research Journal

THE VISION

VOL 1 ISSUE 1 JUNE 2012

NATIONAL UNIVERSITY OF MODERN LANGUAGES

DEPARTMENT OF ISLAMIC STUDIES NUML, ISLAMABAD